معاصر تقدیسی ادب
اور
تنقیدی منشور

ڈاکٹر عزیز احسن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاصر تقدیسی ادب

اور

تنقیدی منشور

(Contemporary
Sacred Literature and Critical
Prism)

تصنیف
ڈاکٹر عزیز احسن

ترتیب وتدوین
محمد عمران خان، فرہاد فریدی

نام کتاب: معاصر تقدیسی ادب اور تنقیدی منشور

(Contemporary Sacred Literature and Critical Prism)

مصنف: ڈاکٹر عزیز احسن

مُرَتّب: محمد عمران خان، فرہاد فریدی

صفحات: 248

قیمت: Rs.1000/-

کمپوزنگ: رضا کمپوزنگ پارلر کراچی (0318 2120586)

مطبع: قریشی آرٹ پریس، ناظم آباد، کراچی

ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی ۔75290

سنِ اشاعت: ذیقعدہ ۱۴۴۶ھ ہجری مطابق: مئی ۲۰۲۵ء

ISBN No.978-627-7895-02-0

انتساب

تقدیسی ادب کے تخلیقی تقاضوں سے آشنا
لکھاریوں کے نام

آئینۂ ترتیب

☆☆☆

عرضِ مرتب

تقدیسی ادب وہ صنفِ ادب ہے جس میں الفاظ کے پیراہن میں عقیدت، عشق، فکر اور وجدان سانس لیتے ہیں..........اور جب تقدیسی ادب کو عقل کی روشنی میں، تنقیدی بصیرت سے دیکھا جاتا ہے، تو اس کی معنویت کے کئی نئے زاویے دریافت ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "معاصر تقدیسی ادب اور تنقیدی منشور" انھی نئے زاویوں کی ایک علمی اور فکری جہت ہے۔ اس میں شامل ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے وہ مضامین ہیں جو مختلف علمی و ادبی جرائد میں شایع ہوئے یا تقدیسی ادب کی کانفرنسوں میں پیش کیے گئے۔ یہ تحریریں نہ صرف تقدیسی ادب میں جمالیاتی و فکری محاسن پر روشنی ڈالتی ہیں بل کہ معاصر تقدیسی ادب کے تنقیدی منہاج، اسالیب، فکری رجحانات اور نظریاتی ابعاد کا جامع تجزیہ بھی پیش کرتی ہیں۔

استادِ محترم ڈاکٹر عزیز احسن صاحب اُن سنجیدہ نعت شناس اسکالرز میں شامل ہیں جنھوں نے تقدیسی ادب کی تفہیم کو تنقیدی شعور کے تابع کر کے، تحقیقی، استدلالی اور فکری بلندی کے ساتھ متن پرکھنے کی بنیاد رکھی! نعت رنگ کی پہلی اشاعت اپریل ۱۹۹۵ء سے آج تک مسلسل ایسی فکری تحریریں ڈاکٹر صاحب کے قلم سے نکلیں، جن کی اشاعت کے بعد، نعتیہ شاعری کو ادب کے مرکزی دھارے میں لانے کے لیے تنقیدی عمل سے گزارنے اور جانچ کے نتائج کو قرطاس پر لانے کا رجحان عام ہوا۔ الحمدللہ! بعد ازاں یہ صنفِ مقدس، ادب کی اعلیٰ ترین صنف کے طور پر قبول کی جانے لگی۔ بقول غیاث الہٰ آبادی

ع یہ عہد عہدِ نعتِ رسولِ کریم ہے

اور جب نعتیہ تخلیقات کو طباعتی جامہ پہنانے کا رجحان عام ہوا تو کتب کی اشاعت کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا۔ کتب کی اشاعت کا خیال عام ہوا اور کمیت (Quantity) کا رجحان بڑھا تو معیار (Quality) کے پہلو نظر انداز ہونے لگے۔ ایسی صورت میں ڈاکٹر عزیز احسن صاحب نے نعتیہ ادب کو معیار آشنا کرنے کی غرض سے، شروع شروع میں قانون ساز تنقید (Judicial Criticism) کی روشنی میں مضامین لکھ کر شعرا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ بعد ازاں اُنھوں نے، مختلف تنقیدی دبستانوں کے تناظر میں بھی شعرا کی تخلیقات کو پرکھنے اور سراہنے کا

رویہ اپنایا۔اب بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ تقدیسی ادب کی تنقیدی قلم رو (Domain) میں ڈاکٹر صاحب کا سکہ رائج ہے۔

اس کتاب کی تدوین کا مقصد یہ ہے کہ منتشر علمی و تنقیدی نگارشات کو یکجا کر کے اردو نعتیہ ادب کے سنجیدہ قارئین، محققین اور ناقدین کے لیے ایک معتبر اور مستند حوالہ فراہم کیا جائے۔ یہ کتاب نہ صرف موجودہ نعتیہ تنقیدی رجحانات کی عکاسی کرتی ہے بل کہ مستقبل کے تخلیق کاروں ، محققین اور ناقدین کے لیے ،نظریاتی تغذیہ بھی فراہم کرتی ہے۔

میں اپنے محترم استاد، صاحبِ علم اور عاشقِ رسول ﷺ ،ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری خواہش کو سندِ اعتبار دینے کی غرض سے اپنی وقیع تحریریں اس کتاب کی صورت میں منظرِ عام پر لانے کی اجازت دی۔

میں اپنے استاد محترم ملک سراج احمد گلؔ صاحب (رحیم یار خان) کا ممنون ہوں جنھوں نے میری روحانی تربیت کی ہے اور جو میرے لیے میری کل کائنات ہیں۔

میں جامعہ کراچی شعبۂ اردو کے اساتذہ میں ڈاکٹر صفیہ آفتاب صاحبہ، ڈاکٹر عظمیٰ حسن صاحبہ، ڈاکٹر صدف تبسمؔ صاحبہ، ڈاکٹر شمع افروز صاحبہ، ڈاکٹر ذکیہ رانی صاحبہ، ڈاکٹر محمد ساجدؔ خان صاحب، ڈاکٹر رانا خالد محمود قیصرؔ صاحب اور صدر نشینِ شعبہ محترمہ ڈاکٹر تنظیم الفردوس صاحبہ کا شکر گزار ہوں، جن کے خوانِ علم کا میں ریزہ چین ہوں۔

دوستوں میں سید غیورؔ بخاری (سرائیکی شاعر بہاول پور)،شاعر،علی حنبلؔ (رحیم یار خان)، دانش علی شیخ اور عبدالقدیر (شعبہ اردو جامعہ کراچی) ،اپنی ایک ہم جماعت،نظم و نثر میں یکتا مہارت رکھنے والی،سیدہ لبنیٰ بینشؔ (شعبہ اردو جامعہ کراچی) کا بھی ممنون ہوں جو علمی و ادبی حوالے سے میری بہت معاونت کرتی رہتی ہیں۔

امید ہے یہ کتاب تقدیسی ادب کے فکری سرمائے میں ایک گراں قدر اضافہ ثابت ہوگی اور علمی دنیا میں نعت کی تخلیقی سچائیوں اور متنی گہرائیوں کو سمجھنے کا ایک معتبر حوالہ بنے گی!

فرہادؔ فریدی........................ ۱۰ مئی ۲۰۲۵ء، گلستانِ جوہر کراچی

☆☆☆

جوازِ خامہ فرسائی!

جنوں میں خامہ فرسائی سے توڑے ہیں قلم اتنے
ہمارا گھر نہیں ہے اک نمونہ ہے نیستاں کا
(داغ)

اس شعر میں نیستاں اور قلم کا تعلق دیکھ کر ماضی کے آلاتِ تحریر کی طرف خیال جاتا ہے، جب بانس کی ایک پتلی قسم ''نرسل'' سے قلم بنائے جاتے تھے۔ آج ہم کمپیوٹر کی مدد سے لکھتے ہیں۔ لیکن لکھاری کا جنون وہی ہے جو پہلے تھا۔

ادبی وعلمی ذوق کی فضا میں ایک مدت تک لکھاریوں کو سراہا جاتا رہا۔ خود سلاطین نے علمی ذوق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہلِ ادب وفن اور اہل علم کی بھرپور انداز میں حوصلہ افزائی کی۔ لیکن اب ماحول بدل گیا ہے۔ علمی کساد بازاری کے اثر سے، علم وادب کی دنیا میں قحط الرجال کا سماں ہے۔ مادی ترقی اور مادہ پرستی نے ذہنوں کو مسموم کر دیا ہے۔ اب تو تقدیسی ادب کی طرف مائل شعرا و ادبا میں بھی خلوص کی حد درجہ کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ اس لیے ادب میں بھی سنجیدہ آوازیں، نقارخانے میں بسانِ طوطی، دبی ہوئی ہیں۔ تاہم اہلِ جنوں کا حال اب بھی وہی ہے:

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں
(میر تقی میرؔ)

تقدیسی ادب کی علمی آبیاری کا خیال دامن گیر ہے تو کچھ نہ کچھ لکھتے رہنے سے روح تسکین پاتی ہے اور قلم چلانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ مجھ سے توقع کی جاتی ہے کہ میں نعت گو شعرا کی حوصلہ افزائی کروں......لیکن مجبوری یہ ہے کہ میں مسودوں کو متنی اور تخلیقی اصولوں کی روشنی میں پرکھے بغیر رائے نہیں دیتا۔ ہاں کبھی مجبوراً تحسین کی ضرورت پڑ جائے تو لکھ دیتا ہوں کہ میں نے ''خذ ما صفا'' کا اصول اپنا کر کچھ لکھا ہے۔

پیشِ نظر کتاب کے مضامین میں کچھ تو تقدیسی ادب کی اجتماعی صورتِ حال اور منظر نامے کے عکاس ہیں۔ لیکن کچھ مضامین مختلف شعرا کی تخلیقی دانش کی تحسین کے بھی آئینہ دار ہیں۔

میں نے ایک مدت تک حمد، نعت اور منقبت کے تخلیقی متون کو محض زبان و بیان اور شرعی تقاضوں کی روشنی میں پرکھا۔ لیکن کبھی صوفیانہ اور عارفانہ سیاق کی طرف متوجہ نہیں ہوسکا۔ لیکن اس بار میں نے نعتیہ متون پر صوفیانہ احوال کے اثرات کا جائزہ لینے کا ارادہ کیا تو صوفیانہ احوال کا اُفق (Horizon) مجھ پر روشن ہوگیا اور میں نے پہلی بار ''صوفیانہ/عارفانہ سیاق'' کے حوالے سے کچھ معروضات پیش کیے ہیں۔ ہوسکتا ہے کچھ لوگ صوفیانہ واردات کی تفہیم کے حوالے سے میرے نکتۂ نظر کو بنگاہِ استحسان نہ دیکھ سکیں۔ لیکن تقدیسی سخن سنجی میں صوفیانہ واردات کے اثرات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ تفہیمِ کلام کے لیے اس جانب توجہ کرنا ناگزیر ہوجاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ صوفیانہ احوال کی پرکھ کے لیے میرے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ صوفیانہ اور عارفانہ کلام کی جانچ پڑتال کے لیے کلیم کی شخصیت سے گہری شناسائی درکار ہے۔ لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم کسی کے کلام کو پرکھنے سے قبل اس کی شخصیت کو بھی جان لیں! اگر یہی اصول طے ہوجائے تو کسی بھی شاعر کے کلام کا مابعد الطبیعیاتی عنصر کبھی بھی زیرِ غور نہیں آسکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں شاعر کی باطنی کیفیات تک رسائی کے لیے، صرف کلام کی اندرونی شہادت ہی پر اعتماد کرنا ہوگا! صوفیا کرام کے تذکروں سے اور شعرا کے ذاتی احوال سے بھی کسی نہ کسی طور موجود لوازمے ہی پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔ سو میں نے کچھ احوال کی روشنی میں ایک مقدمہ قائم کیا اور جیسے تیسے اس کا نتیجہ قارئینِ کرام کے لیے پیش کردیا۔

شرف الدین شامی نے غزہ اور فلسطین کی صورتِ حال کا بغور جائزہ لیا اور مسلسل اپنے جذبۂ ایمانی کے اظہار کا وسیلہ اپنے کلام کو بنایا۔ میرے خیال میں غزہ کے مظلوم شہیدوں اور مجبور و بے کس مسلمان بھائی بہنوں کے درد کو جس شدت سے شامی صاحب نے محسوس کیا اور اپنے اظہاریے میں اجتماعی مسلم ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی وہ معاصر تقدیسی ادب میں واحد مثال ہے۔ بلاشبہ انھوں نے پیامی نظمیں لکھ کر امتِ مسلمہ کی جانب سے عموماً اور پاکستانی قوم کی طرف سے خصوصاً، فرضِ کفایہ ادا کیا ہے۔ ''محاصرہ''......امتِ مسلمہ کی ابتلا پر استقامت کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے رجز اور عمومی بے حسی کا نوحہ''......شرف الدین شامی کی کتاب کا دیباچہ ہے جسے آپ ایک الگ طرز کی لکھت پائیں گے!

''تخلیقی ادب کے تقاضے، شعرا و ناقدین'' والا مضمون لکھتے ہوئے مجھے مجبوراً مقنن

تنقیدی منہج اپنانا پڑا۔ میں نے معاصر تقدیسی ادب میں بیشتر نعتیہ مجموعوں کو اس خیال سے پڑھا کہ دیکھیں اپریل ۱۹۹۵ء سے جو میں مسلسل زبان و بیان اور متنی بے احتیاطیوں پر بات کر رہا ہوں، اس کا نعتیہ شاعری پر کچھ اثر پڑا یا نہیں؟..........تو مجھے محسوس ہوا کہ تنقیدی شعور بیدار کرنے کی میری کوششوں کے اثرات، مطلوبہ نہج اور سطح تک، مشہود نہیں ہو سکے! ایسی صورت میں، مجبوراً میں نے متروک منہج نقد Judicial Criticism ایک بار پھر اپنا لیا۔اس بار میں نے شعرا اوران کی کتابوں کے نام نہیں لکھے، صرف اپنی یادداشت کے لیے کچھ Code words لکھ لیے ہیں۔ اس تحریر میں میرا لہجہ بھی ذرا سخت ہو گیا ہے۔ لیکن جب کوئی معتدل مزاج قاری میرے معروضات اور صاحبِ کتاب شعرا کے تخلیقی نقوش دیکھے گا تو امید ہے کہ مجھے حق بجانب قرار دے!

اس کتاب کی تدوین کا کام محمد عمران خان، فرہاؔد فریدی نے انجام دیا ہے۔ یہ نوجوان میری چند حمدیہ و نعتیہ نظموں کا سرائیکی میں ترجمہ بھی کر چکا ہے جو ''طلوعِ سحر'' کے عنوان سے شایع ہو گیا ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے، کیوں کہ میں نے اسے محنتی پایا ہے۔ یہ جامعہ کراچی میں ایم۔اے اردو کا طالب علم بھی ہے اور محنت کر کے روزی بھی کماتا ہے۔ علمی ذوق، اس کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔شاید ایسے ہی جوانوں کے لیے اقبال نے کہا تھا:

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

میں چوں کہ براہِ راست کمپیوٹر پر لکھتا ہوں اس لیے بعض جگہ املا کی غلطیاں رہ جاتی ہیں ،جن کی اپنے طور پر خود پروف خوانی کرنے سے میرا تحریری لوازمہ (matter) اغلاط سے پاک نہیں ہو پاتا ہے۔فرہاد فریدی نے اس کتاب کا مکمل متن بڑی عرق ریزی سے پڑھا اور اس میں رہ جانے والی املا کی غلطیوں کی تصحیح کی۔ اللہ تعالیٰ اسے اس محنت کا اجرِ جزیل عطا فرمائے!

میری کتب کی طباعت میں عملاً دلچسپی لینے اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازنے کے لیے، میں صبیح رحمانی کا ممنون ہوں۔ یہ جوان بھی لائق ستائش خدمات انجام دے رہا ہے۔ تقدیسی ادب کی ترویج و اشاعت کا اس نے جب سے بیڑا (بی ڑا) اٹھایا ہے، اس کا یہ سفر مسلسل جاری ہے اور امید ہے مستقبل میں بھی اسی انداز سے جاری رہے گا۔ تقدیسی ادب کے حوالے سے میں نے کچھ اور لوگوں کو بھی سرگرم دیکھا ہے لیکن بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ جو خلوص میں نے صبیح رحمانی

میں پایا، کسی اور میں نہیں دیکھا۔ میں نے صبیح کو جیسا پایا، اس کے لیے چند فقرے انگریزی کے لکھ سکتا ہوں:

"He is completely dedicated and selfless in promoting the cause of sacred literature."

اللہ صبیح رحمانی کی عمر دراز فرمائے اور اشرار کی ریشہ دوانیوں سے اسے محفوظ رکھے (آمین)!

عزیز احسن

اتوار: ۱۳؍ ذیقعدہ ۱۴۴۶ھ مطابق: ۱۱؍ مئی ۲۰۲۵ء

سندھ میں تقدیسی شاعری!

تقدیسی شاعری میں حمد، نعت، منقبت اور مرثیے کی اصناف آتی ہیں۔ سندھ باب الاسلام ہے، یہاں دینِ اسلام کا سورج دوسرے خطوں سے قبل طلوع ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سندھی زبان میں قرآنِ کریم کا ترجمہ بھی دوسری زبانوں کے مقابلے میں اوّل وقت میں ہوگیا تھا۔ سندھ میں اولیاءِ کرام نے عشقِ الٰہی کے نغمے الاپے ہیں۔ تصوف یہاں کی شعری زمینوں میں شجرِ بارآور ہوا۔ اس لیے یہاں رائج ہر زبان میں توحیدی مضامین جلوہ آرا نظر آتے ہیں۔ شاہ لطیف رحمۃ اللہ کے حمدیہ اشعار کا ترجمہ شیخ ایاز نے اس طرح کیا ہے:

تیری ہی ذات اوّل و آخر — تو ہی قائم ہے اور تو ہی قدیم
تجھ سے وابستہ ہر تمنا ہے — تیرا ہی آسرا ہے ربِ کریم
کم ہے جتنی کریں تری توصیف — تو ہی اعلیٰ ہے اور تو ہی علیم
والیِ شش جہات واحد ذات — رازقِ کائنات ربِ رحیم

(ریختہ)

سید نعمان الحق نے حسین بن منصور حلاج کی کتاب الطّواسین کا ترجمہ کیا ہے، اس میں توحید کا خاص بیان ہے، حلاج کہتے ہیں:

حق ایک ہے، اُسے ایک کہا گیا ہے اُس جیسا کوئی نہیں
پس اگر میں یوں کہوں کہ جس کو ایک کہا گیا، ایک مانا گیا
اُس کی یکتائی — اُس سے ہے کہ جس نے ایک کہا، ایک مانا
تو میں نے — کہنے اور ماننے والے کا رشتہ جوڑا
یکتائی، اکائی، اور — یگانگی!

(رنگ برنگ طیلساں، کتاب الطّواسین، ابن منصور حلاج، ترجمہ: سید نعمان الحق، مکتبہ دانیال، کراچی، ۲۰۲۴ء، ص ۱۲۲)

انسان کی نظر خوگرِ پیکرِ محسوس ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے تصور سے تجریدی افکار کی روشنی میں شاعری کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے عام شعرا نے حمدیہ شاعری کی طرف بہت

کم توجہ کی ہے۔ تاہم سندھ میں اردو حمدیہ شاعری کے نقوش بھی گہرے ہیں۔حضرت حسّانؓ حمد و نعت بک بینک پاکستان کے بانی غوث میاں نے جولائی ۱۹۹۸ء میں ''انتخابِ حمد'' شایع کیا تھا جس میں سندھ کے شعرا کا تخلیقی حصہ نمایاں ہے۔ جہانِ حمد اور ارمغانِ حمد کے نام سے طاہر سلطانی نے مجلّے جاری کیے اور ان کے مشتملات کو کتابی صورت میں شایع بھی کیا۔ان کتب میں بھی پیشتر اُن شعرا کی حمدیں ہیں جن کا تعلق سندھ سے ہے۔ حال ہی میں شاعرعلی شاعر نے ''ہزار حمد'' کے نام سے ایک ہزار حمدیہ تخلیقات مرتب کی ہیں جن میں تقریباً ۲۰ فیصد حصہ سندھ کے شعرا کا ہے۔خود شاعرعلی شاعر نے ''حمد کے سات رنگ'' کے نام سے،سات ہیئتی شعری اصناف میں حمدیہ اشعار کہہ کر انھیں کتابی شکل دی ہے۔

نور احمد میرٹھی نے ۲۱۱ غیر مسلم شعرا کی حمدیہ شاعری کو''گُل بانگِ وحدت'' کے نام سے کتابی شکل دی۔

حال ہی میں مجھے سندھی کے معروف شاعر و ادیب نصیر سومرو کے حمدیہ و نعتیہ کلام کا مسودہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ان کی ایک حمد کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

یہ جو بادل برس رہا ہے............ یہ دریا جو بہہ رہا ہے............ یہ ہوا جو سرسراتی ہے............ یہ چرند، یہ پرند، یہ کہکشاں کی گردش............ یہ سب تیرے اشارے پر ہیں............ یہ سب تیرے ذکر میں مگن ہیں............تو جو چاہے تو صحرا میں نخل کھلیں............تو جو چاہے تو چٹانوں سے چشمے پھوٹیں............تو جو چاہے تو راتیں اجالوں میں ڈھل جائیں............تو جو چاہے تو ایک لمحہ صدیوں میں بدل جائے............ تیرے کرم کے سائے میں بزم روشن ہے............ ہر راہ پر تیری رحمت کے چراغ جلتے ہیں............ ہر ساز کی لے میں تیرا ہی نغمہ گونجتا ہے
ہر دل کی دھڑکن میں تیرا ہی نام بستا ہے ....اے نورِ مطلق، اے محورِ ہست و بود !............ یہ زمین یہ آسمان، یہ وقت کی گردش............ یہ سب تیرے حکم پر رواں دواں ہیں (غیر مطبوعہ کلام ۔۔حمدیہ و نعتیہ شاعری،نصیر سومرو)

آج کل نعتیہ مجموعوں کے ساتھ ساتھ حمدیہ شاعری کے مجموعے بھی منظرِ عام پر آنے لگے ہیں۔

اسلام سے وابستگی کی شرطِ اوّل حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے اس لیے سندھ میں

نعتیہ شاعری بھی ابتدا ہی سے ہونے لگی تھی۔

جامعاتی سطح پر اردو نعتیہ شاعری کا تحقیقی تعارف بھی سب سے پہلے سندھ میں کروایا گیا تھا۔ رمضان المبارک ۱۳۹۸ ہجری مطابق ۱۹۷۸ عیسوی میں شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی کی جانب سے مجلّہ ''صریرِ خامہ'' کا نعت نمبر شائع کیا گیا جس کے نگران شیخ ایاز تھے اور اس کی ترتیب کا سہرا حمایت علی شاؔعر کے سر رہا۔

جامعہ سندھ میں پہلی بار ہفتۂ سیرت منایا گیا تھا اس لیے مذکورہ مجلّے کی ابتداء شیخ ایاز کے خطبۂ صدارت سے ہوئی۔

اس خطبے میں انھوں نے اس بات پر بھی مسرت کا اظہار کیا تھا کہ جامعہ سندھ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ اس میں ''رب العالمین کے آخری عظیم المرتبت پیغمبر رحمۃً للعالمین کی سیرتِ پاک کے مطالعے کے لیے سیرت چیئر [شعبۂ سیرت] کا قیام عمل میں لایا گیا''۔

شیخ ایاز کے خطبۂ صدارت کے بعد شاہ لطیف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نعت کا اردو ترجمہ بھی شیخ ایاز ہی نے پیش کیا تھا۔ اس نعت کے چند بیت، پیشِ خدمت ہیں:

اگر اللہ پر رکھتے ہو ایماں
رسول اللہ سے بھی لَو لگاؤ
سمائے جس میں ان دونوں کا سودا
کسی در پر نہ اِس سر کو جھکاؤ
جنھوں نے دل سے اس یکتا کو مانا
محمد (ﷺ) کو بصد اخلاص جانا
نہ ان کو کوئی گمراہی کا خطرہ
نہ اُن سے دور ہے اُن کا ٹھکانا

اس مجلّے میں ''صحابہ کرام کی نعت گوئی'' پر ایک اہم مضمون کے ساتھ ''اردو نعتیہ شاعری کے سات سو سال'' کے عنوان سے حمایت علی شاعر کا تحقیقی مقالہ ہے جس میں شعرا کے کلام کا نمونہ اور ان کے سوانحی کوائف درج ہیں۔

سندھ کے شہری علاقوں میں شعرا کی اکثریت ہے اس لیے حیدرآباد اور کراچی کے

بیشتر شعرا کا اردو نعتیہ کلام کمیت (Quantity) اور کیفیت (Quality) کے اعتبار سے لائق توجہ ہے۔

سندھی زبان میں بے شمار شعر کا کلام موجود ہے لیکن ہمیں اپنی کوتاہی کا احساس ہے کہ ہم اصل زبان میں اس کلام کے نمونے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ البتہ صبیح رحمانی کی کتاب ''پاکستانی زبانوں میں نعت، روایت وارتقا'' میں شامل کچھ مضامین سے استفادہ کرتے ہوئے اردو نثری ترجمے پیش کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر نواز علی شوق نے ''سندھی نعتیہ شاعری کا مختصر جائزہ'' پیش کرتے ہوئے چند شعرا کے اشعار کا نثری ترجمہ پیش کیا ہے۔ شاہ لطیف رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''قیامت کے دن شافعِ محشر ہم گناہگاروں کو نہیں بھولیں گے۔
اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اُمت کی شفاعت کی سفارش فرمائیں گے۔
وہاں مومنوں کو آنحضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی''

(ص ۷۵)

عبدالرؤف بھٹی (المتوفی ۱۱۲۶ھ) کے ایک شعر کا ترجمہ کیا ہے:

''جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچوں، کعبے کا طواف کروں اور آبِ زم زم نوش کروں''۔

(ص ۷۶)

رمضان کمہار (المتوفی ۹۸......۱۸۹۹ء) کے مولودنامے کے اشعار کا ترجمہ:

''حضور پُر نور ﷺ کی ولادت سے کفر کی ظلمت ختم ہوئی اور اسلام کا نور پھیلا،
مومن خوش اور آباد ہوئے اور کافروں کو مایوسی اور بربادی نصیب ہوئی''

(ص ۷۷)

سید غلام محمد شاہ گدا (المتوفی ۱۹۰۵ء) کہتے ہیں:

''محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ کے پیارے نبی ﷺ ہیں اور اُن کا نور حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے تھا اور اسی نور سے یہ جگ روشن ہوا''۔

(ص ۷۸)

ڈاکٹر نواز علی شوق نے بتایا ہے کہ سندھ میں صوفیائے کرام نے تبلیغ کے زیرِ اثر ہندو

شعرا نے بھی نعتیں کہیں۔ رانا بھگوان داس کے نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یا رسولِ خدا سلامٌ علیک　　　شانِ رب العلیٰ سلامٌ علیک
خاتم المرسلیں ، سید الاصفیا　　　شافعِ دوسرا سلامٌ علیک

(ص ۸۵)

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کا بھی ایک مضمون بعنوان ''سندھی زبان میں نعتیہ شاعری'' زینتِ کتاب ہے۔ اس میں بھی انھوں نے چند شعرا کے کلام کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ ۱۵۲۲ء میں وفات پانے والے شاعر ''قاضی قافن'' کی ابیات کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

''محشر کے روز جب بے شمار سورجوں کی تپش ہوگی وہ تمام سورج بادل کی طرح محسوس ہوں گے جب وہاں محبوب کا مشاہدہ ہوگا''۔

(ص ۸۸)

مخدوم پیر محمد لکھوی (لکھی ضلع شکارپور) المتوفی ۱۵۹۰...... یا ۱۶۰۰ء، کی نظم کا ترجمہ ہے:

اے صبا! اے نسیمِ صبح .... تو محبوب کا قاصد ہے، اور اُن کا پیغام لانے والا ہے
تو محبوب کے پاس آنے جانے والا ہے............ تو محبت کرنے والوں کا رفیق اور عشاق کا محرمِ راز .... تو محبوب کی جانب سے اچھی خبریں لانے والا ہے
فراق کے درد مندوں کا پیغام لے جا............ دردوفراق والوں کی دوا تمھارے پاس ہے............ مدعا کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:
تو حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کے سامنے عجز کے ساتھ حاضر ہو............ [اور عرض کر] کہ
پیرو، ہارون کا بیٹا اور الیاس کا پوتا............ جسے قسمت نے لکھی میں قید کر رکھا ہے۔ (ص ۸۹)

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے اپنے مضمون میں متعدد شعرائے سندھ کی حمدیہ و نعتیہ شاعری کی نشاندہی کی ہے۔ آخیر میں انھوں نے صاحبِ تصنیف شعرا کے تذکرے میں غلام احمد نظامی، محمد بخش واصف، احمد خان آصف، حافظ احسن چند، سید سردار علی شاہ ذاکر، مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ، حاجی احمد ملاح، غالب سندھی، فیض بخشاپوری، عبداللہ اثر، ڈاکٹر محمد ابراہیم خلیل، حاجی علی بخش جمالی، رحیم بخش قمر اور سید گل محمد شاہ گُل کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

صبیح رحمانی کی مذکورہ کتاب میں پروفیسر آفاق صدیقی کا مضمون بھی شامل ہے جس کا

عنوان ہے ''سندھی مولود''۔شاعرِ ہفت زبان حضرت سچل سرمست کے چند اشعار کا نثری ترجمہ بھی انھوں نے پیش کیا ہے:

''رسولِ اکرم ﷺ کے روضہء اقدس پر سلام پیش کر۔ان کا وعدہ ہے کہ وہ بیکسوں کی مدد فرمائیں گے۔مدینے کے میر ہمیشہ سے بے سہاروں کا سہارا ہیں، وہ حشر میں ہماری شفاعت کریں گے''(ص ۱۱۸)۔

پروفیسر آفاق صدیقی نے متعدد مولود نویس شعرا، کرام کا ذکر کیا ہے۔

حافظ حبیب الرحمٰن سیال، بخشی نے ''سندھی نعتیہ شاعری پر ایک نظر'' کے عنوان سے مقالہ لکھا ہے، جس میں نعت کی تعریف اور شاعری کے فنی لوازم پر روشنی ڈالی ہے۔سندھی مولود پر مرتب کردہ کتب کا اجمالی تعارف بھی کروایا ہے۔استاد بخاری کے درجِ ذیل نعتیہ قطعے پر ان کا مضمون مکمل ہوا: ترجمہ:

جنت بھی وہ ہے جہاں آپ ٹہلتے ہوں گے
وہ جنتی ! جن سے آپ ملتے ہوں گے
دوزخ کے دل پر تو پڑتی ٹھنڈک ہوگی
اس کو دیکھ کر آپ ہنستے ہوں گے

(ص ۱۲۸)

نعتیہ شاعری کے فروغ میں سندھ کو بالعموم اور کراچی کو بالخصوص نمایاں مقام حاصل ہے۔یہاں نہ صرف نعتیہ شاعری پر کتابیں شایع کی گئیں بل کہ نعتیہ شاعری کو پرکھنے اور اس میں غیر ارادی طور پر در آنے والی زبان و بیان کی بے احتیاطیوں پر گفتگو کا سلسلہ بھی ''نعت رنگ'' کے کتابی سلسلے میں اپریل ۱۹۹۵ء سے شروع ہوا اور بعد ازاں اس روش کی پیروی میں متعدد کتب بھی شایع کی گئیں۔دبستانِ وارثیہ، کراچی کی جانب سے ہر ماہ ''ردیفی'' مشاعروں کا بندوبست ہوتا ہے۔کراچی کے نعت گو متخصصین کی تعداد بھی حیران کن ہے اور عام شعرا کا نعتیہ اندوختہ بھی لائق توجہ ہے۔ماہر القادری سے صبیح رحمانی تک بے شمار ایسے شعرا کے نام آتے ہیں جن کی شاعری میں سوز و گداز، فنی مہارت، شعری در و بست اور شرعی احتیاط کے اثرات نمایاں ہیں۔

غیر مسلم شعرا کی نعتیہ تخلیقات کی جمع آوری کا کام نہایت سلیقے سے کراچی میں نور احمد

میرٹھی نے کی اور ''بہرزماں بہرزباں'' کے عنوان سے وہ نعتیہ اندوختہ، کتابی صورت میں پیش کیا۔

تقدیسی شاعری میں ''مناقب'' کا بھی ایک مقام ہے۔احادیث کی کتب میں درج عنوانات کی متابعت میں، منقبت نگاری، کا آغاز ہوا۔تقریباً تمام احادیث کی کتب میں خلفائے راشدین، ازواجِ مطہرات اور اصطلاحی اہلِ بیت کے، مناقب پائے جاتے ہیں۔ وجہِ تخلیقِ کائنات حضرت محمد مصطفٰی ﷺ نے حضرت حسّان بن ثابتؓ سے فرمائش کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منقبت کے اشعار سماعت فرمائے تھے جو دیوانِ حضرت حسان ثابت انصاری رضی اللہ عنہ میں صحیح سند کے ساتھ درج ہیں:

اس منقبت کے ایک دو اشعار کا منثور ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

''دشمن نے پہاڑ پر چڑھ کر جس غار کا چکر لگایا تھا اس میں پناہ لینے والے حضور ﷺ کے ساتھ دوسرے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ وہ رسول اللہ کے محبوب ہیں اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ مخلوق میں کوئی ان کے برابر نہیں ہوسکتا۔ نبی پاک ﷺ کے بعد سب سے زیادہ متقی ، پاکباز، وعدے کو پورا کرنے والے اور امانت داری کرنے والے ابوبکر صدیقؓ ہیں''

حضور ﷺ نے یہ اشعار سماعت فرمائے تو تین مرتبہ ارشاد فرمایا ''اے حسان! تم نے بالکل سچ کہا، میرے ساتھی کو بلا لاؤ''۔

(دیوانِ حضرت حسّانؓ، ص ۳۸۶)

عرب میں منقبت نگاری شروع ہوئی تو عجم میں سندھ ہی کی سرزمین ہے جس میں یہ رجحان نمایاں نظر آتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ سندھ میں شعرائے کرام نے خلفائے راشدین اور اصطلاحی اہلِ بیت کے مناقب لکھے ہیں۔ مناقب پر مشتمل متعدد کتب بھی منظرِ عام پر آئی ہیں جن میں منظر عارفی کی کتابیں ''مناقبِ امام حسین اور شعرائے کراچی'' اور ''مناقبِ خلفائے راشدین اور شعرائے کراچی'' لائق ذکر ہیں۔ان دونوں کتابوں کی اشاعت، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی کے زیرِ اہتمام ہوئی ہے۔

بزرگانِ دین کے اعراس پر بعض خانقاہوں میں منقبتی مشاعرے ہوتے ہیں۔ کراچی میں خانقاہِ تاجیہ میں بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ اور آپؒ کے خلیفہ حضرت بابا یوسف شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے مناقبوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مرثیہ بھی تقدیسی شاعری کے ذیل میں آتا ہے۔ضمیر اختر نقوی کی کتاب ''اردو مرثیہ پاکستان میں'' کے مشتملات میں سندھ کے شعرا کا حصہ بڑا وقیع ہے۔ جوش ملیح آبادی، سید آلِ رضا، نسیم امروہوی وغیر کو اس کتاب میں ''جدید مرثیے کے معماروں میں شمار کیا گیا ہے'' جن کا تعلق کراچی سے ہے۔ دبستانِ کراچی کے مرثیہ نگاروں میں آرزو لکھنوی سے مصطفیٰ زیدی تک متعدد شعرا کا ذکر بھی ہے اور مرثیے کے نمونے بھی۔ رحمٰن کیانی کی شہرت ''رزمیہ'' شاعری کی بنا پر ہوئی۔ انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خطبے کے چند الفاظ مسدس میں ڈھالے ہیں:

میں ہوں حسین ابنِ علی جانتے ہو تم
اور کون ہے یزیدِ شقی ، جانتے ہو تم
مومن اگر ہو آؤ مری پیروی کرو
جانِ بتول و سبطِ نبی جانتے ہو تم
نیکی کدھر ، کدھر ہے بدی جانتے ہو تم
ورنہ سروں میں جو ہے سمائی وہی کرو

نوکر ہو مانتا ہوں مگر نوکری میں بھی
روٹی پہ روٹی رکھ کے وہی کھائے آدمی
جس نوکری کا ظلم و ستم پر قیام ہے
اچھے بُرے کا فرق اُصولاً ہے لازمی
نیکی کا حوصلہ ہو کمائی حلال کی
وہ نوکری غلط ہے، وہ روزی حرام ہے

(ضمیر اختر نقوی، اردو مرثیہ پاکستان میں، سید اینڈ سید، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۳۹۴)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خطبے کے یہ الفاظ ہر عہد کے لیے قندیلِ ہدایت ہیں۔

میں نے انتخابِ حمد و نعت، مناقب اور مرثیے کے مختلف مجموعے دیکھے ہیں لیکن بہت کم شعری تخلیقات کو شعری و شرعی یا Poetic and Textual سطح پر ''معیاری'' پایا ہے۔ ناقدین کو چاہیے کہ کسی مجموعۂ کلام پر رائے دینے سے قبل ''متنی'' اور ''اظہاری'' معیارات پیشِ نظر رکھیں اور کتاب کو طباعت سے قبل، اغلاط و اسقام پاک کروانے کی سعی فرمائیں!

☆☆

کتابیات:

۱۔ابنِ منصور حلاج، کتاب الطّواسین، رنگ برنگ طیلساں، سید نعمان الحق، مکتبۂ دانیال،عبداللہ ہارون روڈ، کراچی،۲۰۲۴ء

۲۔حمایت علی شاعر،صریرِ خامہ،شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی،۱۹۷۸ء

۳۔صبیح رحمانی، پاکستانی زبانوں میں نعت، روایت وارتقا،نعت ریسرچ سینٹر،کراچی، ۲۰۱۷ء

۴۔نوراحمد میرٹھی، بہرزماں بہرزباں،ادارۂ فکرِ نو کراچی،۱۹۹۶ء

۵۔غوث میاں، انتخابِ حمد، حضرت حسّانؓ بُک بینک پاکستان، کراچی، جولائی ۱۹۹۸ء

۶۔طاہر حسین طاہرا سلطانی، جہانِ حمد،کراچی،اکتوبر۲۰۲۰ء

۷۔طاہر حسین طاہر سلطانی،ارمغانِ حمد، جہانِ حمد پبلی کیشنز،کراچی،فروری۲۰۱۷ء

۸۔شاعرعلی شاعر، ہزار حمد، رنگِ ادب پبلی کیشنز،کراچی،۲۰۲۴ء

۹۔شاعر علی شاعر،حمد کے سات رنگ، رنگِ ادب پبلی کیشنز،کراچی،۲۰۲۴ء

۱۰۔نوراحمد میرٹھی،گلبانگِ وحدت، ادارۂ فکرِ نو،کراچی،۲۰۰۷ء

۱۱۔مولانا محمد اویس سرور، دیوانِ حسّان بن ثابتؓ،مکتبہ رحمانیہ، لاہور،س۔ن

۱۲۔ضمیر اختر نقوی،اردو مرثیہ پاکستان میں،سید اینڈ سید،کراچی،۱۹۸۲ء

☆☆

جمعرات:۲۵رشوال المکرّم ۱۴۴۶ھ......مطابق:مطابق:۲۴راپریل ۲۰۲۵ء

نوٹ: یہ مقالہ،قومی ورثہ وثقافت ڈویژن، اکادمی ادبیاتِ پاکستان،کراچی کے زیرِ اہتمام ہونے والی کانفرنس میں ہفتہ:۲۶راپریل ۲۰۲۵ء کو پاکستان نیشنل میوزیم کے آڈیٹوریم[کراچی] میں پیش کیا گیا۔

☆☆

اکیسویں صدی کی مقبول شعری ہیئتیں اور نعت!

ادبی تخلیقات کی عمر، ان کے نزولی عہد سے نہیں بل کہ پوری روایت کی روشنی میں متعین کی جاتی ہے۔اس لیے صرف ''اکیسویں صدی کی مقبول شعری ہیئتیں اور نعت!'' کہنے سے یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ جو ہیئتی صنف نعتیہ متن کے لیے اکیسویں صدی میں برتی گئی، وہ واقعتاً صرف اسی صدی کی دین ہے۔شعری مجموعوں میں شامل کلام کا تخلیقی دورانیہ کئی دھائیوں قبل کا بھی ہوسکتا ہے۔اس لیے عنوان میں دی گئی دورانیے کی حد بندی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ تو کیا جاسکتا ہے کہ نعتیہ مجموعوں کی تاریخِ اشاعت کو پیشِ نظر رکھیں، لیکن یہ قطعی باور نہیں کیا جاسکتا کہ کتابوں میں شامل تمام کلام سن ۲۰۰۱ء سے ۲۰۲۴ء کے دورانیے ہی میں تخلیق ہوا تھا! تاہم، اس مضمون میں ہم نے کتابوں کی تاریخِ اشاعت ہی کو معیار بنایا ہے۔

اب ہم مختلف شعری اصناف کی ہیئتوں (Poetic Forms) میں ڈھلے متن (Text) کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

نعتیہ غزل:

مولوی نجم الغنی رامپوری، بحر الفصاحت میں لکھتے ہیں:

''لغت میں غزل، جوانی کا حال بیان کرنے، عورتوں کی صحبت اور عشق کا ذکر کرنے کو کہتے ہیں......غزل، ان اشعارِ متفق الوزن والقوافی کو کہتے ہیں، جن کی بیت اوّل کے دونوں مصرعے مقفیٰ ہوں۔اس بیت کو مطلع کہتے ہیں۔باقی ابیاتِ غزل میں صرف مصرعِ ثانی میں قافیہ ہوتا ہے......سب سے آخر کی بیت کو متممِ غزل اور مقطع کہتے ہیں''(۱)

صاحبِ کشافِ تنقیدی اصطلاحات نے لکھا:

''غزل عربی لفظ ہے مگر ایک صنفِ شعر کی حیثیت سے ایرانیوں کی ایجاد ہے۔غزل کے لغوی معنی ہیں:

(الف) ذکرِ زنان وعشق بازی با ایشاں وشرح زیبائی معشوق و بیانِ سوز وگداز و حدیثِ اشتیاق ودل باختگی۔

(ب) ہرن کی وہ ضعیف، دردناک، پرسوز اور رحم انگیز آواز جو شکاری کتوں میں گھِر جانے کے وقت اس کے حلق سے نکلتی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شروع میں اول الذکر معانی سے غزل کے موضوعات اور مؤخرالذکر معانی سے غزل کا لہجہ متعین ہوا''۔(۲)

فراقؔ گورکھپوری نے غزل کی روحانی قدر بتاتے ہوئے لکھا:

''غزل دوسرے اصنافِ ادب سے اس لحاظ سے متمائز ہے کہ اس کے ہر شعر کا موضوع، یا خارجی مادہ (Objective ..co-relative) سے کم ہوتا ہے، اس ''کم سے کم'' کو وجدانی، جمالیاتی، تخئیلی یا معنوی لحاظ سے ''زیادہ سے زیادہ'' بل کہ لامحدود بنادینا، اور اس طرح درد یا راحت، غم یا نشاط، مانوسیت یا حیرت، درکِ محض یا استعجاب، غرض کہ تمام نفسیاتی کیفیات و تجربات کا شعورِ خالص پیدا کر کے ہمیں ایک نا قابلِ بیان و نا قابلِ فراموش انبساط و طمانیت کی دولت عطا کرنا، غزل کا اصلی منصب و مقصد ہے......اگر تمام فنونِ لطیفہ، احساسِ حیات و کائنات کا عطر ہیں تو غزل اس عطر کا عطر ہے۔غزل کی ماہیت تہذیب و انسانیت کے مرکزی جمالیاتی و وجدانی تجربات کی اس ماہیت و اصلیت میں پوشیدہ ہیں۔ جہاں عقلی، اخلاقی جمالیاتی حقیقتوں کا ایک ماورائی عالم میں یا لامحدود کے مرکز پر سنگم ہوتا ہے۔غزل کا ہر ایک شعر ایک روحانی دورِ کامل ایک مکمل روحانی عمل یا ردِ عمل ہوتا ہے''۔(۳)

غزل بحیثیتِ صنفِ سخن، اردو میں ابتدا ہی سے لکھی جاتی رہی ہے، لیکن موضوع میں لغوی معانی کی تحدید کبھی نہیں رہی۔تاہم لہجے کی لطافت کے اعتبار سے غزل، قصیدے سے ذرا مختلف زبان میں لکھی جاتی ہے۔میرؔ کی غزل، دھیمے لہجے، زبان کی لطافت (Softness) اور سادگی کی وجہ سے غزل کے معنوی ڈھانچے کی بہترین مثال ہے۔اردو کے نامور شعرا نے غزل میں مختلف النوع مضامین کا اضافہ کیا ہے۔

نعتیہ متن بھی زیادہ تر غزل کے پیکر میں ڈھل کے سامنے آیا ہے۔اس ہیئت میں جذبے اور احساس کی نمود کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ہم یہاں چند غزلیہ نعتوں کے اشعار پیش کر کے اس اجمال کی تفصیل عرض کریں گے: فداؔ خالدی کی نعت میں غزل کا معنوی لہجہ اور زبان کا کلاسیکی برتاؤ ہے:

تسکینِ دل نہ ہو مجھے آرامِ جاں نہ ہو ــــ مر جاؤں اُن کا نام جو وردِ زباں نہ ہو
اُن کے کرم کی بات ہے دنیا ہے مہرباں ــــ وہ مہرباں نہ ہوں تو کوئی مہرباں نہ ہو

جب تک لبِ حضور ﷺ تبسم فشاں نہ ہو   کیسی بہار؟ ایک بھی غنچہ نہ کھِل سکے
جینا گراں سہی مجھے مرنا گراں نہ ہو(۴)   روضے کو اُن کے دیکھ کے دم توڑ دوں فدا!

زبان کی لطافت، روانی، سادگی اور فصاحت کے لیے حافظ مظہرالدین کی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جب تک بدن میں جان دہن میں زباں رہے
لب پر ثنائے خواجہؐ کون و مکاں رہے
کیف آفریں جمالِ شہِؐ مرسلاں رہے
پیہم نبیؐ کا ذکر، نبیؐ کا بیاں رہے
جاری رہے حضورؐ کی مدحت کا سلسلہ
جب تک جبیں پہ نور کا چشمہ رواں رہے(۵)

نعت کہنے والے شعرا میں کچھ تو صرف فن شناس ہوتے ہیں اور کچھ موضوع کی لطافتوں اور اس کے روحانی تقاضوں سے نہ صرف آگاہ ہوتے ہیں بل کہ ان تقاضوں کو اپنے پورے وجود کے ساتھ نباہتے بھی ہیں۔ ایسے لوگ صاحبِ حال ہوتے ہیں۔ حضرت شفیق احمد فاروقی مدنی ایسے ہی ایک بزرگ تھے جن کی نعت، ان کے صاحبِ حال ہونے کی غماز ہے:

عشقِ سرکارؐ میرے قلب میں یوں زندہ ہے
جیسے میثاقِ الستُ کارِ جنوں زندہ ہے
حُبِّ آقاؐ سے حرارت جسے ملتی ہے سدا
تپش آمادہ مرے دل میں وہ خوں زندہ ہے
جان دے کر بھی قتیلانِ وفا زندہ ہیں
جسم ساکت ہے مگر ان کا بطوں زندہ ہے
ہے تو مدفون لحد ہی میں شہیدِ برحق
امرِ ربّی ہے کہ میں اس کو کہوں زندہ ہے
زندگی کیا ہے فقط رفقِ رفیقِ اعلیٰ
ہے جو پیوستہ بصد شان و شیوں زندہ ہے

ان کی یادوں سے جو معمور ہے سینہ میرا
چین سے روح بھی ہے، دل کا سکوں زندہ ہے
جب سے دل میں ہے شفیقؔ اپنے گدازِ جامی
مدحِ سرکارؐ کے صدقے میں جنوں زندہ ہے(۶)

نعتیہ شاعری کو شعری جمالیات سے ہم کنار کرتے ہوئے اپنے جذبات واحساسات سے مملو کرنے کا عمل سید شاکر القادری کے اشعار میں نظر آتا ہے:

ہرے بھرے ہوں درود و سلام سے شب و روز
تری ثنا سے ثمر بار اپنا بخت کروں
سجاؤں محفلِ یارانِ نعت اگر شاکرؔ!
دھنک کو فرش کروں خوشبوؤں کو تخت کروں

۲

نزولِ تسکینِ شامِ غم ہے ترا کرم ہے
گداز ہے دل تو آنکھ نم ہے ترا کرم ہے
نہیں ہے زنداں میں غم گساری کو اور کوئی
ثنا ہے ، قرطاس ہے ،قلم ہے، ترا کرم ہے
ریاضِ جنت میں معتکف ہے خیال میرا
نظر میں آئینۂ حرم ہے تراکرم ہے
درود کو حرزِ جاں کیا ہے تو بہرِ مدحت
زمینِ دل میں عجیب نم ہے،ترا کرم ہے(۷)

عرش ہاشمی کی نعتیہ غزل میں روایتی مضامین کو سہل اور کومل لہجے میں بیان کرنے کا ہنر ملاحظہ ہو:

وہی جو لائقِ تعظیم ہیں سبھی کے لیے
یہ کائنات بنائی گئی انہیﷺ کے لیے
کوئی کسی کے لیے ہے، کوئی کسی کے لیے
مگر حضورﷺ کی چشمِ کرم سبھی کے لیے
حضورﷺ آئے دو عالم کی رہبری کے لیے
ہماری ذات بنی طاعتِ نبیﷺ کے لیے

جو پوچھا رب نے، عمل بھی ہے کوئی پاس ترے
کہوں گا ہاں، ترے محبوب ﷺ کی ثنا کی تھی (۸)

حافظ نور احمد قادری کی نعتیہ غزل میں ہجرِ طیبہ، تاریخی تلمیح اور کیفیاتِ قلب کی عکاسی دیکھیے:

بن کے طیبہ سے وہ قرار آئی　　آہ، میری جو بے قرار گئی
لائی ان کے کرم کی سوغاتیں　　جب کوئی چشمِ اشک بار گئی
دیکھ پائے نہ آپ کو دشمن　　گو نظر ان کی گردِ غار گئی
میں تو پہنچا نہیں مدینے تک　　ہاں! مری روح بار بار گئی
نوؔر جب دل میں بس گیا طیبہ　　نارسائی بھی مجھ سے ہار گئی (۹)

ظفر اقبال ظفر کی تخلیقی دانش کا اظہار ملاحظہ ہو:

جو کمال تھے، جو جمال تھے، سبھی اُنؐ کی ذات میں آ گئے
وہ جو کائنات کا فخر تھے، وہی کائنات میں آ گئے

یہ فکر کسی راہ پہ لا سکتی ہے ہم کو　　اب آپؐ کی سیرت ہی بچا سکتی ہے ہم کو
خدا شناس اگر مصطفیٰؐ شناس نہیں　　تو پھر گماں کے سوا کچھ بھی اس کے پاس نہیں (۱۰)

احمد وسیم شیخ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہیں مبتلائے کارِ خطا، اعتراف ہے　　ہے التجائے عفو و کرم، تجھ کریم سے
کوچہء دل میں برستی ہوئی آنکھوں سے وسیؔم!　　میرا ماحول جو بہتر ہو تو پھر نعت کہوں
صداقت کو مجسّم یوں دکھانا بھی ضروری تھا　　جہاں میں پیکرِ احمد کا آنا بھی ضروری تھا
چلن اُنؐ کا بقائے آدمیت کی ضمانت ہے　　شعارِ زندگی اِس کو بنانا بھی ضروری تھا (۱۱)

اُمِّ عبد مُنیب کی شاعری میں غزل کی ہیئت میں نعتیہ متن بڑی خوبصورتی سے ڈھلا ہے:

پھول نعتوں کے چنے زینت بڑھی قرطاس کی
ڈھل گئی اشعار میں پاکیزگی احساس کی
آپ ﷺ مکرم، مُزَمِّل، مُدَّثِّر، اور محبوب
آپ ﷺ سے اچھا کوئی نہیں ہے دنیا میں ملقُوب

جس کے نام لکھی ہے رب نے اسرا کی تفصیل
آپ ﷺ ہیں ربِ ارض و سما کے وہ عبدِ محبوب
آپ ﷺ نے فرمائی تشریحِ مقاماتِ شعور
آپ ﷺ کے ہیں ریزہ چیں یہ ماہرینِ نفسیات
آپ ﷺ کی خصلت سے ہر اچھی روایت کا ظہور
آپ ﷺ کی سنت سے ٹوٹے بدعتوں کے سومنات
لاکھ ہوں دنیا کے سب دانش وروں کے فلسفے
ان پہ برتر ہے یقیناً آپ ﷺ کی ایک ایک بات
آپ ﷺ نے بخشا ہے عورت کو تحفظ اور وقار
جاہلیت میں تو عورت نام ہی منحوس تھا (۱۲)

تابش کمال کی شعری کائنات میں غزل کی جلوہ گری اچھی لگی۔آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

سیکھے ہیں سب نے آپؐ سے احکامِ زندگی
ہے آ پؐ کی حیات میں اکرامِ زندگی
قُرآں، زبانِ صاحبِ قرآں سے سُن لیا
اَزبر کیا ہے ہم نے یہ پیغامِ زندگی
غفلت کے سائے سائے جو گزرے ہیں رات دن
اُس عرصۂ حیات کو دیں نامِ زندگی؟(۱۳)

نعتیہ نظمِ معریٰ:

یہ صنف انگریزی سے اردو میں آئی۔آکسفورڈ ادبی اصطلاحات کی لغت میں لکھا ہے کہ،سب سے پہلے ہنری ہاورڈ نے ۱۵۴۰ء میں یہ صنف متعارف کروائی تھی،جو بہت جلد مقبول صنفِ سخن بن گئی۔شیکسپئر،ملٹن،ورڈ سورتھ،ٹینی سن اور اسٹیو یںز نے اس صنف کو خوب برتا۔اٹلی اور جرمنی میں بھی یہ صنف ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔

یہ صنف ''آزاد نظم'' سے جدا ہیئت رکھتی ہے۔آزاد نظم میں باقاعدہ کوئی عروضی نظام

نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ ''نظمِ معریٰ'' میں بحر یکساں ہوتی ہے۔ قافیے کی یکسانیت کی ضرورت نہیں۔ ہر مصرع مختلف قافیے (یا ردیف) کا حامل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اشرف لکھتے ہیں:

''بغیر قافیہ کے ایک ہی بحر میں لکھی گئی نظم ''نظمِ معریٰ'' کہلاتی ہے۔ اسے انیسویں صدی میں انجمنِ پنجاب کے ذریعے مقبولیت ملی۔ اس نظم کے ہر مصرعے میں ارکان کی تعداد برابر ہوتی ہے''(۱۴)

ڈاکٹر حنیف کیفی کی تحقیق کے مطابق، نظمِ معریٰ کی ابتدا آزاد اور اسماعیل کے ہاتھوں ہوئی اور عبدالحلیم شرؔر نے اس نظم کی تخلیقی سرگرمیوں کو ایک تحریک کی صورت دیدی۔ بیسویں صدی کی پہلی دہائی کے اختتام پر شرؔر نے ایک مختصر منظوم ڈراما ''مظلوم ورجینیا'' نظمِ معریٰ کی ہیئت میں لکھا اور ایک مضمون ''نظمِ معریٰ'' کے عنوان سے لکھ کر اس کی وکالت کی (۱۵)

نعت میں ''نظمِ معریٰ'' کے تجربات ذرا کم ہوئے ہیں۔ اکیسویں صدی کی مناسبت سے صرف ریاض حسین چودھری کی ایک مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ لیکن انھوں نے ''نظمِ معریٰ'' میں ترکیب بند کا ہیولا دینے کی جدت پیدا کی ہے اور اس طرح، ہر بند کے آخیر میں ایک مطلع نما شعر بھی بڑھا دیا ہے۔

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن کا پیام ہے کہ خدا صرف ایک ہے
خالق ہے سب کا، سب کا ہے روزی رساں بھی وہ
جس نے فلک پہ چاند ستارے سجائے ہیں
جس نے افق افق پہ بکھیری ہے کہکشاں
جس نے سمندروں کو عطا کی ہے زندگی
جس نے کھلائے شاخِ سخن پر چمن ہزار
پیدا کیے ہیں جس نے دھنک، چاندنی، ہوا
پانی کی چھاگلوں سے بھرا دامنِ سحاب
تسخیرِ کائنات کے کھولے ہیں جس نے در
ہر چیز سجدہ ریز ہے اُس کی جناب میں
وہ بولتا ہے آج بھی اُم الکتاب میں
افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن کا خدا، خدائے رحیم و کریم ہے
جس کی عنایتوں کا نہیں ہے کوئی شمار
اذنِ سفر ہواؤں کو دیتا ہے رات دن
اپنی تمام خلق پہ وہ مہربان ہے
اُس کی نہ ابتدا ہے کوئی اور نہ انتہا
جاری ہے اُس کی حمد لبِ کائنات پر
روزِ جزا کا مالک و مختار ہے وہی

معبود کوئی اور سوائے خدا نہیں
کوئی مرے نبی ﷺ کے خدا سے بڑا نہیں
افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن پر خدا بھی بھیجتا ہے ہر گھڑی درود
سارے ملائکہ کا وظیفہ بھی ہے یہی
جن کے حصارِ رحمت و الطاف میں ریاض
میرا بدن ہے جرعۂ شبنم بنا ہوا
جن کے سپرد حشر تلک سب قیادتیں
صادق بھی ہیں امین بھی میرے وہی رسول
روزِ ازل سے منبر و محراب میں حضور
کرنیں لٹا رہے ہیں ہدایت کے نور کی
مقصودِ کائنات ہیں سردارِ انبیا
اپنے قلم سے نعتِ پیمبر لکھا کروں
اوراقِ جاں پہ حرفِ معطر لکھا کروں
افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
تکمیلِ شخصیت کا ہیں جو آخری نصاب
جن کی کوئی مثال نہ کل تھی نہ آج ہے
تا حشر ہے جواب نہ جن کے کمال کا
جن کے وجود سے شرف انساں کا ہے بحال
روئے زمیں پہ جو بشرِ بے مثال ہیں
جن کی نظیر ارض و سما میں کوئی نہیں
تخلیق کارِ اوّل و آخر کا شاہ کار
میرے حضورؐ، میرے پیمبرؐ، مرے نبیؐ
سردارِ کائنات کی خلعت انھیں ملی
اُن کے درِ خلوص پہ جھکتی ہے کائنات
اُسوہ مرے حضورؐ کا ہے باعثِ نجات (۱۶)

آزاد نظم اور نعت:

نعت میں بھی آزاد نظم کے اچھے نمونے سامنے آتے رہے ہیں۔ اکیسویں صدی میں شایع ہونے والی کتابوں سے چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

جس نے دیکھا انہیں ﷺ .... اس کی بینائی کے واہمے دُھل گئے .... اس پہ آفاق کے سب ورق کھل گئے .... جس نے مانا انہیں .... اپنے پیکر میں شہرِ یقیں ہو گیا .... جس نے جانا انہیں ﷺ .... جہل بھی اس کا علم آفریں ہو گیا .... جس نے چاہا انہیں ﷺ .... اس کی چاہت بقا کی نگارش بنی .... اس پہ دن رات پھولوں کی بارش ہوئی .... جس نے چاہا انہیں ﷺ .... اس کو چاہا گیا .... اس کی دہلیز تک ہر دو راہا گیا (حرفِ نسبت، شبنم رومانی) (۱۷)

ساکت وصامت ہے نبضِ کائنات ....ذرّہ وسیّارہ وماہ ونجوم............ساری مخلوقاتِ عالم کا
ہجوم............ ہے تغیر جن کی فطرت............اُن کو ہے حکمِ ثبات ....دم بخود ہیں
............آب وآتش، خاک وباد............سب عناصر، سارے اجزا............ بے نیازِ
امتداد............وقت تھم کر رہ گیا ہے............لمحہ موجود میں............فاصلے کم ہو گئے ہیں
............عبد اور معبود میں............اک طرف ہے خالقِ کون ومکاں............ایک جانب حاصلِ
کونین ہے............درمیاں، بس پردۂ قوسین ہے............بہرِ استقبال یارِ خوش خرام
خیر مقدم کا عجب ہے اہتمام............سب فرشتے صف بہ صف............سارے ملائک باادب
گونجتی ہے ہر طرف بس اک صدا............مرحبا، صد مرحبا، صلِّ علیٰ............نازشِ اہلِ عجم، فخرِ
عرب............اشرف الانسان............پیغمبر نسب............محرمِ اسرارِ کُن، اُمّیِ لقب
............رُک گیا ہے............دل کی دھڑکن کی طرح............سارا نظام............اور اسی خلوت
گہہِ انوار میں......روشنی ہے، روشنی سے ہم کلام..................(''معراج'' سرشار صدیقی)(۱۸)

توصیف تبسم کی ایک تاثر انگیز نظم ملاحظہ ہو:

سُنا ہے............ہوا گہرا نیلا سمندر ہے............جس کی تہوں میں کئی راز ہیں!............صدائیں
وہ امواج ہیں جو............سماعت کے ساحل پہ............سر کو پٹکتی ہیں اور ٹوٹتی ہیں............دائرہ
دائرہ پھیلتی ہیں............بظاہر گزرتی ہیں لیکن گزرتی نہیں ہیں............فضاؤں میں رہتی ہیں
............مرتی نہیں ہیں!............کبھی کاش یہ دُور جاتی صدائیں............پلٹ آئیں الٹے
قدم............اپنے نقشِ قدم پر!............تو پھر سُن سکوں میں............وہ لہجہ جو شبنم کی صورت،
دلوں پر اُترتا تھا............کانوں میں رس گھولتا تھا............وہ لہجہ کہ جس میں خدا بولتا تھا!
(بازگشت، توصیف تبسم)(۱۹)

عبودیت نشاں سجدہ گہہِ ختم الرسلؐ ہے............دوسرے کلمے کی نصف آخر............شہادت کی
امیں محرابِ نوریں............زبانِ حال سے یہ کہہ رہی ہے............کہ تاحینِ ابد سارا زمانہ آپؐ کا
ہے...... ......نسلِ فردا، مقتدی ہے......مصلائے امام الانبیاؐ پر بارگاہِ ایزدی میں......لرزتے دل
برستی آنکھ سے جھکتے......نبیؐ کی اقتدا میں......ادب سے قبلہ رُو ہو کر......خدا کے ایک ہونے کی

گواہی دی ہے میں نے ....نشاطِ بندگی پائی ہے میں نے
(مصلائے نبویؐ پر.....شرف الدین شامی)

☆اک عرصہ دست بستگی میں......جن، انس و ملائکہ سے ہٹ کر......ذی روح و شعور جو بھی شے ہے......سب بھول کے اپنی منزلت کو......اوقات مٹا کے اپنی اپنی......تسلیم و ادب کے دائروں میں......نیہوڑائے ہوئے سروں کو اپنے......بے خودسی جناب میں کھڑی ہے...... یہ بارگہہِ محمدی ﷺ ہے (یہ بارگہہِ محمدی ﷺ ہے، شرف الدین شامی)

☆مرے اطراف..........عہدِ رحمت للعالمینی کی..........ہوائیں چل رہی ہیں..........اور مناظر جاگتے ہیں..........یوں کہ جیسے..........عہدِ ماضی کے سب اکنافِ مدینہ..........حال کی مسجد میں شامل ہو گئے ہیں..........آنے والے اور سب کے سب زمانے......اسی دھارے میں آ کر مل گئے ہیں (بازآمد.....شرف الدین شامی) (۲۰)

تم اُس پیغمبرِ اسلامؐ کی توہین کرتے ہو؟......جو دنیا کی سماجی نفرتوں میں آشتی اور امن کا پیغام لایا تھا......کہ جو خود ساختہ جھوٹے خداؤں کے جہاں میں دینِ حق، ''اسلام'' لایا تھا......کہ جس کی حضرتِ آدمؑ سے لے کر آلِ ابراہیمؑ تک سب نے گواہی دی...... جسے خود ربِّ کعبہ نے نبوت کے درخشاں سلسلے کی کجکلاہی دی......تم اُس پیغمبرِ اسلام کی توہین کرتے ہو؟ تمھیں غیرت نہیں آتی؟ (تمھیں غیرت نہیں آتی؟، ظفر اقبال ظفرؔ) (۲۱)

خدمتِ اقدس میں اذنِ باریابی چاہیے..........میرے دو ہمدم بھی میرے ساتھ ہیں..........چشمِ گریاں اور قلبِ ناصبور..........''اے فروغِ بزمِ اعصار و ظہور''..........الاماں یہ فتنہ ہائے افتراق..........یہ ہوائے زہر آگینِ نفاق..........کتنے فرقوں میں بٹی ہے آپ کی امت حضورﷺ!..........کوئی اسم ایسا نہیں دنیا میں آقا جس قدر..........اتحاد آموز ہے اسمِ گرامی آپ کا..........ہونٹ بھی آپس میں مل جاتے ہیں جس کے ورد سے..........کیوں نہیں آپس میں ملتے نام لیوا آپﷺ کے..........(انور مسعود) (۲۲)

خزاں کا راج ہے ہر سو..........مرے خیاباں میں..........میں اس کی زد میں ہر اک پھول..........ہر شجر دیکھوں..........گماں یہ ہے کہ مسلسل خزاں ہی پھیلے گی!..........مگر مجھے تو اُمیدوں کے پھول چننے ہیں..........مجھے تو سخت مراحل..........سے اب گزرنا

ہے............کسیلی شاموں کے کچھ ذائقے بھی چکھنے ہیں............زمیں پہ زرد ہے موسم مگر...... مگر پھر بھی............یہ جبرِ عہد، نیا تو نہیں ہے دنیا میں............یہ جبرِ عہد، زیادہ نہیں ہے طائف سے!............جہاں رسولِ گرامی ﷺ نے............سختیاں جھیلیں............فقط، پیامِ صداقت، پیامِ دیں کے لیے!............اکیلی ذات نبی ﷺ کی تھی اور جہاں ظالم............جہان ایسا کہ جس کا ہر ایک طفلِ لعیں............لیے ہوئے تھا ید قہر ماں میں............پتھر ہی............مگر ثباتِ نبی ﷺ کو کبھی نہ آنچ آئی............سنو! پھر آپ ﷺ کی تدبیر............رب کی نصرت سے ....اُسی ستم گر و ظالم گروہ نے آ کر.....کیا قبول وہ پیغامِ حق............بہ عجز و نیاز............پھر اس جہاں میں............وہی لوگ معتبر ٹھہرے............یہ عہدِ جبر و ستم ....بے پناہ.....بدتر ہے............مگر اُس عہد سے کم ہے جو............اُن ﷺ پہ گزرا ہے کہ اُن ﷺ کے ساتھ............کوئی کارواں، خدم نہ حشم............نہ کوئی پاس سواری نہ قوتِ نانِ جویں............مگر ہمیں تو یہ سب کچھ یہاں مُیسر ہے............زمیں پہ پھیلی ہوئی فوج اور آسائش!............تفنگ و تیغ سے ہم لیس ہیں............مگر پھر بھی............یہ جبرِ عہد ہمیں لے رہا ہے............نرغے میں!............کوئی دلیل تو اس کی............زبانِ وقت پہ ہے؟............ندامتوں کے سمندر میں ڈوب جائیں اگر............ہم اپنے طرزِ عمل پر ذرا بھی غور کریں............کہ خوفِ مرگ میں ہم مبتلا ہوئے جب سے............ہم اپنا عہدِ وفا ہی ....سرے سے بھول گئے!............ہم اپنے زعم میں اُمّیدِ فتح یابی میں خود اپنے ''عہد'' کی شرطیں بُھلا کے بیٹھ گئے............ملی، نویدِ ظفر تھی ہماری ملت کو مگر وفا سے وہ مشروط تھی............بہر قیمت!............ہوا جو ہم پہ اثر............جہلِ عقل و دانش کا تو ہم فریبِ تمنا میں آ گئے ایسے............کہ اپنا عہدِ وفا ہی............سرے سے بھول گئے! ابھی ہے وقت کہ ''عہدِ وفا'' کا پاس کریں............وگرنہ سیلِ زماں میں تو بہتے رہتے ہیں ہماری طرح کے بے انت............یاں، خس و خاشاک!............کہیں زمانہ اسی طرح سے ہمیں اک دن............بہائے اور سمندر میں غرق کر ڈالے! (شرطِ وفا.....عزیز احسن) (۲۳)

احسان اکبر کی کتاب ''طہور'' کا انتساب، ایک آزاد نظم کی صورت رقم ہوا ہے۔ اس میں آزاد نظم کی شعری جمالیات کا بھرپور عکس دیکھنے میں آیا:

عظمتِ آدم اسؐ کے عمل سے ہَوَیدہ ہوئی......ایسی تہذیب اُبھری جو انساں کو تکریم دے......اسؐ نے تنزیہہ کی کلک سے اسمِ ''اللہ'' لکھا......سبھی کو سنایا......کہ سب کی گواہی ہو......تاریخ میں آخری بار......اسؐ نے جو سب گورے کالوں کو اک نام لے کر صدا دی......تو سب نے کہا......ہم نے جانا ہے، مانا ہے، تصدیق کی......آسمانی گواہی سے اسؐ نے تخاطب کیا............''دیکھ! تُو [جل جلالہٗ] اس کا شاہد ہو......جو سن رہا ہے''............برابر کے پلڑوں میں مسکینوں مجبوروں......امت کے سب بن خریدے غلاموں کو......شاہوں کے ہمراہ میزان میں رکھ کے تولا......اور اس وزن ہی کے برابر......مساکیں کے صدقے اُتارے''......(انتساب، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام)(۲۴)

نثری نظم میں نعتیہ متن:

نثری نظم کو انگریزی میں Prose Poem کہا جاتا ہے۔انیسویں صدی کے فرانسیسی شعرا، بادلیر (Baudelaire) اور آرتھر رامبو (Arther Rimbaud) نے، اس صنف کو متعارف کروایا تھا۔

نثری تحریر میں تخلیقی دانش کا ایسا اظہار، جس کی قراءت سے نثر پر بھی نظم کا گمان ہو، نثری شاعری یا نثری نظم میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔اس نظم کا شاعرانہ عنصر (Poetic element)، اسے وزن کی قید سے آزاد ہونے کے باوجود شاعری کا درجہ دلواتا ہے۔

قمر جمیل اپنے مضمون ''پروز پوئم کا معیار'' میں لکھتے ہیں:

''پروز پوئم کسی فنکار پر تخلیق کا کوئی آسان دروازہ نہیں کھولتی بل کہ اس صنف کے جوہر کے جتنے جمالیاتی تقاضے ہیں، ان کی تکمیل کے بغیر کوئی پروز پوئم، شعری قدر حاصل نہیں کر سکتی...... ہم میں سے ہر شخص کو اس بات پر اتفاق ہے کہ پروز پوئم میں ذاتی آہنگ ہوتا ہے۔ یہ ذاتی آہنگ شاعر کے اپنے احساس اور جذبے کی رفتار کا سچّا مظہر ہوتا ہے اور شاعر ہی کے جذبے اور احساس سے پیدا ہوتا ہے۔آہنگ دراصل آوازوں کی مخصوص ترتیب اور اس کے باقاعدہ وقفے سے پیدا ہوتا ہے......نثری نظم ذاتی آہنگ کے علاوہ ایک طرح کی موسیقیت بھی رکھتی ہے، جسے ہم سُریلا پن کہتے ہیں۔''(۲۵)۔

عزیز حامد مدنی لکھتے ہیں:

''نثری نظم، بیشتر ایک رپورتاژ کی نثر یا واقعاتی بیان کی نثر سے الگ ایک اپنی خود احتسابی کا نظام رکھتی ہے۔اس کی تیز رفتاری واقعاتی بیان سے الگ موسیقی کے (NOTATIONS) کی طرح ہوتی ہے......نثری نظم ایجاز سے کام لیتے ہوئے بڑی قوت سے ایک خیال کو ایک شبیہ (پیکر تراشی) میں ڈھالنے کے مترادف ہوتی ہے۔کچھ نثری نظم کی ہیئت میں اپنے پورے تجربات کا اظہار کرنے والے شعرا ایک اندرونی آہنگ، ایک بحر، عروضی حساب کا سا تموج پیدا کردیتے ہیں''(۲۶)

''حالی نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے:

''انگریزی میں دو لفظ استعمال میں آتے ہیں، ایک شعر اور دوسرا نظم، اور جس طرح ان کے ہاں وزن کی شرط پوئٹری (Poetry) کے لیے نہیں، بلکہ ورس (Verse) کے لیے ہے۔اسی طرح ہمارے ہاں بھی یہ شرط شعر میں نہیں بل کہ نظم میں معتبر ہے......قدیم عرب کے لوگ یقیناً شعر کے یہی معنی سمجھتے تھے۔جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا، اسی کو شاعر جانتے تھے۔''(۲۷)

قدیم عرب، صرف خوبصورت بات کو شعر قرار دیتے تھے۔مشہور ہے کہ حضرت حسانؓ کے بیٹے کو کسی کیڑے نے کاٹ لیا۔اس کا نام وہ نہیں جانتے تھے۔چناں چہ انھوں نے اس کا نقشہ یوں کھینچا......وہ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ وہ حیرہ کی دو چادروں میں لپٹا ہو......'**کانہ ملتف فی بردی حیرہ**'...... حیرہ کی چادریں نقش ونگار اور خوبصورتی میں بہت مشہور تھیں۔موقع ومحل کے لحاظ سے یہ اندازِ بیاں اتنا خوبصورت اور دلنشین تھا کہ حضرت حسانؓ بے ساختہ کہہ اٹھے''رب کعبہ کی قسم یہ تو شعر ہے''۔۔شعر و رب الکعبہ۔''(۲۸)

حضرتِ حسانؓ کا اپنے بیٹے کو شاعر قرار دینا، اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کسی خیال کا دل نشین انداز میں اظہار ہی شاعری ہے۔

ویسے تو Prose Poem کا رواج فرانس میں انیسوں صدی عیسوی میں چارلس بادلیئر (Baudelaire) اور آرتھر رامبو (Arther Rimbaud) کے ہاتھوں ہوا۔لیکن اس سے بہت پہلے بائبل میں مزامیر داؤد علیہ السلام کی ہیئت میں وہ لطافت پوشیدہ تھی جسے''نثری

نظم'' کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں ایک عیسائی فلسفی شاعر جبران خلیل جبران (پیدائش ۶ رجنوری ۱۸۸۳ء ......وفات، ۱۰راپریل ۱۹۳۱ء) نے نثری نظمیں لکھ کر عربی ادب کو متاثر کیا۔ اسی کی نظموں کے اثر سے، عربی ادب میں، کلاسیکی دبستاں شکنی کا رجحان پیدا ہوا اور نثری نظم کو فروغ ملا۔ قمر جمیل نے مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ''غبارِ خاطر'' کو نثری نظموں کا مجموعہ تسلیم کیا ہے۔

تقدیسی شاعری میں نعتیہ نثری نظمیں لکھنے والے متعدد شعرا ہیں لیکن اس صنف کے شعری تقاضے پورے کرنے کے حوالے سے احمد ہمیش کا نام نمایاں ہے۔ ان کی نثری نظم میں، شدتِ احساس نے روحِ شاعری، کوٹ کوٹ کر بھردی ہے۔ احمد ہمیش کی نعتیہ نثری نظم بعنوان ''رسالت مآب ﷺ کے حضور میں'' ملاحظہ ہو:

ابھی میں نے اپنی گھڑی موت کی گھڑی سے ملائی ہے
یارسول اللہ ﷺ!
مجھے، میری موت سے پہلے میرے جسم کی گندی مٹی سے پاک کر دیجیے یا اُسے معاف کر دیجیے
صرف چند سال زندہ رہنے کے لالچ کے اوپر میری روح کو کسی مضبوط رسی سے باندھ دیجیے
اور پھر میرے جسم کی سمتوں کو اس تلوار سے کاٹ دیجیے، جو اللہ نے آپ کو سونپی تھی
اور شیطان کے گنجان بالوں سے ڈھکے ہوئے میرے خمیر کو جلا کر خاک کر دیجیے
اور خاک کو ان ہواؤں میں اُڑا دیجیے جو آپ کے قدموں میں چلتی ہیں
یارسول اللہ ﷺ!
ایک سرد رات جو میری پسلیوں کی تکلیف پر کھنچ گئی تھی اور پانی برس رہا تھا اور میری عمر کے چھتیس سال میرے بچھونے کمرے سے باہر کھڑے بھیک مانگ رہے تھے تو جتنا میں نے دنیا سے آگ جلانا سیکھا تھا، اتنا ہی میں نے آگ جلائی، اس انگیٹھی میں جو گھر میں بے کار پڑی ہوئی پرانی صراحی کے ٹوٹے ہوئے ٹھیکرے سے بنائی گئی تھی
اور میں نے اس مہا کال کی ان تنت آسودہ جلا وطنیوں پر چپ چاپ ماتم کرتی ہوئی

لکڑی کی ٹال سے جو دو روپے کے ڈیڑھ سیر کوئلے مول لیے تھے۔اس میں سے صرف آٹھ کوئلے جلا کے اس لالٹین کے لیے دُکھی تھا، جو لکڑی کی ٹال میں حقیر حاجتوں کے اوپر ٹنگی ہوئی ہمارے ماضی کی غمگین عورتوں کے دھواں دھواں لہو ملے ہوئے، جھلسے ہوئے آنسو رو رہی تھی

یا رسول اللہ ﷺ!

میں نے صبر کر لیا کہ صبر کرنے والے اللہ کو پیارے ہوتے ہیں

تب میں نے انگاروں کی زبان سنی کہ انگارے بھی دہک دہک کر کوئی ایسی آیت پڑھتے ہیں جو قرآنِ پاک کے مرکز میں ہوتی ہے تب اگلے پچھلے گناہوں سے ڈرنے والی صرف آنکھیں ہوتی ہیں جو نہ کھلتی ہیں نہ بند ہوتی ہیں زندگی کے نام پر عمر ایک ان دیکھی اونچائی سے ان دیکھی ڈھلان میں اُترتی چلی جاتی ہے

عمر، جو نہ جاگتی ہے نہ سوتی ہے

عمر، خود اپنے ہاتھوں میں ایک پھاوڑا لیے ہماری قبر کھودتی رہتی ہے

اور ہاں! یہ قبر ہمارے آنے والی جانکنی تک کھلی رہتی ہے

یہ اور بات ہے کہ ہم اُسے دیکھتے ہوئے بھی دیکھ نہیں سکتے

ریڑھ کی ہڈی کے گودے سے چپکے ہوئے، روم روم میں آباد، کھال کی پرتوں سے لپٹے ہوئے گوشت اور چربی میں گندھے ہوئے شریانوں کے جال پھیلائے ہوئے، ٹرانسپیرنٹ جھلی چڑھائے ہوئے لُعاب اور تھوک کے قبیلہ میں آگے چلتے ہوئے ان گنت مقدر مسلوب، ذلیل لذتوں کے بینر اٹھائے ہوئے ہمارے اعصاب ہمیں ٹانگے ہوئے لیے جاتے ہیں دھند میں نہ جسم کی آب و ہوا میں پلنے والا سوّر نہ وہ بانس کی بلّیوں اور رسی کا شکنجہ نہ گرم غذاؤں، الکحل اور تیز مصالحوں سے بنی ہوئی موٹی کھال کی دیواریں نہ ناخنوں سے روز کھرچے، رگڑے جانے والے ان کے پلستر، اور نہ وہ چربی جو جسم کے ابتدائی ایندھن میں کام آئے گی

اور نہ وہ بھالا جس کی نوک سے اعصاب اور جانکنی کے درمیان کا نشہ آور مگھم اذیت ناک سفر طے ہوتا ہے

مگر ہمیں کچھ نہیں دکھائی دیتا، نہ وہ ہمارے ہاتھ، جو بھالے کی نوک سے خود کو چھوتے ہیں، کھودتے ہیں، کھنچتے ہیں،

کھر و نچتے ہیں، سوراخ کرتے ہیں تا کہ کھال پر چڑھی ہوئی طویل راتوں کی موٹی سیاہی اتر جائے اور ایک ابدی دن نکلے اور سفر ختم ہو

یہاں تک کہ اعصاب اور جانکنی کے درمیان پہنچ کر ہماری زمین کا وقت بتانے والی تمام انسانی گھڑیاں غلط ہو جاتی ہیں

تب ایک ہی گھڑی صحیح ہوتی ہے

موت کی گھڑی

یارسول اللہ ﷺ!

میں نے اپنی گھڑی موت کی گھڑی سے ملا کے آسمان کی طرف دیکھا کہ زمین کے وقت سے گزر جانے کی دعا مانگوں مگر عرصہ ہوا میں اپنی نسل کے لوگوں کے ہجوم میں وہ دعا بھول چکا ہوں

یارسول اللہ ﷺ!

میری بھول کو چھوڑ کر صرف میری اُس ایک نیت کو اٹھا لیجیے جو آپ کو شافعِ محشر جان کر آنسوؤں کی زبان میں روتی ہے

کیوں کہ انتظار، ابد کا دل ہے اور کوئی کہتا ہے کہ میرے بچے مت رو......مت رو

وہ کون تھا جو میرے خون کی بوند لیے عرب سے آیا تھا اور ہند کی زمین پر جنگیں جیت کر خود اپنے اندر ہار گیا تھا

اور زندگی کے پڑاؤ پر اس نے گھر، مسجد تالاب اور کوئیں بنوائے تھے

پیڑ اور پودے اُگائے تھے، فصلیں بوئی تھیں، مویشی پالے تھے

وہ کون تھا! جس کے خون نے میرے باپ کے باپ کو اپنی آنکھیں دی تھیں۔ اور وہی آنکھیں میرے باپ نے مجھے دی تھیں

تب مجھے معلوم نہیں تھا کہ وراثت اپنے ساتھ اپنا ایک کیمرہ بھی لیے ہوئے چلتی ہے

خون کی اک اک بوند میں ان گنت لینس ہوتے ہیں

ایک بوند بھی کہیں گر جائے تو اَن گنت لینس ٹوٹ جاتے ہیں

کون جانے کہ میری پیدائش سے پہلے خون کی کتنی بوندیں گری تھیں، اور کتنے لینس

ٹوٹے تھے

مجھے کتنی بار پیدا کیا گیا اور کتنی بار قتل کیا گیا

اگر پیدا ہونے والے بچے کے کان میں اذان دینے کی رسم نہ ہوتی تو میرے پیدا ہونے کا مطلب کون بتاتا

یارسول اللہ ﷺ!

مجھے آپ کا مبارک نام کون بتاتا

یہ میری وراثت تھی، جو کم عمری میں میرے سر کو جگائے رکھتی تھی، اس وقت جب کہ دیہاتی مسجد کے صحن میں میری کم سنی کے سر پر جامن کے پیڑ کی ٹہنیاں گرتی تھیں۔ اور میں سمجھتا تھا کہ وہ آپ کے فرمان کی ٹہنیاں تھیں

یارسول اللہ ﷺ!

آپ کے فرمان سے بچھڑنے کی وہ آخری شام تھی

میدانوں میں ننگے پاؤں تیز دوڑنے والے بچوں کے ساتھ، دھوپ دوڑ لگا کے تھک چکی تھی۔ مسجد کے صحن میں نماز بے نیاز تھی۔ میں اُسے پڑھ لیتا تب بھی اور نہ پڑھتا تب بھی، وہ مجھ سے بے نیاز تھی

منہ میرا کعبے کی طرف تھا، سورج کی دمکتی طشتری کو چھپا کے لے جانے والا بھی تو اللہ ہی تھا، پھر وہ کون سی ہونی تھی جس نے میرا منہ پھیر دیا تھا

میرے پیٹ اور پیٹھ کو کچلنے والے نمائندوں نے دنیا پر حکومت کی، ان کے پاس اپنی نسلیں چلانے کے لیے کافی ایندھن تھا

میں ان گنت اندھیروں میں اپنا اندھیرا لیے ہوئے غلام ملکوں کی ریلوں میں سفر کرتا

آبادیوں میں کبھی نہ ملنے والے ٹھکانوں پر مانگی ہوئی مٹی سے نیند مانگتا، اور اپنی بیداری سستے داموں بیچ کر پیٹ بھرتا،

اور کبھی نہ ملنے والی عورت کے نام پر اپنا بستر چھوڑ کر ایک آبادی سے دوسری آبادی بھٹکتا

وہ ایمان والوں کی آنکھوں سے روشنی چھیننے والی لڑکیاں تھیں یا آب و ہوا کی تبدیلی تھی

یا تاریخ کا جبر!

یا صرف میرے لیے زمین کی گردش رُک گئی تھی

یا رسول اللہ ﷺ!

آپ کے فرمان سے بچھڑنے کی وہ آخری شام تھی

(احمد ہمیش)(۲۹)

☆☆

نثری نظم کا تقدیسی متن ظاہر کرنے کی غرض سے میں نے یہی ایک نظم منتخب کی ہے۔احمد ہمیش کی نظم روایتی متون (Texts) سے بالکل مختلف ذائقے کی نظم ہے جس میں افسانوی فضا کی عکاسی ہے۔لیکن اس میں تاریخ کے روشن دریچوں سے آنے والی روشنی کے ساتھ ساتھ، ایمانی حسیّت کا پرتو بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔

نعتیہ تروینی:

تروینی ایک نئی ہیئتی صنفِ سخن ہے جس کے موجد معروف فلم ڈائرکٹر اور ادیب گلزار ہیں۔گلزار نے اس صنف کے بارے میں لکھا ہے:

''تروینی نہ تو مثلث ہے، نہ ہائکو، نہ تین مصرعوں میں کہی ایک نظم۔ان تینوں فارمز میں ایک خیال اور ایک امیج کا تسلسل ملتا ہے۔لیکن تروینی کا فرق اس کے مزاج کا فرق ہے۔تیسرا مصرع دو مصرعوں کے مفہوم کو کبھی نکھار دیتا ہے، کبھی اضافہ کرتا ہے، یا ان پر کمنٹ (Comment) کرتا ہے۔تروینی نام اس لیے دیا کہ سنگم پر تین ندیاں ملتی ہیں۔گنگا، جمنا اور سرسوتی۔گنگا اور جمنا کے دھارے سطح پر نظر آتے ہیں، لیکن سرسوتی جو ٹیکسلا کے راستے بہہ کر آتی تھی وہ زمین دوز ہو چکی ہے۔تروینی کے تیسرے مصرعے کا کام سرسوتی دکھانا ہے، جو پہلے دو مصرعوں سے چھپی ہوئی ہے''(۳۰)

شاعر علی شاعرؔ کا مجموعہ ''تروینیاں'' ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا تھا جسے ڈاکٹر سلیم اختر نے تروینی کا اوّلین نقش قرار دیا تھا۔(۳۱)۔

اب شاعر علی شاعر نے اپنی کتاب ''نعت کے سات رنگ'' میں ایک سو نعتیہ تروینیاں لکھ کر، پھر ایک بار یہ ثابت کیا ہے کہ وہ تروینی میں نعتیہ متن پیش کرنے والے نمایاں سخنور ہیں۔ان کی لکھی

ترویینیاں ملاحظہ ہوں:

شاخوں شاخوں بیٹھے پنچھی .... بول رہے ہیں اپنی زباں میں ....
احمد ﷺ جیسا کوئی نہیں ہے

بادِ صبا کو کہہ کر میں نے .... اُن کے روضے پر بھیجا ہے
غم کا مارا رہ تکتا ہے

ہم رستوں سے ناواقف تھے .... وہ جو رہبر بن کر آئے .... آسانی سے پائی منزل

اچھے اپنے بھاگ رہے ہیں .... تم آئے تو غفلت چھوٹی
سوتے تھے اب جاگ رہے ہیں

اپنی نسبت دے کر ہم کو .... کر ڈالا ہے ارفع، اعلیٰ .... کوئی نہیں ہے تم سے سچا

شمعِ رسالت کا پروانہ .... مجھ کو بنانا ایسا مولا .... اُن پہ نچھاور ہو جاؤں میں

غم کی دیمک چاٹ رہی تھی .... خانوں خانوں بانٹ رہی تھی
تم نے آ کر کی غم خواری

خواب میں اکثر سوتے دیکھوں .... نور کی بارش ہوتے دیکھوں
کیسے جاؤں شہرِ مدینہ (۳۲)

شفیق احمد شفیق کی کتاب ''مدحتِ خیر الوریٰ'' میں دو نعتیہ ترویینیاں ہیں:

ہم جا کے مدینہ دیکھیں گے .... جو کچھ نہیں دیکھا دیکھیں گے

مل جائے جو اذنِ ربِّ جہاں .... قربان رسولِ عربی کے .... قربان نبیِ امّی کے
قرآن سا تحفہ ہم کو دیا (۳۳)

یہ ترویینیاں نعتیہ ادب میں ہیئتی صنف کے اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ہائیکو میں نعتیہ متون:

جاپانی صنف سخن ہائیکو تین مصرعوں پر مشتمل مختصر نظم ہوتی ہے۔ جاپانی شعرا اس میں فضاؤں کی رنگینی اور پھل، پھول وغیرہ کا ذکر لازمی سمجھتے ہیں۔ عموماً تین مصرے 5-7-5 (فعلن فعلن فع ...... فعلن فعلن فعلن فع ...... فعلن فعلن فع) کی ترتیب سے کہے جاتے ہیں۔ لیکن

بعض شعرا نے اس ترتیب سے انحراف کرتے ہوئے کم یا زیادہ اوزان بھی برتتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے لکھا: ''ہائکو کا تلفظ ہائک ہے۔ جاپانی' بہت سے لفظ جب رومن رسم الخط میں لکھتے ہیں تو اختتام مصوتہ (Vowel) پر کرتے ہیں۔ اردو میں ہم نے اسی رسم کو اختیار کر لیا ہے۔(۳۴)

اردو میں نعتیہ متون سے اس صنفِ سخن کو مالا مال کرنے والے لائق ذکر شعرا میں شبنم رومانی، سہیل غازی پوری، سرشار صدیقی، اقبال حیدر، صبیح رحمانی، شفیق الدین شارق، انجم اعظمی، ابوالخیر کشفی، محسن بھوپالی، وضاحت نسیم، رونق حیات، معراج حسن عامر، آفتاب مضطر، رضی الدین رضی، سلیم کوثر، اختر شمار، مقبول نقش، سید قمر ہاشمی، مظفر وارثی، اکرم کلیم، اقبال نجمی، آفتاب کریمی اور طاہر سلطانی وغیرہم کے نام شامل ہیں۔

ہائیکو کی ہیئت میں اظہار کا ایک نیا پن ظاہر ہوتا ہے۔ احساس کی لہروں کو ایک الگ زبان مل جاتی ہے اور شاعر غیر محسوس طور پر روایت سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے، نیا آہنگ اختیار کرتا ہے۔ اکیسویں صدی کی مناسبت سے ہمیں صرف دو مثالیں پیش کرنی ہیں:

شاعر علی شاعر نے ہائکو کی ہیئت میں نعتیہ متن کو تخلیقی زبان دی ہے:

نام ادب سے لے............سارے اُجالے پھیلے ہیں............اسمِ محمد ﷺ سے

جو بھی سلامت ہے............اِس دورِ پُر آفت میں............اُن کی رحمت ہے

(شاعر علی شاعر)(۳۵)

سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی نے بھی ہائیکو میں نعتیہ متن کی کرنیں بکھیری ہیں:

روشن سینہ ہے............تیری محبت کا آقا............دل گنجینہ ہے

جانِ عبادت ہے............شاہِ امم کی مدح و ثنا............بڑی سعادت ہے

کتنا ہے خوش حال............عشقِ نبی کی دولت سے............جو ہے مالا مال

رحمت کی ہے سبیل............سیرتِ شاہِ دیں پہ عمل............عظمت کی ہے دلیل

کھل گئی شاخِ دل............کوچہء شاہ کون و مکاں............میری ہے منزل

برسیں گے انوار............نور سجاؤ بزمِ نبی............دل ہوگا سرشار

میرے پیارے رسول............تیری ایک توجہ سے............کانٹے ہو گئے پھول

قومِ مسلم جاگ............ پانی سر تک آ پہنچا............سوئے طیبہ بھاگ (۳۶)

نعتیہ قطعات:

ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے ''کشاف تنقیدی اصطلاحات'' میں لکھا ہے:

''قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں اور اصطلاحی معنوں میں یہ ایک صنفِ شعر ہے جس میں قوافی کی ترتیب قصیدے یا غزل کے مطابق ہوتی ہے۔ یعنی تمام اشعار کے مصرع ہائے ثانی ہم قافیہ ہوتے ہیں لیکن غزل اور قصیدے کے برعکس قطعے میں مطلع نہیں ہوتا اور مقطع ضروری نہیں۔ قطعہ کے لیے کم از کم دو شعروں کا ہونا ضروری ہے زیادہ اشعار کی کوئی قید نہیں۔ البتہ غزل کی طرح قطعے کا طول بھی دس بارہ شعروں تک ہی مناسب سمجھا جاتا ہے۔'' (۳۷)

نعتیہ قطعات لکھنے والے متعدد شعرا ہیں۔ شاہد الوری کے نعتیہ قطعات، غالب کے مصرعوں پر کہے گئے ہیں اور اختتام پر غالب کے مصرعے پر گرہ لگا کر ''تضمین'' نگاری کا ہنر بھی دکھایا گیا ہے۔ دیگر شعرا کے قطعات، روایتی اظہاریے کے عکاس ہیں:

ہر اعتبار سے ممدوحِ خلق و خالق ہے
وہ ذاتِ پاک جو رحمت ہے دو جہاں کے لیے
اُسی کے حسنِ توجہ سے پار اُترے ہیں
ترس رہے تھے سفینے جو بادباں کے لیے
اُسی کا نام وظیفہ قرارِ جاں کے لیے
ہر ایک وصف ہے عنوانِ صد ہزار اوصاف
کہاں سے لائے گا طاقت کوئی بیاں کے لیے
تمام دولتِ عرفاں ہے معرفت اس کی
بڑا نشاں ہے وہی ایک بے نشاں کے لیے
اُسی کی ذاتِ گرامی ہے فخرِ موجودات
شرف اُسی کی غلامی ہے اِنس و جاں کے لیے
بغیرِ فضلِ خدا نعت ہو نہیں سکتی

''سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے''
محیط ابرِ کرم کی طرح ہے اُس کی ذات
وہ روشنیِ ہدایت ہے دو جہاں کے لیے
اُسیؐ کے پرچمِ عظمت سے سرُخرو ہے زمیں
اُسیؐ کے نقشِ قدم تاج کہکشاں کے لیے
اُسیؐ کا نور ہے قندیلِ معرفت کی ضیاء
اُسیؐ کا حسن ہے تزئینِ لا مکاں کے لیے
اُسیؐ کے سامنے میرا سرِ نیاز ہے خم
''بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستاں کے لیے''

(شاہدالوری)(۳۸)

مرے خیال میں بستا نہیں ہے کوئی جمیل — مری نگاہ میں جچتا نہیں ہے کوئی حسیں
ہزار خانۂ دل میں ہے روشنی کا ہجوم — چراغِ عشقِ محمدﷺ نہیں تو کچھ بھی نہیں

(خیال آفاقی)(۳۹)

ذکرِ محبوبِ خدا ہے باعثِ کیف و سرو — یادِ ختم المرسلیں ہے تازگی ایمان کی
اتباعِ مصطفےٰ ﷺ پر جو عمل پیرا رہا — اس نے ہر مشکل گھڑی اپنے لیے آسان کی

(قمر وارثی)(۴۰)

جہل کے مابین ایوانِ ادب کھولے گئے — آدمی پر عقدہ ہائے روز وشب کھولے گئے
عظمتِ آدمؑ، وقارِ آدمی، عزِّ بشر — آپ جب آئے تو یہ اسرار سب کھولے گئے
قلب آزردہ ومحزوں نہ رہا نعت کے بعد — انبساط ایسا طبیعت کو ملا نعت کے بعد
قریۂ جاں میں فقط خاک اُڑا کرتی تھی — یہ خرابہ بھی تو آباد ہوا نعت کے بعد
منبعِ نُور، درِ سیِّدِ لولاک کی خیر — وجہ تمکینِ زمیں، باعثِ افلاک کی خیر
ہجرِ سرکار میں بہتے ہوئے اشکوں کو سلام — یادِ سرکار میں ہر دیدۂ نمناک کی خیر

(جُنید نسیم سیٹھی)(۴۱)

سی حرفی کا نعتیہ متن:

'سی حرفی'، پنجابی کی ایک صنف ہے جس کا ہر بند الف سے یا تک کے حروفِ تہجی کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

ابوالاعجاز لکھتے ہیں:

''اردو میں سی حرفی کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔افسر صدیقی امروہوی کا خیال ہے کہ اردو میں سب سے پہلی سی حرفی شاید شاہ برہان الدین جانم (متوفی ۹۹۰ھ) کی ہے۔محقق موصوف نے اپنے مضمون ''سی حرفی معظم'' میں شاہ تراب، شاہ کرم، شاہ وجھن، شاہ محمد غوث چشتی صابری اور معظم کی اردو سی حرفیوں کا ذکر کیا ہے''۔(۴۲)

نعتیہ ادب میں بھی اس ہیئتی صنف کے نقوش بننے لگے ہیں۔حفیظ تائب کی ''سی حرفی زمزمہء درود'' معرکہ آرا ہے۔ملاحظہ ہو:

نامِ خدا سے سلسلا زمزمہء درود کا
منزلِ ذات کا پتا نور و ظہورِ مصطفیٰ
روح و رواں کی ہے صدا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

جلوہء روئے آں جنابؐ ارض و سما کی آب و تاب
مطلعِ حق کا آفتاب آپؐ کی شرعِ مستطاب
قدر گرو جہت نما
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

مقصدِ کن فکاں ہیں آپؐ قائدِ مُرسلاں ہیں آپ
نیّرِ لامکاں ہیں آپؐ رہبرِ ہر زماں ہیں آپؐ
آپؐ کا شوقِ دل کُشا

صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

آپؐ ہیں جوہرِ حیات نورِ نگاہِ کائنات
پیکرِ جراءت و ثبات موجبِ راحت و نجات
فکر و نظر کا منتہا

صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

نوعِ ذکور کے غیاث محسنِ طبقہء اناث
خلقِ خدا کے مستغاث آپؐ کا عزم و انبعاث
مردہ دلوں کا حوصلا

صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

عدل کا ان کے سر پہ تاج عقل و خرد پہ ان کا راج
حق نے کہا انھیں سراج تاابد ان کی احتیاج
ان پہ ہیں دو جہاں فدا

صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

آپؐ ہیں ضامنِ فلاح شاہدِ اوج، انشراح
آپؐ نگاہ کی صباح آپؐ سے ہی دلوں کی راح
آپؐ کا ذکر جاں فزا

صلِّ علیٰ نبینا
صلِ علیٰ محمدٍ

زیست کی راہِ سنگلاخ ان کے کرم سے ہے فراخ
بارور ان سے شاخ شاخ مہکے ہیں ان سے کنج و کاخ

نور ہے ان کا جا بجا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

آپؐ کی دل نواز یاد کرتی ہے جسم و جاں کو شاد
دیتی ہے مدح گر کو داد بھرتی ہے دامنِ مراد
آپؐ ہیں معدنِ عطا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

جن کے سبب طلب لذیذ زیست کی تاب و تب لذیذ
تلخیِ روزو شب لذیذ علم و فن و ادب لذیذ
جن سے قدم قدم ہدیٰ
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

مُرسَلِ خوش خبر حضورؐ خسروِ خشک و تر حضورؐ
دہر کے چارہ گر حضورؐ حُسن ہیں سربہ سر حضورؐ
رحمتِ حق کی انتہا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

میرِ عجم ، شہِ حجاز جن پہ کھلا ہر ایک راز
جن کے غلام سرفراز جن پہ ہے سروری کو ناز
والیِ کشورِ بقا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

جسم پہ صبر کا لباس ہاتھ میں پرچمِ سپاس

شُکر طراز و حق شناس قصرِ وجود کی اساس
مہر سپہرِ ارتقا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

آپؐ بہارِ عرش و فرش عزّ و وقارِ عرش و فرش
تاب و قرارِ عرش و فرش دارو مدارِ عرش و فرش
دیدہ و دل کا مدّعا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

آپؐ کا ہے پیام خاص خلقِ خدا کے نام خاص
آپؐ کی بزمِ عام ، خاص عظمت و احترام خاص
آپؐ کا مرتبہ جدا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

پھیلا ہوا ہے خوانِ فیض آتے ہیں طالبانِ فیض
پاتے ہیں ارمغانِ فیض کہتے ہیں داستانِ فیض
لب پہ ہے سب کے مرحبا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

رُوح کا ان سے ارتباط باعثِ فرحت و نشاط
قلب ہے آپؐ کی رباط کم ہے کوئی یہ انبساط
میرے لبوں پہ ہے سدا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ

عجزِ طبیعتِ حفیظ رنگِ محبتِ حفیظ
شوق و عقیدتِ حفیظ عزت و شہرتِ حفیظ
صدقہ ہے اُس جناب کا
صلِّ علیٰ نبینا
صلِّ علیٰ محمدٍ
(حفیظ تائب)(۴۳)

اسی طرح ''سی حرفی'' کے بند اردو حروفِ تہجی کے آخری حرف ''ی'' تک چلے ہیں اور یہ خوبصورت تخلیقی نقش مکمل ہوا ہے۔

نعت رنگ (شمارہ ۳۰،نومبر ۲۰۲۰ء) میں، اشفاق احمد غوری کی ایک نعتیہ ''سی حرفی'' شایع ہوئی تھی۔اس میں شاعر نے اردو کے (بشمول،الف ممدودہ، یائے مجہول اور نون غنا) 37 حروف کو ردیف کے طور پر استعمال کیا ہے۔مثلاً

دف بجاتے قلب کی دھڑکن میں آ غرفۂ احساس کے درپن میں آ
روح کو آسودگی دے وصل کی **یا رسول اللہ انت قبلتی**

یہاں ہم اس ''سی حرفی'' کے ہر بند کا صرف ایک ایک مصرع لکھ کر پوری نظم کا اسلوبی التزام دکھانا چاہیں گے:

(آ) دف بجاتے قلب کی دھڑکن میں آ
۱۔ فکر و فن کو تو شۂ گوہر ملا
۲۔ آپ ہیں کون و مکاں کی تاب و تب
۳۔ ہجر میں فرمائیں گے تخفیف آپ
۴۔ آپ سے ہے زندگانی کو ثبات
۵۔ ہے مری فردِ عمل میں صرف کھوٹ
۶۔ آج ہیں پلکیں مری اشکوں سے لیٹ
۷۔ آپ کی مدحت کو دیتا ہوں رواج
۸۔ آپ کی ہے سیرتِ ضو بار سچ

۹۔ ہیں صحابہ کے یہ اقوالِ صحیح
۱۰۔ کہہ دیا اللہ نے اے ماہ رخ
۱۱۔ منبعِ علم و ادب عقل و خرد
۱۲۔ جسم و جاں پر ہے شریعت کا نفوذ
۱۳۔ دو جہاں اس زاویئے پر ہیں اکھنڈ
۱۴۔ چھوڑ آتے تھے زمیں اپنی شجر
۱۵۔ آپ کو اللہ نے بخشا فراز
۱۶۔ آپ کی جس کو عطا ہوجائے آڑ
۱۷۔ جز معاصی کچھ نہیں ہے میرے پاس
۱۸۔ ہم نے چاہے جو بھی رکھی ہو روش
۱۹۔ میں بھی ہوں دربارِ اطہر کا حریص
۲۰۔ حسرتِ دیدار ہے میرا مرض
۲۱۔ خدمتِ مدحت کا حاصل ہے نشاط

بیچ کے حروف چھوڑ کر آخری حرف کا مصرع لکھتے ہیں:

دست بستہ کہہ رہا ہے بس یہی
یا رسول اللہ انت قبلتی
(اشفاق احمد غوری)(۴۴)

اشفاق غوری کی ''سی حرفی'' میں، الف ممدودہ سمیت کل ۳۷ بند ہوئے۔ سی حرفی کی ہیئت میں یہ مسمط نعتیہ شعری ادب میں یقیناً ایک اضافہ ہے۔

نعتیہ دوہے:

دوہا......دوہا، خالص ہندی بھاشا میں لکھی جانے والی شعری صنف ہے۔ اردو میں یہ صنف بہت کم شعرا نے اپنائی ہے۔ ہر ''دوہا'' غزل کے مطلع کی طرح ہوتا ہے اور صرف یہی دو مصرعے اسے مکمل نظم کی صورت دے دیتے ہیں۔ ایک سے زیادہ دوہے بھی لکھے جائیں تو وہ کوئی

طویل نظم نہیں بنتی۔ ہر دوہا، انفرادی چھب دکھلاتا ہے۔ نعتیہ دوہے کہنے والے بھی کم ہیں۔

شاعر علی شاعر لکھتے ہیں:

''دوہا'' میں کافی مباحث پائے جاتے ہیں۔ اسلاف دوہا نگاروں نے سرسی چھند میں دوہے لکھے ہیں جس کی بحر ہے: فعلن فعلن فاعلن، فعلن فعلن فع

مگر جناب جمیل الدین عالؔی نے اِس صنفِ سخن میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اُنھوں نے دوہے کی نئی بحر اختراع کی جو انتہائی رواں، سلیس اور سہل ہے۔ اِس بحر کو ناقدینِ فنِ شاعری نے ''عالی چال'' کا نام دیا ہے۔ عالی چال کی بحر کے ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاع''(۴۵)

شاعر علی شاعر کے نعتیہ دوہے:

اُن کی ہمت سے مسلم تھے سیسے کی دیوار
اِسی لیے تو آپس میں تھا اِک دوجے سے پیار

سب کا رب ہے مولا سائیں نام اُس کا رحمٰن
جس نے محمد ﷺ کو بخشی ہے میٹھی پاک زبان

طائف میں جو سر سے پا تک زخموں سے تھا چُور
آخر اُس نے دور کیا ہے نفرت کا ناسور

نعت کے سارے موتی چن لے موتی ہیں انمول
اُن کو نیکی کے پلّے میں رکھ رکھ کے تو تول

اُن کی نعتیں لکھنے سے تو ہوتا ہے دل شاد
اُن کے غم میں رہنے والا کرتا نہیں فریاد

(شاعر علی شاعر)(۴۶)

یاورؔ وارثی نوابی کی کتاب ''وادیٔ ماہ'' (دوہوں کا مجموعہ) میں بیشتر دوہے فعلن فعلن فاعلن فعلن فعلن فاع کے وزن پر ہیں۔ چند ملاحظہ ہو:

خواب وہ دیکھوں ایک دن میرے ربِّ قدیر
شہرِ نبیؐ کی دید ہی جس کی ہو تعبیر

نعت نگاری میں مجھے ہونا ہے معروف
میرے خدا افکار کو میرے کر مصروف
مرنے سے پہلے کر عطا مجھ کو یہ سوغات
مانگ رہا ہوں اے خدا طیبہ کی اک رات
چھیڑی جب سرکارؐ نے رحم دلی کی جنگ
خاک اوڑھی اور سوگئے ظلم کے سب اورنگ
چاہے جیسا وقت ہو جیسے ہوں حالات
گنبدِ خضرا کی طرف دیکھوں میں دن رات
ذکرِ نبیؐ کے گلی گلی جلتے رہیں چراغ
جائے اُجالا دور تک روشن رہیں دماغ
باربار مضمون یہ قلم کرے تحریر
نور سراپا آپؐ ہیں کیسے بنے تصویر(۴۷)

خیام العصر محسن اعظم محسنؔ ملیح آبادی کے نعتیہ دوہے، ہندی اردو کے تال میل سے تخلیق ہوئے ہیں۔ انھوں نے دوہے کا اصل مزاج برقرار رکھنے کے لیے مقامی ثقافت کو پیشِ نظر رکھا ہے:

میرے نبی سب کے لیے، رب کا مہان انعام
ہر پل اُن پر بھیجیے لاکھوں درود و سلام
جو آپؐ کا منکر ہوا، کہیے اُسے شیطان
بے شک ہے ایسا مَنش ، رب کا نا فرمان
آپؐ ہی کی تعلیم سے، سب نے پایا شعور
آپؐ ہی کی تقلید سے، سب کے دلوں میں نور
آپؐ سے پہلے، یا نبیؐ!، اِس جگ میں تھی رات
ہے جگ والوں کے لیے، سورج آپؐ کی ذات
آپؐ ہی ہیں کامل تریں، معصوم اک انسان

کوئی نہیں سنسار میں، آپؐ کی طرح مَہان
سارے نبیوں میں بڑا، میرے نبی کا نام
سب ہی کے ہیں پیشوا، سب کے ہیں وہ امام
(خیام العصر محسن اعظم محسؔن ملیح آبادی (۴۷)

نعتیہ ثلاثی:

ثلاثی تین مصرعوں پر مشتمل مختصر نظم ہوتی ہے جس کا پہلا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے، اردو میں یہ تجربہ حمایت علی شاعر نے کیا تھا۔ نعتیہ ثلاثیاں، شاعر علی شاعر نے لکھی ہیں۔ چند ثلاثیاں ملاحظہ ہوں:

شمعِ ہدایت نور ہے اُن کا
سب کرتے ہیں مدحت اُن کی
لطف و کرم مشہور ہے اُن کا

۲

جو بھی اُن کی جانب آئے
کفر سے ناتا ٹُوٹے اُس کا
راہِ جنت وہ پا جائے

۳

نامِ محمد ﷺ نورِ خدا ہے
ہو نہیں سکتے اُن سے الگ ہم
ہر عاشق کے دل کی صدا ہے

۴

گنبدِ خضریٰ دیکھنے والا
شہرِ مدینہ کی گلیوں سے
آنکھوں میں بھرتا ہے اُجالا

۵

وقت کا آئینہ یہ بولا
وہ ہیں سراپا نور کا پیکر
کوئی نہیں ہے آقا ﷺ جیسا

۶

پھول کِھلے ہیں آنگن آنگن
جب سے ہُوئی ہے اُن کی آمد
بن گئی دنیا گلشن گلشن

۷

جب جب اُن کی یاد آتی ہے
شہرِ مدینہ دیکھ نہ پایا
ہونٹوں پر فریاد آتی ہے(۴۸)

نعتیہ سانیٹ:

سانیٹ ایک صنفِ سخن ہے جس کا آغاز اٹلی میں چودھوی صدی عیسوی میں ہوا۔اس شاعری کا بیشتر حصہ،محبت کے نغمات کی شکل میں منصۂ شہود پر آیا۔سولھویں صدی عیسوی میں اس صنف کی طرف اسپین،فرانس اور انگلینڈ کے شعرا نے توجہ دی اور سترھویں صدی عیسویں میں یہ صنف جرمنی پہنچی۔ابتدائی سانیٹ جسمانی پیاس بجھانے والی محبت کے زیرِ اثر وجود میں آئے۔لیکن سترھویں صدی میں جون ڈن نے اس کے موضوعات میں مذہبی عنصر داخل کیا اور ملٹن نے اسے سیاسی مقاصد کے لیے برتا۔اٹھارویں صدی میں یہ صنف بے توجہی کا شکار رہی لیکن اس کا احیا انیسویں صدی میں ورڈسورتھ،کیٹس اور بودلیئر نے کیا۔ (Oxford Dictionary of Literary Terms, University Peress, United Kingdom) (۴۹)

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''چودہ مصرعوں پر مشتمل سانیٹ دو بندوں سے ترکیب پاتی ہے۔ پہلے بند کا پہلا مصرعہ اور آخری مصرع، ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ درمیان کے تین اشعار انفرادی قوافی کے حامل ہوتے ہیں۔ دوسرے بند کا پہلا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ جب کہ دو اشعار انفرادی طور پر قافیہ کے حامل ہوتے ہیں......اگر چہ اختر شیرانی سے لے کر ن م راشد تک متعدد اچھے شعرا نے سانیٹ لکھے، لیکن پھر بھی اسے مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔ جس کی ایک وجہ مشکل تکنیک بھی ہوسکتی ہے'' (۵۰)

ڈاکٹر افضال انور کی تحقیق کے مطابق نعتیہ ادب میں پہلا سانیٹ کا مجموعہ علیم صبا نویدی کا تھا۔ (مقالہ پی ایچ ڈی۔ ص ۵۴۹)۔ (۵۱)

صبیح رحمانی نے بھی علیم صبا نویدی کو نعتیہ سانیٹ لکھنے والا اولین شاعر لکھا ہے۔ ان کے سانیٹ کا مجموعہ ''نور السمٰوات'' جنوری ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اکا دکا نعتیہ سانیٹ لکھنے والوں میں کامل القادری، نعیم تقوی، حفیظ تائب، تنویر پھول اور صبیح رحمانی کے نام شامل ہیں۔ (۵۲)

حال ہی میں عارف منصور کی کتاب ''سیّد المبشّرین ﷺ'' کے نام سے شیر افگن خان جوہر نے شایع کی ہے۔ جس میں سیرت النبی ﷺ کے قرآنی استدلال پر مشتمل نعتیہ سانیٹس ہیں

نعتیہ سانیٹس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

آپؐ آئے تو ہوا عہدِ خزاں عہدِ بہار
آپؐ ہیں خُلقِ مجسم آپؐ سب پر مہرباں
آپؐ کی نسبت سے ہی روشن ہے میرا شہرِ جاں
آپؐ جیسا ہو نہیں سکتا کوئی بھی شہر یار
آپؐ ختم المرسلیں ہیں آپؐ ہیں نورِ ازل
تا ابد روشن رہے گی آپؐ ہی سے ہر نظر
آپؐ ہیں قرآنِ ناطق، عاملِ خیر العمل
ہو بشر کیوں کر نہ نازاں آپؐ ہیں خیر البشر
آپؐ ہی ٹھہرے فصیحؐ جس پہ نازاں ہے کلام

آپؐ سا صادق امیں کوئی نہیں ہے بالیقیں
آپؐ سا جواد ہو کوئی کبھی ممکن نہیں
آپؐ ہی خیرالوریٰ ہیں آپؐ ہی خیرالانام
نور سے لکھی ہیں رب نے آپؐ کی ساری صفات
آپؐ آئے تو جہاں سے چھٹ گئی صدیوں کی رات

(منصور ملتانی[عارف منصور])(۵۳)

تنویر پھول نے بھی کچھ سانیٹ کہے ہیں، ایک سانیٹ ملاحظہ ہو:

لولاک شان آپ ﷺ کی ہے شاہ ﷺ انبیا!
تخلیقِ کائنات کا واحد سبب ہیں آپ ﷺ!
کچھ اس میں شک نہیں ہے کہ محبوبِ رب ہیں آپ ﷺ!
انساں کو حق کی راہ پہ چلنا سکھا دیا!
سردار ﷺ کائنات ہیں اللہ کے قریب!
ظلمت کدہ تھا دہر وہ پر نور کر دیا!
انساں کے دل کو نور سے معمور کردیا!
امراض جو ہیں قلب کے ان سب کے ہیں طبیب!
حاصل ہے قرب آپ ﷺ کو اللہ کا سدا!
اقرب ہیں رب سے، آپ ﷺ ہیں وہ عبدِ بے مثال
محروم اُس کو رکھتے نہیں جو کرے سوال
بخشش کی آس دل میں لیے آ گیا گدا!
احقر کی لاج آپ ﷺ کے دستِ کرم میں ہے
اک التجا ئے پھول نہاں چشمِ نم میں ہے

(تنویر پھول)(۵۴)

نعتیہ گیت:

صاحبِ ''ادبی اصناف'' ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

''[گیت] ہلکی پھلکی غنائی نظم ہے، جو ہندی سے اردو میں آئی ہے، گیت چوں کہ گانے کے لیے ہوتا ہے اس لیے زیادہ طویل نہیں ہوتا۔ پانسات، دس پندرہ سطروں ہی کا ہوتا ہے۔ اس میں اکثر ایک تیک یا انترا ہوتی ہے جسے بار بار دہرایا جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پہلے مصرع کو یا جزواً دہراتے ہیں۔ آخری مصرع یا اس سے پہلے مصرع میں اکثر شاعر کا تخلص آتا ہے۔ اس کی ہیئت، مصرعوں کا نظامِ قوافی اور مصرعوں کا طول مقرر نہیں۔ شاعر حسبِ منشا فیصلہ کر سکتا ہے''۔(۵۵)

حفیظ تائب کا نعتیہ گیت پیشِ خدمت ہے:

ہو دور یہ اداسی
طیبہ نگر کے باسی ﷺ

بے اختیار آنکھیں یہ اشکبار آنکھیں
یہ سوگوار آنکھیں دیدار کی ہیں پیاسی
طیبہ نگر کے باسی ﷺ

ہر دم حبیب میرے ہو تو قریب میرے
جاگیں نصیب میرے ہر غم سے ہو خلاصی
طیبہ نگر کے باسی ﷺ

اے بے کسوں کے یاور برپا ہو جب کہ محشر
کرنا نہ دیر پل بھر گھبرا نہ جائیں عاصی
طیبہ نگر کے باسی ﷺ (۵۶)

نعتیہ ماہیے:

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''اظہارِ محبت (ماہی: محبوب) کے لیے تین مصرعوں پر مشتمل پنجابی اور سرائیکی کی مقبول صنفِ سخن، اردو میں بھی مستعمل ہے......اس وقت متعدد شعرا اردو میں ماہیا لکھ رہے ہیں اور ماہیا کے مجموعے بھی چھپ چکے ہیں''۔(۵۷)

''ماہیا'' سرائیکی صنف سخن ہے۔ یہ صنف اُردو کی شعری اصناف میں در آئی اور خوب پھلی پھولی۔ سرائیکی ماہیے خصوص وزن میں لکھے جاتے رہے ہیں۔ شاعر علی شاعر کی تحقیق کے مطابق اُردو میں چراغ حسن حسرتؔ نے اس کی بحر، وزن اور شکل مخصوص کر دی ہے۔ اُن کا مشہور اُردو ماہیا:

باغوں میں پڑے جھولے......تم بھول گئے ہم کو......ہم تم کو نہیں بھولے

ہے

جس کے ارکان مفعول مفاعیلن ہیں۔

اردو ماہیا آج تک تین مصرعوں ہی میں لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے جس کا اپنا علیحدہ حسن و جمال ہے (۵۸)

شاعر علی شاعرؔ کے نعتیہ ماہیے ملاحظہ ہوں:

خیرات ملے مجھ کو......میں نعت کا شاعر ہوں......اب نعت ملے مجھ کو

کیا اچھا نظارہ ہے......بس میرے تصور میں......آقا ﷺ کا مدینہ ہے

رحمت کا پیام آیا......جس وقت زبانوں پر......سرکار ﷺ کا نام آیا

(شاعر علی شاعر)(۵۹)

نعتیہ قصائد:

ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ اپنے مضمون ''قصیدہ، صنفِ سخن کی حیثیت سے'' میں لکھتے ہیں:

''قصیدہ'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی مغزِ غلیظ کے ہیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ قصیدہ لفظ قصد سے نکلا ہے اور اس کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دنوں مصرعے اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں اور جس میں مدح یا ذم، نصیحت و موعظت یا مختلف کیفیات و حالات وغیرہ کا بیان ہو''۔(۶۰)

قصیدے کے اجزائے ترکیبی میں ''تشبیب''، ''گریز''، ''مدح''، ''عرضِ مطلب و دعا'' جیسے چار اجزا شامل ہیں۔(۶۱)

نعتیہ قصائد میں شعرا نے قصیدے کے معنوی اور ہیئتی پیکر کا خیال رکھا ہے۔ اردو میں قدما نے بہت اچھے نعتیہ قصائد کہے ہیں۔ مومن، حالی، محسن کاکوروی، احمد رضا خاں بریلوی، کرامت علی شہیدی، غلام ہمدانی مصحفی وغیرہ کے قصائد شہرۂ آفاق ہیں۔ پاکستان میں عبدالعزیز خالد، خالد احمد، نعیم صدیقی، سرو سہارنپوری، ریاض حسین چودھری، علیم ناصری، جعفر طاہر اور فدا خالدی کے نام نمایاں ہیں۔ عبدالعزیز خالد اور خالد احمد کے طویل طویل قصائد پر مشتمل کتب شایع ہو چکی ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے حوالے سے انبیائے ماسبق کی پیش گوئیوں کی طرف تلمیحاتی اشارے کرتے ہوئے، سرو سہارنپوری نے کیسے خوبصورت پیرائے میں بات کی ہے، ملاحظہ ہو:

ظاہر ہوئی وہ آہِ براہیم کی تاثیر　　شرمندۂ تعبیر ہوا خوابِ ترکیٰ
قالب میں ڈھلی آج نویدِ بنِ مریم　　جاگا ہے وہ سویا ہوا دنیا کا نصیبا

بعد کے اشعار میں حضورِ اکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا ذکر کرتے ہوئے، آپ کے فیضانِ جاریہ کا حوالہ قلم بند ہوا ہے:

جن ہاتھوں نے کانٹے تری راہوں میں بچھائے
پایا ہے انھوں نے بھی ترے لطف سے حصہ
ان ہاتھوں نے پہنے ترے دربار میں کنگن
جو ہاتھ تھے ماضی میں ترے خون کے جویا
آزادیِ افکار سے واقف تھا یہاں کون
احسان ہے یہ بھی تو ترے درسِ وفا کا
یہ جراٴت اظہار ترا فیض کرم ہے
یہ حفظِ خودی تیری عنایت کا نتیجہ
(سرو سہارنپوری)(۶۲)

فدا خالدی دہلوی، جانشینِ بیخود دہلوی تھے۔ ان کی شعری دانش، زبان و بیان کی

سادگی اور نفاست سے عبارت ہے۔قصیدے کے اجزائے ترکیبی کی مکمل صورت ظاہر کرنے کی غرض سے تشبیب ،گریز، مدح اور دعا سے مملو اشعار درج کیے جاتے ہیں:

تشبیب

ابتر تھی فضا تیرگئ جہل تھی چھائی ناواقفِ اسرارِ محبت تھی خدائی
ہر ذہن میں وہ بغض وعداوت کا دھواں تھا جاری تھی ہمہ وقت قبیلوں میں لڑائی
وہ رات کے پردے میں دہلتے ہوئے انجم دشمن نظر آتا تھا جہاں بھائی کا بھائی
دھبے تھے کدورت کے ہر آئینۂ دل پر دشوار نظر آتی تھی باطن کی صفائی
ہر ذہن پہ وہ نشۂ نخوت تھا مسلط ہر شخص کو درکار تھی اپنی ہی بڑائی
دختر کو دبا آتے تھے زندہ ہی زمیں میں نادان سمجھتے تھے بُرائی کو بھلائی
انسان بکا کرتا تھا انسان کے ہاتھوں تھی گردنِ مفلس پہ رواں تیغِ طلائی
زیبائشِ محفل تھے کھنکتے ہوئے ساغر رقصاں تھا سرِ راہِ طرب حسنِ خفائی
محفوظ نہ تھی عفت و عصمت کسی صورت
تھا جام بکف بزم میں ہر دستِ حنائی

گریز

گفتار میں تلخی تھی تو لہجے میں تکبر آخر یہ روش ان کی مشیت کو نہ بھائی
اُبھرا افقِ ذہن پہ اک مطلع دلکش رخشندہ و تابندہ و پُرنور و ضیائی
بدلی وہ فضا رحمت حق جوش میں آئی ظلمت میں کرن پھوٹی بنے راہنمائی
منسوب ہوا نامِ محمدؐ سے وہی نور
تنویر ہدایت متشکل نظر آئی

مدح

چمکا دیا دنیا کو اسی نور مبیں نے چھائی ہوئی سب تیرگئ جہل مٹائی
چہروں سے برسنے لگے انوار یقیں کے ایمان سے ہونے لگی قلبوں کی صفائی
بندوں کو خبردار کیا عظمتِ رب سے گردن ستم وجور سے انساں کی چھڑائی
وہ جس نے یتیموں کو کلیجے سے لگایا دی جس نے غلاموں کو غلامی سے رہائی

بندوں کو جھکایا درِ معبود پہ جس نے
وہ راہنما جس نے رہِ راست دکھائی
وہ جس کا ہر اک قول ہے گنجینۂ حکمت
وہ جس کی ہر اک بات میں پوشیدہ بھلائی
وہ دلبرِ حق سرورِ کونین کہ جس کے
جبریل امیں در پہ کریں ناصیہ سائی
وہ جس کو کہیں سید و محمود و مبشر
وہ پیکر عظمت دے جسے زیب بڑائی
یٰسین بھی طٰہٰ بھی ہو صادق بھی امیں بھی
حیران ہوں کیا اس کی کروں مدح سرائی

کرتا ہوں فداؔ ختم قصیدے کو دُعا پر
اللہ درِ سرورِ دیں تک ہو رسائی

(فداخالدی)(۶۳)

خالدعلیم کی تصنیف ''اَوصَاف'' میں نعتیہ قصائد کی بہاریں عروج پر نظر آتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہاں وہ رسولِ انام، سیّدِؐ عالی جناب
بحرِ رسالت کا وہ اک گہرِ انتخاب
سائرِ ہفت آسماں ، طائرِ سدرہ مکاں
خاتمِ وحی و صحف ، ملہمِ امُّ الکتاب
سیّدِ اہلِ حرم، راہ نمائے اُمم
تاجورِ محترم، خسروِ گردوں رکاب
خُردو کلاں کا ہے وہ ہم قدمِ بے مثال
گمشدگاں کا ہے وہ راہ برِ لاجواب
اُس کے خصائل بلند، اُس کے شمائل عظیم
اُس کے مقامات ہیں بے بدل و بےحساب
روکشِ مہتابِ شب اُس کی ردائے سیاہ
مطلعِ خورشیدِ صبح اُس کا رُخِ مستطاب
مقتبس از حُسنِ اُو قرصِ مہِ نیم شب
مفتخر از گوہرش مشتری و آفتاب
اُس کا نفس مشکبو، اُس کی نظر گل فشاں
اُس کا تکلم لطیف، اُس کا تبسم گلاب
اُس کا بیاں جاں فروز، اُس کی زباں دل نواز
اُس کا پیام الہدیٰ ، اُس کا کلام الکتاب
وہ ہے رفیع المقام، وہ ہے بلیغ الکلام
وہ ہے فصیح البیاں، صاحبِ فصل الخطاب
وہ ہے لسان العرب ، وہ ہے بیان العجم
دانش وعلم وحِکَم اُس سے کریں اکتساب
وہ شہِ والا صفات، جس کی قلم رَو میں ہے
حِلم سعادت نشاں، علم فضیلت مآب
وہ نظرِ کیمیا، جس سے زمانے میں ہے
صبحِ یقیں جاوداں، شامِ توہُّم حباب
وہ نگہِ التفات، جس کی عطاؤں سے ہے
ایک جہاں مستفیض، ایک جہاں فیض یاب

اُس کی سخا یم بہ یم، اُس کا کرم جُو بہ جُو
موجِ مئے سلسبیل اُس کے دہن کا لعاب
مونسِ افسردگاں، ہم دمِ آزردگاں
چارۂ غم خوردگاں، شافعِ یوم الحساب
خوش خبرِ درد مند ، داد رسِ مستمند
گاہ انیسِ یتیم ، گاہ جلیسِ مُصاب
گاہ رؤف و رحیم، گاہ وسیم و قسیم
گاہ فہیم و علیم، گاہ مجیب و مجاب
گاہ حمود و حمید ، گاہ سعودوسعید
گاہ مزّکی لقب، گاہ مطیّب خطابؐ
اُس کی ثنا سے ملی زندگیِ جاوداں
ورنہ فنا کے سوا، کیا ہے وجودِ حباب
اُس کی عطا سے حَکَم ،میرے زبان وقلم
میری صدا دل فروز، میری نوا استیاب
بارگہِ قدس میں اُس کی شفاعت سے ہو
میر اعمل مستحب، میری دعا مستجاب (۶۴)

آج کل زیادہ تر قصائد، غزلِ مسلسل کی شکل میں تخلیق کیے جا رہے ہیں۔اس لیے بیشتر قصائد روایتی اجزائے ترکیبی کے حامل نہیں ہوتے۔

مسدّس:

مسدس کے معنی، شش جہتی، شش پہلو، چھے کونیا، چھ پہلو والی چیز۔شاعری میں ایسی نظم کو مسدس کہتے ہیں جس کے چار مصرے ایک وزن ،قافیے اور ردیف کے ہوں اور دو مصرے ،مطلع کی طرح الگ قافیہ ردیف کے ہوں۔ ردیف ضروری نہیں ہے۔لیکن اگر پہلے مصرے میں آئے گی تو بقیہ تین مصاریع میں بھی لازماً لانی ہوگی۔ اختتامی بیت میں نیا قافیہ ہوگا اور اگر ردیف بھی ہو تو دونوں مصرعوں میں یکساں ردیف ہوگی۔ اردو میں مسدسِ حالی اور اقبال کی نظمیں شکوہ جوابِ شکوہ ،اسی ہیئتی صنف میں ہیں۔ مرثیہ گو شعرانے مسدس کی ہیئت اس صنف کے لیے مختص کر لی ہے۔ قادرالکلام شعرانے نعتیہ مسدس بہت لکھے ہیں لیکن تخلیقی ادب کے دورانیے کے پیشِ نظر ہم صرف ان چند مثالوں پر اکتفا کریں گے جو ۲۰۰۱ء تا ۲۰۲۴ء زیورِ طباعت سے مزیّن کتب میں بار پاسکیں:

رحمان کیانی نے رزمیہ مسدس لکھا ہے:

جب بھی سپاہیوں سے پیمبر کو پوچھیے
خندق کا ذکر کیجیے ، خیبر کو پوچھیے
بدر و اُحُد کے قائدِ لشکر کو پوچھیے
یا غزوۂ تبوک کے سرور کو پوچھیے

ہم کو حنین و مکّہ و موتہ بھی یاد ہیں
ہم امتیِ بانیِ رسمِ جہاد ہیں
رسمِ جہاد ، حق کی اقامت کے واسطے کمزور و ناتواں کی حمایت کے واسطے
خیرو فلاح و امن و عدالت کے واسطے خیرالممات مرگِ شہادت کے واسطے
لڑتے ہیں جس کے شوق میں ہم جھوم جھوم کے
پیتے ہیں جامِ مرگ کو بھی چوم چوم کے
لاکھوں درود ایسے پیمبرؐ کے نام پر جو حرفِ لاتخف سے بناتا ہوا نڈر
اک جاوداں حیات کی بھی دے گیا خبر یعنی خدا کی راہ میں کٹ جائے سر اگر
ہم کو یقین ہے کبھی مرتے نہیں ہیں ہم
اور اس لیے کسی سے بھی ڈرتے نہیں ہیں ہم
(رحمانی کیانی)(۶۵)

صبح ولادت نبی مکرم ﷺ

وہ پو پھٹی وہ نورِ خدا کا ہوا ظہور بدلا شبِ سیاہ کا اندازِ پُر غرور
اے لو وہ آسمان سے برسا زمیں پہ نور پائی ہر ایک ذرے نے شانِ چراغِ طور
اک صبح پُر بہار ضیا بار ہو گئی
دنیا تمام نیند سے بیدار ہو گئی
یہ صبح لے کے آئی ہے وہ نورِ انقلاب جس کی کوئی نظیر نہ جس کا کوئی جواب
شرمندہ جس کے سامنے مہتاب و آفتاب کون ومکاں ہیں اس کی لطافت سے فیض یاب
احباب شاد کام ہوئے غیر کٹ گئے
پھیلی وہ روشنی کہ اندھیرے سمٹ گئے
ارض و سما بنے ہیں اسی نور کے طفیل تارے چمک رہے ہیں اسی نور کے طفیل
گلشن ہرے بھرے ہیں اِسی نور کے طفیل دونوں جہاں سجے ہیں اِسی نور کے طفیل
اِس نور کا ازل سے ابد تک ہے سلسلہ

یہ نور وہ ہے جس کا طرف دار ہے خدا

آیا ہے راہِ راست دکھانے کے واسطے   بندوں کو ان کے رب سے ملانے کے واسطے

بنیاد بت کدوں کی گرانے کے واسطے   رسم و رواجِ کفر مٹانے کے واسطے

انساں کو بندگی کا سلیقہ سکھائے گا

یہ نور ظلمتوں کو اجالے بنائے گا

آیا ہے مفلسوں کی حمایت لیے ہوئے   مظلوموں ،بیکسوں کی محبت لیے ہوئے

اہلِ گنہ کا حقِ شفاعت لیے ہوئے   سارے جہان کے لیے رحمت لیے ہوئے

ہو گا اسی کی ذات پہ قرآن کا نزول

وہ آخری کتاب ہے یہ آخری رسول

(فدا خالدی دہلوی)(٦٦)

رباعی میں نعتیہ متون:

مولوی نجم الغنی رامپوری، بحر الفصاحت میں لکھتے ہیں:

''بدیع الافکار فی صنائع الاشعار'' میں مولانا حسین کاشفی واعظ نے لکھا ہے کہ اس کو رباعی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بحرِ ہزج سے مخصوص ہے۔بحرِ ہزج عرب کے شعروں میں چار اجزا پر ختم ہوتی ہے۔پس رباعی کی ایک بیت دو بیت مربع کی طرح ہوگی اور مجموعہ چار بیتیں ہوگا' ہزج ''مربع الاجزا'' ہے''۔(٦٧)

ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں:

''چومصرع، چوبولا، دوبیتی، ترانہ بھی اسی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔رباعی کے لیےصرف ایک وزن مخصوص ہے

''لا حول ولا قوۃ الا باللہ '' اس مخصوص وزن میں صرف چار مصرعوں میں (پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع، ہم قافیہ، تیسرا غیر مقفیٰ) بڑے سے بڑا مضمون، پیچیدہ سے پیچیدہ خیال اور تخیّل سے لے کر تصوف تک ہر نوع کی نکتہ آفرینی کی جاتی ہے اور وہ بھی گنتی کے چند الفاظ میں......اسی لیے رباعی مشکل صنف تسلیم کی جاتی ہے کہ یہ قطرۂ شبنم میں دھنک کے ست رنگے

آنچل کی تصویر کشی کے مترادف ہے''۔(۶۸)

نعتیہ رباعیات کہنے والے، بزرگ شعرا کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ راجا رشید محمود نے اپنی کتاب ''نعت کائنات'' میں ستیہ پال رضوانی سے یزدانی جالندھری تک ۴۳ شعرا کی رباعیات درج کی ہیں۔بعض شعرانے تو نعتیہ رباعیات کے پورے پورے مجموعے شائع کیے ہیں۔

مبعوث ہوئے رحیم رحمت کے لیے — مقدور اجازت ہے شفاعت کے لیے
قربان محمدؐ پہ کہ وہ حشر کے دن — سجدے میں دعا کریں گے امت کے لیے

(بشیر رزمی، ''یااللہ!''، حمد و نعت کے معنیاتی زاویئے، ص ۹۳)

کچھ اور بلندی کو اُٹھا کرتے ہیں — طے جادۂ محبوبِ خدا کرتے ہیں
پیغمبر و صدیق و شہید و صالح — مرکر بھی نہیں مرتے، جیا کرتے ہیں

(ایضاً ص ۹۵)

الکوثر کے معنی رزمیؔ! — رب نے آخر کوکھولے مجھ پر
اُمت بھی تو آلِ نبیؐ ہے — اِنَّــا اَعْــطَیْــنکَ الْــکُــوْثَــر

(ایضا ص ۹۵)(بشیر رزمی)(۶۹)

ریاض احمد پرواؔز کی چند رباعیات ملاحظہ ہوں:

تقدیر جو بگڑی تھی بنی ہے آکر — اور روح مطہر بھی ہوئی ہے آکر
دل کھول کے آنسو بھی بہائے میں نے — ہر بات جو دل میں تھی کہی ہے آکر

۲

اوراد درودوں کے سجے رہتے ہیں — جذبات مرے دل میں بسے رہتے ہیں
ماحول پہ مہکی ہوئی ایماں کی بہار — ہاتھ اپنے دعاؤں کے اٹھے رہتے ہیں

۳

طاہر بھی مطہَّر بھی وہ اطہر بھی ہیں — انور بھی منیر اور منور بھی ہیں
انسان احاطہ کہاں کرسکتا ہے — وہ صدر بھی مصدر بھی مُصَدَّر بھی ہیں

(ریاض احمد پرواؔز)(۷۰)

نعتیہ شاعری کے لیے اصنافِ شاعری کے مختلف اور رنگا رنگ سانچے برتنے کی

مثالیں جدید و قدیم عہد کے ہر دورانیے میں نظر آتی ہیں۔ہم نے صرف اس کلام کی مثالیں پیش کرنے کی کوشش ہے جو ۲۰۰۱ء سے ۲۰۲۴ء تک شایع کیا گیا تھا۔لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کلام اکیسویں صدی کے چوبیس برسوں میں شایع ہوا ہو وہ اسی دورانیے میں تخلیق بھی ہوا ہو۔تاہم ''اکیسویں صدی کی مقبول شعری ہیئتیں اور نعت!'' کے عنوان کی مقتضیات کا لحاظ رکھنا ضروری تھا۔اصنافِ سخن کی ہیئتیں ، روز بروز وسعت پذیر ہیں۔نعتیہ شاعری میں بھی قدیم و جدید ہیئتوں کے تجربے ہو رہے ہیں۔لیکن ہر عہد کی طرح اکیسویں صدی میں بھی ''غزل'' کا پلّہ بھاری ہی رہا۔ہم نے ،اپنے عنوان کی روشنی میں،صرف ایک خاکہ سا بنا دیا ہے......کیوں کہ احساس یہی ہوتا ہے:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

☆☆

حوالہ جات

غزل:

(۱) مولوی نجم الغنی رامپوری، بحر الفصاحت، حصہ اول مجلسِ ترقی ادب، لاہور، جون ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۶

(۲) ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد طبع اول، جولائی ۱۹۸۵ء

(۳) فراق گورکھپوری، غزل کی ماہیت و ہیئت، مشمولہ: تنقید کی جمالیات، پروفیسر عتیق اللہ، جلد ۱۰، فکشن ھاؤس، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۴۴

(۴) فدا خالدی دہلوی، کلیاتِ فدا خالدی، مرتبہ: ڈاکٹر عزیز احسن، رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی، مارچ ۲۰۲۳ء

(۵) حافظ مظہر الدین، کلیاتِ مظہر، مرتبہ: ارسلان احمد ارسل، ارفع پبلشرز، لاہور، فروری ۲۰۱۳ء

(۶) شفیق احمد فاروقی، صلوٰۃ ربی علیٰ نبی ﷺ، بیت المعاف خانقاہِ نظامیہ، گلزارِ سعیدیہ، ناظم آباد، کراچی، ۲۰۱۳ء

(۷) شاکر القادری، سائبان، اکادمی فروغِ نعت پاکستان، اٹک، اشاعتِ اوّل: ۲۰۲۳ء

(۸) عرشؔ ہاشمی، درود ان پر، سلام ان پر، بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۲۰ء

(۹) حافظ نور احمد قادری، متاعِ نور، بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۱ء

(۱۰) ظفر اقبال ظفر، حضور! آپ ﷺ، ثاقب پبلی کیشنز، شجاع آباد، 2021

(۱۱) احمد وسیم شیخ، اشک پہنچے مرے مدینے میں، لالہ زار کالونی، مین گیٹ، بورے والا، ۲۰۱۹ء

(۱۲) اُمِّ عبد مُنیب، کلیاتِ حمد و نعت، مشربہ علم و حکمت، کامران پارک نزد منصورہ ہسپتال، ملتان روڈ، لاہور

(۱۳) تابش کمال، نورِ مبین ﷺ، دار الکمال، کمال آباد، بنڈی روڈ، چکوال، اکتوبر ۲۰۱۹ء

نعتیہ نظمِ معریٰ:

۱۴۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال، تاریخ اصنافِ نظم و نثر، سٹی بُک پوائنٹ، ۲۰۱۷ء، ص ۲۶۰

۱۵۔ ڈاکٹر حنیف کیفی، اُردو میں نظمِ معرّا اور آزاد نظم، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۶۹

۱۶۔ ریاض حسین چودھری، مشمولہ: نعت رنگ ۲۰، اگست ۲۰۰۸ء، ص ۴۶۹

آزاد نظم اور نعت:

۱۷۔ شبنم رومانی، عطرِ خیال، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، 2017ء، ص 48

۱۸۔ سرشار صدیقی، معراج، میثاق، حرا فاؤنڈیشن پاکستان، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص ۳۷

۱۹۔توصیف تبسم،سلسبیل،عکاس پبلی کیشنز اسلام آباد، 2011ء،صفحہ ۳۹

۲۰۔شرف الدین شامی،مقامات،میٹرکس پبلی کیشنز،راولپنڈی،جنوری:2013ء،ص ۱۷۴

۲۱۔ظفر اقبال ظفر،حضور! آپ ﷺ،ثاقب پبلی کیشنز،شجاع آباد،مکتبہ حسینیہ،شجاع آباد۔۲۰۲۱ء،ص ۶۹

۲۲۔انور مسعود،بار یاب،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد،۲۰۱۲ء،ص ۴۱

۲۳۔عزیز احسن،ڈاکٹر،پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر،نعت ریسرچ سینٹر،کراچی،جولائی ۲۰۱۴ء،ص ۱۷۷

۲۴۔پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر،''طہور''،المسطر پبلیشرز،اسلام آباد،بارِ اوّل:اپریل ۲۰۲۱ء

نثری نظم میں نعتیہ متن:

۲۵۔قمر جمیل،جدید ادب کی سرحدیں،جلد اول،مکتبہ ءدریافت،کراچی،فروری ۲۰۰۰ء،ص ۲۳۴

۲۶۔عزیز حامد مدنی،جدید اردو شاعری،انجمن ترقی اردو پاکستان،۱۹۹۴ء،حصہ دوم،ص ۴۱۰

۲۷۔خواجہ الطاف حسین حالؔی،مقدمۂ شعر و شاعری،کتب خانہ علم و ادب،دہلی،س۔ن،ص ۳۶

۲۸۔عبدالحلیم ندوی،عربی ادب کی تاریخ،مکتبہ تعمیرِ انسانیت،لاہور،۱۹۸۸ء،ص ۱۲۲

۲۹۔احمد ہمیش،نعت رنگ،شمارہ ۳۰،نعت ریسرچ سینٹر،کراچی،نومبر ۲۰۲۰ء،ص ۵۹۹

نعتیہ تروینی:

۳۰۔ڈاکٹر محمد اشرف کمال،تاریخ اصنافِ نظم و نثر،سٹی بک پوائنٹ،کراچی،۲۰۱۷ء،ص ۲۰............بحوالہ:''یہ ہے گلزار''،از حسن رضا عباس،فنون لاہور،جنوری،اپریل ۲۰۰۳ء

۳۱۔ڈاکٹر سلیم اختر،تنقیدی اصطلاحات، سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۱ء،ص ۸۶

۳۲۔شاعر علی شاعر،نعت کے سات رنگ،رنگِ ادب پبلی کیشنز،کراچی،۲۰۲۳ء،ص ۱۲۴

۳۳۔شفیق احمد شفیقؔ،مدحتِ خیر الوریٰ،رنگِ ادب پبلی کیشنز،کراچی،۲۰۱۶ء،ص ۱۲۳

ہائیکو میں نعتیہ متون:

۳۴۔نعت رنگ،شمارہ ۳،نعت ریسرچ سینٹر،کراچی،ستمبر ۱۹۹۶ء،ص ۲۷۶

۳۵۔شاعر علی شاعر،نعت کے سات رنگ،رنگِ ادب پبلی کیشنز،کراچی،۲۰۲۴ء،ص ۸۸

۳۶۔سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی،سورج نکلا ہے، ھائکو کا مجموعہ، دبستانِ نوابیہ عزیزیہ، قاضی پور شریف، ستمبر ۲۰۱۹ء

نعتیہ قطعات:

۳۷۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی ''کشاف تنقیدی اصطلاحات''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۳

۳۸۔شاہد الوری، نعت رنگ، شمارہ ۳۰، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، نومبر ۲۰۲۰ء، ص ۵۸۱۔۵۸۳

۳۹۔خیال آفاقی، یا سیدی، کراچی

۴۰۔قمر وارثی، قطعات کے تین رنگ، دبستانِ وارثیہ، کراچی ۲۰۲۲ء

۴۱۔جُنید نسیم سیٹھی، ثنا نژاد، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، ستمبر ۲۰۲۱ء، ص ۱۵۸۔۱۵۹

سی حرفی کا نعتیہ متن:

۴۲۔ابولاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول، جولائی ۱۹۸۵ء، ص ۱۰۶

۴۳۔حفیظ تائب، کلیاتِ حفیظ تائب، القمر انٹر پرائزز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۴۷

۴۴۔نعت رنگ، شمارہ ۳۰، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، نومبر ۲۰۲۰ء

نعتیہ دوہے:

۴۵۔شاعر علی شاعر، حمد کے سات رنگ، رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۲۳ء، ص ۱۴۶

۴۶۔ایضاً ص ۱۴۶

۴۷۔یاور وارثی نوابی، ''وادیٔ ماہ [دوہوں کا مجموعہ]''، دبستانِ نوابیہ عزیزیہ پبلیکیشنز، کانپور (بھارت)، ۲۰۲۳ء،

۴۸۔خیام العصر محسن اعظم ملیح آبادی، دوہا آرام، جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۸ء

نعتیہ ثلاثی:

۴۹۔نعت کے سات رنگ، رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۲۳ء ص ۳۰

نعتیہ سانیٹ:

(Oxford Dictionary of Literary Terms, University Peress, United Kingdom) (۵۰)

۵۱۔ڈاکٹر سلیم اختر، تنقیدی اصطلاحات، توضیحی لغت، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۶۱

۵۲۔علیم صبا نویدی......ڈاکٹر افضال احمد انور، اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ، غیر مطبوعہ، ص ۳۳۴

۵۳۔نعتیہ شاعری میں سانیٹ کی روایت، صبیح رحمانی، مشمولہ: اوج ،نعت نمبر، مرتبہ: آفتاب نقوی، جلد۲، گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور، ۹۳و۹۳۔۱۹۹۲ء،ص۱۱۹

۵۴۔عارف منصور، سید المبشرینﷺ، مرتبہ: شیر افگن خان جوہر، جوہر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ملتان، ۲۰۰۳ء

۵۵۔تنویر پھول،نعت رنگ،شمارہ۱۱، مارچ۲۰۰۱ء،ص۳۵۷

نعتیہ گیت:

۵۶۔ڈاکٹر گیان چند، ادبی اصناف، گجرات اردو اکادمی، گاندھی نگر، احمد آباد، ۱۹۸۹ء،ص۸۸

۵۷۔حفیظ تائب،کلیاتِ حفیظ تائب،القمر انٹر پرائزز، لاہور،ستمبر۲۰۱۷ء،ص۹۲۵

نعتیہ ماہیے:

۵۸۔ڈاکٹر سلیم اختر،تنقیدی اصطلاحات،توضیحی لغت،سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور،۲۰۱۱ء،ص۲۳۲

۵۹۔شاعر علی شاعر،حمد کے سات رنگ، رنگِ ادب، کراچی،۲۰۲۳

۶۰۔شاعر علی شاعر،نعت کے سات رنگ،ص۱۰۲

نعتیہ قصائد:

۶۱۔ڈاکٹر ابو محمد سحؔر، قصیدہ،صنفِ سخن کی حیثیت سے،مشمولہ : نگارِ پاکستان، اصنافِ شاعری نمبر،نومبر و دسمبر، سالنامہ۱۹۶۷ء، کراچی،ص۱۵۰

۶۲۔ایضاً ص۱۵۵

۶۳۔سرو سہارنپوری، زخمۂ دل، القمر انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور،۲۰۰۴ء

۶۴۔فدا خالدی،م۔ص،کلیاتِ فدؔا خالدی،ص۱۸۰

۶۵۔خالد علیم،اَوصاف، کارواں پبلی کیشنز، لاہور، اکتوبر۲۰۲۴ء،ص۱۹۸۔نعت کائنات،ص۵۵۲

مسدّس:

۶۶۔رحمان کیانی،،اذان، رحمان کیانی میموریل سوسائٹی، کراچی، اشاعتِ دوم:۲۰۱۳ء،ص۲۹)(۱۰۷)(۲)

۶۷۔کلیاتِ فدؔا خالدی، مرتبہ: ڈاکٹر عزیز احسن، رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی، مارچ۲۰۲۳ء،ص۱۶۲

رباعی میں نعتیہ متون:

۶۸۔مولوی نجم الغنی رامپوری، بحر الفصاحت، حصہ اول، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۱۷
۶۹۔ڈاکٹر سلیم اختر، تنقیدی اصطلاحات، ص ۱۳۶
۷۰۔بشیر رزمی، مشمولہ، حمد و نعت کے معنیاتی زاویئے، ڈاکٹر عزیز احسن، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ، مطابق: مئی ۲۰۱۸ء، ص ۹۵
۷۱۔ریاض احمد پرواز، تہجد سے ذرا پہلے، (نعتیہ رباعیات)، نعت اکادمی فیصل آباد، دسمبر ۲۰۲۲ء

☆☆☆

آزاد نظم میں نعت

اردو، دنیائے سخن میں، ایک طویل عرصے تک، کلاسیکی ہیئتی اصناف کی پابندی جاری رہی جس کی وجہ سے تخلیقی ادب کی فضا میں ایک گھٹن محسوس کی جاتی تھی۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کی تحقیق کے مطابق اردو کا پہلا شاعر ملّا داؤد ہے، جس نے مثنوی چندائن ۷۸۱ھ۔ ۱۳۷۹ء میں بعہد فیروز شاہ تغلق، تصنیف کی تھی، اس مثنوی میں حمد و نعت کے اشعار تھے۔ (۱)

فخر دین نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کا زمانۂ تصنیف ۸۲۵ھ۔ ۱۴۲۱ء، تا ۸۳۹ھ۔ ۱۴۳۵ء ہے۔ اس میں بھی حمد و نعت کے اشعار شامل تھے۔ (۲)

اردو شاعری کا تمام سرمایہ مثنوی، قصیدہ، مسدس، مثمن، مسمط، فرد، قطعہ، رباعی، مستزاد، مسبع، مخمس، تخمیس، ترکیب بند، ترجیع بند اور غزل کی ہیئتی اصناف کا مرہونِ منت رہا۔ ان تمام اصناف میں قافیہ ردیف کی پابندیوں کے باعث، فکری پرواز کو کوئی بسیط فضا مُیسر نہیں آتی تھی۔ غالب جیسے قادرالکلام شاعر کو اس جکڑ بندی کے تخلیقی ماحول سے شکایت پیدا ہوئی تو وہ کہہ اٹھا:

بہ قدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل — کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

غلام رسول مہؔر نے اس شعر کی شرح بیان کرتے ہوئے اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے: (غالب کا کہنا ہے):

''میں جو مضامین اس زمین میں لانا چاہتا ہوں، انھیں اپنے شوق اور خواہش کے مطابق غزل میں نہیں لاسکتا۔ مطالب کا تقاضا یہ ہے کہ میرے بیان میں کسی قدر وسعت پیدا ہو جائے'' (۳)

ناصر دہلوی نے شرحِ دیوانِ غالب میں لکھا ہے:

''[فرماتے ہیں] میرے ذوقِ شاعری کے لیے غزل کا میدان تنگ ہے۔ میں جو کچھ اور جس قدر کہنا چاہتا ہوں اس کے لیے بہت بڑی وسیع زمین درکار ہے'' (۴)

حالی نے، غالبؔ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے مقدمۂ شعر و شاعری میں لکھا تھا:

''یورپ میں آج کل بلینک ورس یعنی غیر مقفٰے نظم کا بہ نسبت مقفٰے کے زیادہ رواج

ہے.............قافیہ اور خاص کر ایسا جیسا کہ شعرائے عجم نے اس کو نہایت سخت قیدوں سے جکڑ بند کر دیا ہے اور پھر ردیف اضافہ فرمائی ہے۔شاعر کو بلاشبہ اُس کے فرائض ادا کرنے سے باز رکھتا ہے۔جس طرح صنائع لفظی کی پابندی معنی کا خون کر دیتی ہے، اسی طرح بل کہ اس سے بہت زیادہ قافیہ کی قید ادائے مطلب میں خلل انداز ہوتی ہے۔شاعر کو بجائے اس کے کہ اول اپنے ذہن میں ایک خیال کو ترتیب دے کر اُس کے لیے الفاظ مہیا کرے، سب سے پہلے قافیہ تجویز کرنا پڑتا ہے اور پھر اس کے مناسب کوئی خیال ترتیب دے کر اس کے ادا کرنے کے لیے ایسے الفاظ مہیا کیے جاتے ہیں جن کا سب سے اخیر جزو، قافیۂ مجوزہ قرار پائے''(۵)

ایڈورڈ اسٹورر (Edward Storer..1880-1944) اور ٹی۔ای۔ہیوم (T.E. Hulme..1883-1917) دونوں انگریز لکھاری ہیں۔آزاد نظم کی وکالت کرتے ہوئے ان دونوں نے حالیؔ سے ملتی جلتی رائے دی تھی:

''عروضی اوزان جیسی چیزیں محض ذریعہ ہیں مقصد نہیں۔جو بچکانہ غیر معقولیت اور غیر ضروری تکرار کی حامل ہوتی ہیں''

(ایڈورڈ اسٹورر Edward Storer)(۶)

''عروضی شاعری پر میرا اعتراض یہ ہے کہ وہ لوگ جنھیں نہ تو شعری فیضان حاصل ہے اور نہ جن کے دماغ میں نئے پیکر وں کا ذخیرہ ہوتا ہے وہ بھی شاعری کرنے کے مجاز ہوتے ہیں''(Hulme)(۷)

پروفیسر عتیق اللہ لکھتے ہیں:

''گویا ہیوم اور اسٹورر، نظم کی آزاد ہیئت پر اس لیے زور دیتے ہیں کہ پابند ہیئت محض ایک منصوبے کی حامل ہوتی ہے۔جس نے تقطیع اور عروض پر مسلسل مشق کے بعد مہارت حاصل کر لی ہو وہ بھی چند خیالات اور موضوعات کو کسی تکنیکی ڈھانچے میں ڈھال سکتا ہے۔خواہ وہ مناسب خلاّقانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو یا نہ ہو''۔(۸)

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتداء میں فرانس کے شاعر والٹ وہائٹ مان (Walt Whitman) نے آزاد نظم لکھی۔یہ نظم، کسی عروضی پیمانے کی پابند نہیں ہوتی، خیال کی رَو کے ساتھ ساتھ اپنا اظہاری ڈھانچہ خود بناتی ہے۔اس طرح شاعر، قافیہ اور ردیف کی پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے۔

شعری اصناف کے ظرف کی تنگی کے احساس نے جہاں حالی سے مقدمہ لکھوایا، وہیں بعد کے تجربہ پسند شعرا نے مغرب کی پیروی میں وزن و قافیہ کی قید سے آزاد شعری مرقعے تیار کرنا شروع کر دیے۔ نظمِ معرا اور آزاد نظموں میں اپنے فکری متون کو شعری پیکر دینے کا رواج ہوا۔ آزاد نظم لکھی جانے لگی تو اس کی نزاکتوں کا بھی ذکر ہوا۔ چناں چہ آلِ احمد سرور نے لکھا:

''ڈی۔ ایچ۔ لارنس نے کہا ہے کہ آزاد نظم، پابند نظم سے زیادہ مشکل ہے اور مکمل طور پر آزاد بھی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ارتکازِ خیال کی وجہ سے زبان میں بھرتی کے لفظوں کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فن کا رکو اونگھنے کا موقع نہیں اور ہر وقت ذہنی طور پر بیدار رہنا اس کے لیے اشد ضروری ہے۔ آزاد نظم میں ہر لفظ کا جواز ہونا چاہیے۔''(۹)

محققین کے بقول ڈاکٹر تصدق حسین خالد نے ۱۹۲۶ء میں (۱۴۳۵ء تا ۱۹۲۶ء تقریباً پانچ صدیوں بعد) آزاد نظم کو بطور فن، اردو میں متعارف کروایا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں ن۔م۔ راشد نے اس ہیئت کو اپنایا، پھر میرا جی نے آزاد نظم لکھ کر اس کی ہیئت میں دلکشی پیدا کر دی۔

ڈاکٹر حنیف کیفی لکھتے ہیں:

''انگریزی شاعری میں "Verse Libre" یا اس کے لفظی ترجمہ "Free Verse" کا اطلاق نظم کی اس قسم پر کیا جاتا ہے جس کی تشکیل عروض کے قدیم اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسے غیر مساوی مصرعوں سے کی جاتی ہے جن میں یا تو مختلف اوزان کا امتزاج پایا جاتا ہے یا جو وزن و بحر سے یکسر عاری ہوتے ہیں اور یہ مصرعے عموماً بے قافیہ ہوتے ہیں''۔(۱۰)

نظم کا ایک معتبر اور مشاق شاعر اختر الایمان ایک جگہ لکھتا ہے:

''نظم لفظوں تک تو محدود نہیں ہوتی۔ اس سے کہیں آگے تک ہوتی ہے۔ لغوی اور اصطلاحی معنوں کے علاوہ لفظوں کی تہہ داری ایسا پھیلا ہوا عمل ہے، اس کی وضاحت کرو تو بچکانہ پن محسوس ہونے لگتا ہے۔ اور پڑھنے والے کا ذہن وہاں تک نہ پہنچے تو نظم اپنا بھرپور مفہوم گنوا دیتی ہے۔ ایمائیت، علامیّہ، لفظی تصویر میں داستانوں سے ربط اور پھر ان داستانوں کا پھیلاؤ ہفت خواں طے کرنے والی بات ہوتی ہے۔''(۱۰۔الف)

کشاف تنقیدی اصطلاحات کے مرتب ابوالاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

''یہ سوچنا غلط ہوگا کہ نظمِ معرا یا نظمِ آزاد، پابندیوں سے بچنے کے لیے سہل انگار شعرا کی سہولت طلبی

کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ نظمِ آزاد اور نظمِ معرا لکھنے والے شعرا نے اگر ایک طرف بعض پابندیوں سے انحراف کر کے کچھ سہولتیں حاصل کر لی ہیں تو دوسری طرف انھوں نے اس قسم کی نئی شاعری کا وقار بلند کرنے (اور اس کا جواز ثابت کرنے) کے لیے شعر کے بعض ایسے پہلوؤں پر زور بھی دیا ہے جن کی جانب قدیم اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرنے والے شاعر کم توجہ دیتے تھے''(۱۰۔ب)۔

فی الوقت، چوں کہ نعت کا ذکر مقصود ہے۔ اس لیے اس مقالے میں، آزاد نظم میں نعتیہ متون (Texts) پیش کیے جائیں گے۔

نعت میں زیادہ تر روایتی ہیئتوں میں شاعری ہوتی رہی ہے۔ شروع شروع میں، جدید اصناف کو اپنانے والے شعرا کی بڑی تعداد، تقدیسی متون سے گریزاں تھی۔ ترقی پسند شعرا کا بیشتر تخلیقی ادب سکیولر (Secular) اساس تھا۔ بہر حال پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انھیں تقدیسی ادب گریز روش پر، پشیمانی ہوئی اور انھوں نے زبانِ حال سے کہا:

سوچا تو ہم ہیں کب سے اساطیر کے اسیر اک عمر سے ہے جہل پہ اپنے گمانِ علم (حمایت علی شاعر)(۱۱)

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ احمد ندیم قاسمی، عارف عبدالمتین، حمایت علی شاعر، سرشار صدیقی اور جمیل ملک جیسے شعرا کے تو نعتیہ مجموعے بھی منظرِ عام پر آ گئے اور دیگر ترقی پسند شعرا نے نعتیہ شاعری میں بڑے خوبصورت اضافے کیے۔ فیض احمد فیض نے، بقول انھی کے، اپنی غزلوں میں جا بجا نعتیہ متون تخلیق کیے تھے۔ پھر بھی اردو میں کوئی نعت نہیں لکھی تھی۔ تاہم آخری عمر میں فارسی کی ایک شاہکار نعت لکھ کر وہ امر ہو گئے۔ فراق گورکھپوری، بیدل حیدری، عرش صدیقی، فارغ بخاری، احمد فراز، سبطِ علی صبا، سحر انصاری، جوش ملیح آبادی اور ظہور نظر نے بھی نعتیہ متون سے اپنے اپنے شعری نگار خانے سجائے۔

شروع شروع میں تقدیسی ادب کی طرف مائل شعرا کی شاعری میں جذبے کی سچائی، اظہار کی سادگی اور کسی حد تک شرعی وقوف کی جھلک تو نظر آتی تھی لیکن ان کی تخلیقات میں فنی لوازم کا فقدان تھا۔ تاہم جب شعرا نے فنی تقاضوں کی روشنی میں نعتیہ شاعری کی، اور جدید ہیئتی اصناف اپنانے کا میلان عام ہوا تو آزاد نظم میں بھی نعتیہ متون (Texts) کی بنت کے انداز سامنے آنے لگے۔ ہم یہاں آزاد نظم میں نعت کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

تو کہ موضوعِ مزامیرِ زبور.................تری توصیف کا کس ابنِ بشر کو مقدور؟
عجزِ اظہار و بیاں کا کرے اقرار زباں.................جو تری شان کے شایاں ہوں وہ الفاظ کہاں؟
تری تصویر کشی سے معذور.................فانی انسان کا فن.................اے خداوندِ سخن!
ہوا دا جس سے ترا زمزمہ وہ ساز کہاں؟.................طلع البدرُ علینا کی وہ آواز کہاں؟
کعب وحسان کا وہ سرمدی انداز کہاں؟.................نطق کا قافیہ سر منزلِ معنی میں ہے تنگ
کوئی محرومی سی محرومی ہے؟.................ترے دربار میں دارائی بھی محکومی ہے
آستانے پہ ترے خاک بسر، برہنہ تن.................کجکلاہانِ اقالیم وسلاطینِ زمن
اس سراپردہ ءوحشت میں مرا کیا مذکور؟.................میں مدائن تو مدینہ، میں خرابہ تو چمن
میں اندھیرا تو اجالا، تو امیں میں ایمن.................میں تشکک تو تیقن، تو موحد میں شمن
تو طمانیت وتسکیں میں مباہات ومحن.................تو مبین ومتبسم میں عَبوس واَلکن
مرا افلاسِ تخیل، مری ناداریِ فن.................ترے دربار میں کس منہ سے کرے عرضِ سخن؟
یہ مرے دل کی لگن یہ مرے سینے کی امنگ.................اترے کیسے مرے نغمے میں ترا لحنِ قشنگ
ترے کردار کی خوشبو، تری گفتار کا رنگ؟.................بم وزیر اس کا ہے کاذب، غلط اس کا آہنگ
ترے اوصاف وشمائل کے تنوع پہ ہوں دنگ.................جو مرے دل میں ہے کیوں کر ہو بیاں؟
پیکرِ حرف میں کس طور ڈھلے جذبِ نہاں؟......اب بتائے گی تجھے صبحِ ابد ہی تنہا
اے حبیبِ دلجو!.........کتنا محبوب ہے تو......کی گئی تیری ستائش، تری مدحت کتنی
آیتِ گلبدنی.........اے رسولِ مدنی! (۱۲)

عبدالعزیز خالد نے اس طویل نظم میں آزاد اور پابند مصرعے لگا کر خیال وفکر کو تخلیقی اسلوب میں نظمانے کا قابلِ تحسین تجربہ کیا ہے۔ اس ایک نظم سے ہی یہ حقیقت روشن ہوگئی، کہ نعتیہ شاعری کو ادبی اسلوب میں لکھنے سے موضوع کی تقدیسی شان کے ساتھ ساتھ ادبی کشش کا سامان بھی ہو جاتا ہے۔ چند مزید نمونے ملاحظہ ہوں:

تمام دنیاؤں، سب جہانوں میں آپ ﷺ سے بڑھ کر.........کوئی پیارا نہیں خدا کا
کوئی دلارا نہیں خدا کا.........خدا سے کہیے!.........خدارا، اپنے بزرگ وبرتر خدا سے کہیے!
کہ ہم کو پھر سے آپ ﷺ کے دین پہ.........آپ ﷺ کے نقش پا پہ چلنے کی استقامت دے

استقامت دے..............حوصلہ دے! (ظہور
نظر)(۱۳)
انسان ہیں وہ بھی مگر..........رحمت نَفَس، خیر البشرؐ.......... ہر ذی نَفَس کے واسطے..........اُن
کی دعائیں رات بھر.......... ہر ظلم کی یلغار میں..........سب کے لیے سینہ سِپر .... ہر اک
قدم رفتار میں..........صدیوں کا تہذیبی سفر..........انسان ہیں وہ بھی مگر..........انسانیت
کے واسطے..........اک دائمی منشور ہیں..........وہ آسماں کا نور ہیں..........جو خاک سے پیدا
ہوا..........وہ آفتابِ روح..........جو ادراک سے پیدا ہوا..........علمِ حقیقی..........جن کے
اِسمِ پاک سے پیدا ہوا..........جو روشنی ہیں سر بسر..........انسان ہیں وہ بھی مگر..........اُن کا
نشاں..........رَمزِ حیات..........اُن کا پتا..........اسرارِ ذات..........اُن کا زمانہ..........
جاوداں..........اُن کا ٹھکانہ..........شش جہات..........اُن کا قدم..........نقشِ
حرم..........اُن کا کرم..........بابِ نجات..........اُن کا جریدہ..........زندگی..........اُن کا
قصیدہ کائنات..........عرشِ بریں..........اُنؐ کے قریں..........افلاک..........اُن کی رہ
گزر (انسان ہیں وہ بھی، مگر، (شبنم رومانی)(۱۴)
تیری آواز تھی روشنی کا سفر.......... برف پگھلی تو سورج چمکنے لگا..........تو نے صحرا کی اڑتی ہوئی
ریت کے درمیاں.......... بے چراغاں زمینوں پہ گھر رکھ دیئے..........تیری چھاؤں میں زخمی
بدن آگئے..........تو نے دریا میں پیاسے شجر رکھ دیئے.......... (لوحِ جاں.....
جاذب قریشی)(۱۵)
اس ﷺ کا پیغام..............قل العفو کہ سب بانٹ کے کھائیں، پہنیں
کوئی بھوکا نہ رہے، کوئی برہنہ بھی نہ ہو..............ایک بھائی سے کسی بھائی کو ایذا نہ ملے
آج میں سوچتا ہوں، دیکھتا ہوں، سوچتا ہوں..............روشنی پاس ہے، ہم پھر بھی ہیں ظلمت
کے اسیر..........ہم ترا نام تو لیتے ہیں مگر تیرا پیام..........کس قدر پیار سے طاقوں پہ سجا رکھا ہے
(شام.....محمود شام)(۱۶)
شفیق آقا ﷺ.....سبھی زمانوں پہ تیری رحمت کے ابر پارے..........تمام رستوں پہ تیرے لفظوں
کے دیپ روشن.......... ہر ایک لمحے میں تیرے لہجے کا لوچ نکھرے..........تجھی سے نسبت

بشارتوں کا جواز ٹھہری..........تری شبوں کا گداز نور سحر کا ضامن..................تری دعائیں
اداس لمحوں میں زرد بچوں کو گود لیتی شفیق مائیں (شفیق آقا ﷺ......محمد فیروز شاہ)(۱۷)

رسول ﷺ اکرم کا نامِ نامی..................وہ کلکِ فطرت کا حرفِ اول..............بنا جو عنواں
کتابِ کُن کا..........حضور کی ہستیِ گرامی..........ہے ممکناتِ جہاں کا جوہر......جوازِ لوح و قلم
انھی سے......وجود انھی سے..........عدم انھی سے..........اگر نہ ہوتے مرے
پیمبر ﷺ..........تو نقشِ امکاں ابھر نہ سکتا......نہ یہ عناصر کا میل ہوتا..........نہ کھیل ہوتا یہ روز و
شب کا..............سلام اس آیہءِ مبیں پر (حفیظ تائب)(۱۸)

بقولِ جابر، کہا یہ پیغمبر خدا نے..........کہ نور میرا ہی سب سے پہلے..........خدائے قدوس نے
بنایا..........نہ جانے کب تک وہ نورِ اوّل رہا ہمکتا..........جہانِ بالا میں..........اپنے خلّاق کی
رضا سے..........کوئی بھی شے اُس گھڑی نہیں تھی..........نہ لوحِ محفوظ تھی، نہ کرسی..........نہ
عرش تھا اور نہ بحر و بر تھے..........نہ تھی بہشتِ بریں، نہ دوزخ..........نہ تھے فرشتے، نہ جن و
آدم..........وہ نورِ رحمت ظہور سے پہلے ضوفشاں تھا......سلام اُس نورِ اولیں پر
(حفیظ تائب)(۱۹)

بروزِ میثاق..........ذاتِ باری نے..........عہد نبیوں سے یہ لیا تھا..........کریں گے تائید وہ
سب ان کی..........جو سب سے آخر میں آنے والے ہیں اِس جہاں میں..........وہی جو
مصداقِ آرزوئے خلیل بھی ہیں..........کلیم جن کے بنے منادی..........مسیح جن کے بنے مبشر
..........سلام مبعوثِ آخریں پر (حفیظ تائب)(۲۰)

یہ دن وہ دن ہے......جس کے واسطے خالقِ جہاں نے......عدم کو نقشِ وجود بخشا..........نفی کو
اِثبات..........اور اخفا کو اعتبارِ نمود بخشا..........جو غیب تھا..........اُس کو حکمِ کُن سے شہود
بخشا..........رکوع کو سرفرازیاں دیں..........قیام کو استقامتِ عبدیت عطا کی..........جبیں کو
ذوقِ سجود بخشا.................یہ دن وہ دن ہے..............کہ وجہِ تخلیقِ دو جہاں ﷺ کا ورود
ہوا..........ورود ہوگا..........تو ہم سے بے راہ کم عقیدہ..........گناہ گاروں کا ذکر ہی کیا
..........کہ انبیاء اُن ﷺ کے خیر مقدم کو..........صف بہ صف ایستادہ ہوں گے..........اور اُن کے
لب پر درود ہوگا..........سلام ہوگا..........سلام اُن ﷺ پر..........درود اُن ﷺ پر..........فدا ہمارا

وجود اُنؐ پر............(سرشار صدیقی)(۲۱)

وہ میرا آقاؐ......عظیم و برتر............نہ اس کا ثانی......نہ اس کا ہم سر............میں اس کی مدحت کروں تو کیسے............کہ اس کی عظمت کو چھونے والا......نہ لفظ کوئی......نہ حرف کوئی ....کہاں سے لاؤں وہ حرف ایسے کہ جن کو جوڑوں............تو لفظ ایسا وجود پائے...... جو میرے آقاؐ کی رفعتوں کی طرف ذرا سا اشارہ کردے............جو میرے دامانِ شاعری کو کرن کرن روشنی سے بھر دے......کہاں سے لاؤں میں لفظ ایسے............جو اس کی مدح و ثنا میں لکھوں............مرے خدایا!............میں تجھ سے الفاظ مانگتا ہوں............مرے خدایا! مری عقیدت کے واسطے سے............مجھے وہ الفاظ بخش دے تو............جو میرے آقاؐ کی نعت بھی ہوں............جو میری وجہِ نجات بھی ہوں (اطہر نفیس)(۲۲)

کم سِنوں میں......سب سے پہلے......ایک بچے نے کہا............آپ کے دامن میں گلزارِ رسالت کے ہیں پھول............عورتوں میں سب سے پہلے............ایک بی بی نے کہا ....آپ کا اعلانِ حق ہے دیدہ و دِل سے قبول............اور بزرگوں کی صفوں میں سب سے پہلے اک بزرگ............آپ پر ایمان لائے اور کہا ....یا محمد ﷺ! آپ ہیں بے شک رسولؐ............آپ پر ایمان لائے ابتداء میں صرف تین............ان گواہوں کی طرح ....دے رہے ہیں جو گواہی آپ کی............وہ بھی ہیں گنتی میں تین............آسماں، جبریلؑ، قرآنِ مبین............(صہبا اختر، تین گواہ) (۲۳)

اے شفیع المذنبیں ....آپ ہی ہیں مرکزِ دنیا و دیں............ہم جہاں پیدا ہوئے ہیں اِس بساطِ خاک پر............وہ ہمارے واسطے ہے صرف جسموں کا وطن............پھر بھی روحوں کا ہماری مسکنِ اعلیٰ حضورؐ............اُس مدینے کے سوا کوئی نہیں............جس کی کنجِ خاک میں ....آپ ہیں گوشہ نشیں (صہبا اختر)(۲۴)

جب کبھی دشت طلب، شہر اسیران وفا............ابرِ کرم کو ترسا............اے سمندر کے سکوں تو بھی گواہی دے گا............کہ سرابوں کو نہ تھا............تشنہ لبی کا شکوہ............اس طرح ان کی عنایات کا............بادل برسا (دشت طلب......سعید وارثی)(۲۵)

آسماں رنگوں کی آمیزش بدلتا جا رہا ہے............پہاڑوں کے بہت سے سلسلوں کے بیچ لمبے راستے

پر............ہوا نے ہلکی بارش سے وہ چھڑکاؤ کیا ہے............کہ ذہن و دل ابھی سے
خوش بوئے خاکِ مدینہ سے معطر ہو گئے ہیں............ابھی تو وہ مقام آیا نہیں ہے
جہاں میرے نبی ﷺ کا جسم اطہر............سراپا نور و نکہت بن کے صدیوں سے ابھی تک
دو عالم پر کرم فرما رہا ہے (اذن سفر......وضاحت نسیم)(۲۶)

اور یہ خوش بو بکھرتی رہی قریہ قریہ............اور افق تا بہ افق............سیل صدا، موج صبا بن کے بڑھا
اس ﷺ کے ہونٹوں سے کھلے لفظ............شعاؤں جیسے............جاگتی، بولتی، زندہ سوچیں
ذہن انساں میں اٹھانے لگیں طوفان نئے............ایسے طوفان............کہ بت سارے زمیں
بوس ہوئے............(احمد صغیر صدیقی)(۲۷)

برہنہ پا قافلے بیابانِ بے اماں میں............بھٹک رہے تھے، بھٹک رہے تھے
نہ کوئی چشمہ، نہ کوئی سایہ نہ کوئی زادِ سفر رہا تھا............بشر کہ مر مر کے جی رہا تھا، بشر کہ جی جی کے مر
رہا تھا............عجیب آشوبِ حشر آثار چھا رہا تھا............بشر خود اپنی ہی آگ میں کسمسا رہا
تھا......کہ دفعتاً پو پھٹی............کہ شہر بطحا کی ریگ در ریگ سرزمیں پر............بسیط فاراں کی
چوٹیوں سے............طلوع مہر منیر و انور کے ساتھ ہی تابشوں کے سیل ہزار پہلو نکل کے لپکے
(میلاد حضور ﷺ......تحسین فراقی)(۲۸)

وہ اک مشعل کہ جس نے آندھیوں میں روشنی کی ہے............وہی آنکھوں میں بجھتے آنسوؤں کی
شبنمی چادر............لبوں سے پھوٹتی روشن پھواریں نرم حرفوں کی............گلیمِ درد پوش ایسی
............کہ جس میں تہہ بہ تہہ............محراب زخموں کے............وہ جس کے نام............ہر موسم
چمکتے جگنوؤں کے ساتھ اڑنے کا............لگن سی پانیوں پر تیرتے روشن دریچوں
کی............مصائب کے سمندر میں بھی............جس کے اپنے لوگوں کے یقینوں میں جزیرے
سے امنگوں کے............مہمات اس کے ہاں............تقدیر کے الواح پہ سرمے کی تحریریں
............وہ سینہ جس میں روشن آہیں ہیں پاسداری کی............ہمیں ہر دم
اسی مینار کی ضوافگنی سے راستے لینا............ہر اک گدلائے موسم میں............اسی عرض البلد کو
بادلوں سے جھکتے جاتے آسماں میں............اپنی قسمت کے اسی تارے کو تکنا............دیکھتے رہنا
اسی کی دید سے تقویم ہوتے ہیں بھلے لمحے............اسی کے نام سے آنکھوں میں ٹھہریں نقش

جلوے کے..........کوئی محراب کا نقشہ پرانے آسمانوں میں..........وہ جس سے اک نئی تہذیب ابھری سار بانوں میں..........وہ طوفاں..........جس کی کروٹ سے نئے امکان بنتے ہیں ....وہ اک ترتیب جس سے آدمی انسان بنتے ہیں..........ہماری زندگی کا راز جس پر آشکارا ہے..........وہی روشن ستارہ تو ہمارا استعارہ ہے (احسان اکبر)(۲۹)

زمیں سانس لینے سے گھبرا رہی تھی..........ستاروں کا تنہائیوں کی مقفل فضاؤں میں دم گُھٹ رہا تھا..........بہت ہی گُھٹن تھی..........اچانک سیہ اونگھتے آسماں سے..........زمیں پر سنہرا سنہرا بدن آ کے اترا..........کہ جس کی ضیا سے مقدس ترنم کی آواز گونجی..........سیہ رات نے اپنی زلفیں سمیٹیں..........سہانے مناظر نے انگڑائیاں لیں..........درختوں کی شاخوں نے گردن اٹھا کر مقدس اجالوں کی دستار چُومی..........پہاڑوں کی پتھریلی پیشانیوں سے..........اترتی ہوئی آبشاروں نے اپنی زباں سے..........نئی روشنی کا..........کیا خیر مقدم! (خیر مقدم، انجم نیازی)(۳۰)

اگر وہ سورج نہ مسکراتا..........جہانِ امکاں میں تیرگی کو خراج ملتا..........خموشیوں کا نصاب ہوتا ہر ایک نظّارہ، خواب ہوتا..........سحر نکھرتی، نہ پھول کھلتے، نہ عندلیبوں کو راگ ملتے نہ فاختاؤں کا خون پرواز کی امنگوں سے جوش کھاتا..........جمود ہوتا.....افق افق پر جو روشنی ہے جہت جہت میں یہ رنگ و بو کی جو ساحری ہے..........یہ قریہ قریہ و دشت و کوہ و گلشن میں، ساحلوں پر، سمندروں میں..........جو زندگی ہے جو بانکپن ہے، جو تازگی ہے، جو سرخوشی ہے..........نظر کو اشیاء کی آگہی ہے.....اُس ایک سورج کا معجزہ ہے!

(اگر وہ سورج نہ مسکراتا، سیف اللہ خالد)(۳۱)

ازل سے ہے تو رواں سفر پر..........ہبوطِ آدم تری مسافت کا نقشِ اول قرار پایا
کبھی تو طوفانِ نوحؑ بن کر جہاں کی تطہیر کی نہایت میں ڈھل گیا ہے
کبھی براہیمؑ کے حوالے سے تجھ پہ بیتِ خدا کی تعمیر کا حسیں مرحلہ بھی گزرا
کبھی تو فرزندیوں کے آدابِ روح فرسا کی ایسی منزل سے ہنس کے آگے نکل گیا ہے
جسے زمانہ ذبیحہء بے مثال کہہ کر پکارتا ہے..........کبھی تو پدرانہ شفقتوں کے مراحلِ دل گداز پر یوں ہوا ہے حاوی..........کہ تیرے صبرِ جمیل نے اس پسر کی مرگِ مہیب کی بے اماں خبر کا عذاب

جھیلا............کہ جس کے پیکر کا حسن بازارِ مصر میں تیرے روپ کا اک کرشمہ بن کر بِکا
تو تیری مسافرت نے نئی طرح کا فروغ پایا............صلیب کی رفعتوں کو چھو کر کبھی تجھے اپنی جادہ
پیمائیوں کا وہ اوج ہاتھ آیا............کہ جس نے مریم کی بے گناہی کے رابطے سے بشر کی تقدیس کو
بڑھایا............کبھی حرا کا قیامِ سیال تجھ سے وہ گیان دھیان منسوب کر گیا ہے
جو ہر مسافر کے واسطے زادِ راہ ہے اور جس کی خاطر............ازل سے ہے تو رواں سفر پر
سفر کہ جس کی نہایتِ بیکراں ابد ہے! (ابد کا سفر، عارف عبدالمتین)(۳۲)

آپؐ سے ہے محبتوں کا ثبات............ایسے میں آپ ہی کا روشن ہاتھ............میری انگلی کو تھام
لیتا ہے............کتنی شفقت سے میرے کانوں میں............کوئی میرا ابھی نام لیتا ہے
............کرنیں رم جھم برسنے لگتی ہیں............منزلیں راستوں سے جھانکتی ہیں............حوصلے
مور بن کے ناچتے ہیں (ناہید قاسمی، شفقت)(۳۳)

اداسی کے سفر میں جب ہوا رک رک کے چلتی ہے............سوادِ ہجر میں ہر آرزو چپ چاپ جلتی
ہے............کسی نادیدہ غم کا کہر میں لپٹا ہوا سایہ............زمیں تا آسماں پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے
گزرتا وقت بھی ٹھہرا ہوا محسوس ہوتا ہے............تو ایسے میں تری خوشبو
محمد مصطفیٰ ﷺ صل علیٰ کے نام کی خوشبو............دلِ وحشت زدہ کے ہاتھ پر یوں ہاتھ رکھتی ہے
تھکن کا کوہ غم ہٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے............سفر کا راستہ کٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے
(امجد اسلام امجد)(۳۴)

مجھے یقیں ہے............وہ سن رہے ہیں نگاہ خاموش کی صدائیں............دکھوں سے بوجھل مری
نوائیں............وہ جانتے ہیں............ہزار ہا درد و غم کی شمعیں............فسردہ سینوں میں جل
رہی ہیں............یہ جسم و جاں جو شکست خوردہ ہیں سوچتے ہیں............غم و الم کی جو دھوپ پھیلی
ہوئی ہے اس میں............کرم کے بادل سروں پہ اک سائباں بنانے............دیارِ رحمت سے
کیوں نہیں اٹھ سکے ابھی تک............مجھے یقیں ہے............اور اس یقیں پر حیات امروز کا
تسلسل............حیات فردا کی خوش دلی کی طرف رواں ہے............یہ دور جبر و ستم بہت جلد دور
ہوگا............محبتوں کا ظہور ہوگا............کرم نبی کا ضرور ہوگا
(دھوپ میں تلاش سائباں.....صبیح رحمانی)(۳۵)

پہنچ کر یہاں بے اماں موسموں کو اماں مل گئی..........گنگ جذبات کو ایک طُرفہ زباں مل گئی
ہے..........کئی خاک بر سر کڑی دھوپ اوڑھے ہوئے..........سائبانِ کرم میں کھڑے
ہیں..........ندامت میں لپٹے ہوئے کتنے زائر ہیں جو..........دست بستہ حرم میں کھڑے
ہیں..........محبت میں ڈوبے ہوئے بھی ہیں جو..........کتنے طوفاں سمیٹے ہوئے چشمِ نم میں،
کھڑے ہیں..........کئی سائلِ بے نوا جو نبیؐ کے وسیلے سے..........اللہ کی بارگاہِ حَشم میں
کھڑے ہیں..........یہاں نطق صامت ہے خود اعتبارِ سُخن اُٹھ گیا ہے..........اَن کہی بات
پیرایۂ خامشی میں ادا ہو گئی ہے..........دعا موسمِ اشک میں بے صدا ہو گئی ہے..........نگہ بھیگ
کر..........آئینہ ہو گئی ہے! (صحنِ حرمِ نبویؐ میں.....شرف الدین شامی) (۳۶)

فضا خواب گوں ہے..........کوئی خواب پیکر ہوں..........یا پھر کسی عالمِ خواب میں ہوں
..........جہاں میں کبھی تھا..........مگر یہ جہاں وہ نہیں ہے..........زمیں وہ نہیں ہے زماں وہ
نہیں ہے..........سوادِ نظر،..........اِک ہجومِ خلائق..........سلام وتحیّت کی سوغات
لے کر..........محبت کی خوشبو میں مہکا ہوا..........بھیگا بھیگا ہوا سا..........میں بے چہرہ
..........بے ظرف..........بے رنگ وحرف ونوا..........ساری بے نامیاں اوڑھ
کر..........ریزۂ جاں لیے..........کاسۂ دل اُٹھائے ہوئے..........دست بستہ کہیں
..........سب سے پیچھے کھڑا ہوں..........جہاں حاضری کے لیے..........عمر بھر خواب دیکھے
تھے میں نے..........پہنچ کر وہاں خواب سا ہو گیا زہوں!
(بالمواجہ.....شرف الدین شامی) (۳۷)

خدمتِ اقدس میں اذنِ باریابی چاہیے..........میرے دو ہمدم بھی میرے ساتھ ہیں..........
چشمِ گریاں اور قلبِ ناصبور..........اے فروغِ بزمِ اعصار وظہور..........الاماں یہ فتنہ ہائے
افتراق..........یہ ہوائے زہر آگینِ نفاق..........کتنے فرقوں میں بٹی ہے آپ کی امت
حضورﷺ..........کوئی اسم ایسا نہیں دنیا میں آقا جس قدر..........اتحاد آموز ہے اسمِ گرامی آپ
کا..........ہونٹ بھی آپس میں مل جاتے ہیں جس کے ورد سے..........کیوں نہیں آپس میں
ملتے نام لیوا آپﷺ کے..........(انور مسعود) (۳۸)

سوچ کا محور..........وہ اک سراپا..........کہ جس کو سوچوں..........تو دھندلی راہوں کے

پار......اک روشنی کا منبع............اور اس کی کرنوں کی طشتری سے......ہر ایک بھٹکی نگاہ پالے
......ازل سے تا بہ ابد کا رشتہ......وہ اک سراپا............کہ جس کو سوچوں......تو رنگ و خوشبو بکھر سے
جائیں............کنول کھلیں اور گلاب مہکیں............ہوائیں مدحت کے گیت گائیں
............مجھے بتائیں............دورد سے لم یزل کا رشتہ (ڈاکٹر شگفتہ شیریں) (۳۹)

شریکِ سفر، تیز رفتا ناقہ سوارو!......مُہاروں کو روکو!......کجاوؤں سے
اُترو!......کھجوروں کے یہ جھنڈ دیکھو............یہاں سرد پانی کا چشمہ رواں ہے......یہاں چھاؤں
ہے اور مسلسل بہاؤ......کناروں کی مٹی کو نمناک کرتا............خدا جانے کن منزلوں کی طرف جا رہا
ہے......یہاں خوب جی بھر کے سیراب ہو لو............سبھی خالی مشکیزے پانے سے بھر لو......یہاں
سے چلو گے......تو رستے میں اک خشک صحرا پڑے گا............تو پھر کیا کرو گے؟......کھجوروں کے
اس جھنڈ سے......اُس طرف' وہ بہت دُور روشن منارہ............منارے کے پہلو میں وہ سبز گنبد
......ابھی تک نظر آ رہا ہے!......وہ ہر لحظہ تبدیل ہوتا ہوا اخضری رنگ............نورِ سماوات کا مستقر
ہے!......فضا میں فرشتوں کی پرواز کی سرسراہٹ......عجب نغمۂ سرمدی ہے!............کہ جیسے
یہاں......وقت بھی سانس روکے ہوئے چل رہا ہو!......یہ تصویر دل میں سجالو!
اِن انوار سے اپنے سینے کو بھر لو!......یہاں سے چلو گے......تو رستے میں اک دشتِ ظلمت پڑے گا
تو پھر کیا کرو گے؟ (مُراجعت، توصیف تبسم) (۴۰)

مرے غربت کدے میں جب رسول ﷺ اللہ آتے تھے............کبھی وہ گفتگو کرتے............کبھی
وہ نیند کی وادی کو سرافراز بھی کرتے............پسینہ جسمِ اطہر پر چمکتا تھا............میں اُن قطروں کو
اک شیشی میں رکھ کر............کسی خوشبو میں حل کرتی............پسینے سے وہ خوشبو، یوں بدل
جاتی............کہ جیسے خاکِ جنت کے............گل و ریحان کی خوشبو............اُسی شیشی کو اپنا گھر
بنا لیتی (حضرت اُمِ سُلیمؓ کی روایت، ابوالخیر کشفی) (۴۲)

سلام اُس پر کہ وہ ہے صادق، امین (ﷺ) ہے وہ............یقین ہے وہ............دلوں کا مسند
نشین ہے وہ............ہر اک بھکاری ہے اس کے در کا............کہ رحمتِ عالمین (ﷺ) ہے
وہ............جو اس کو مانے وہی حقیقت میں رب کو مانے............وہی عقیدہ ہے، دین ہے وہ
............سلام اُس پر کہ جانفزا ہے بہار جس سے............نکھار جس سے............حیات کا اعتبار

جس سے............ملا جو اس سے، ہوا اُسی کا...........نہیں ہے ممکن فرار جس سے...... پلایا ایسا ہے جام اس نے محبتوں کا......ملا ہے دل کو قرار جس اُس پر، درود جس پر پڑھے خدا بھی............ملائکہ بھی............ ہیں ہاتھ اُس کے اگر رلٰے بھی...........تو اُس کا چہرہ ہے والضحیٰ بھی............سراپا رحمت سراپا شفقت......وہ مجتبیٰ بھی ہے، مصطفیٰ (ﷺ) بھی...... مجھے لگے ہے کہ دیکھے بھالے تھے اُس کے رستے ....وہ آیا بھی عرش سے، گیا بھی...........سلام اُس پر کہ ہے دلوں میں امنگ اُس سے...........ترنگ اُس سے...........ہے گلشنوں میں یہ رنگ اُس سے...........کلام کرتے ہیں سنگ، اس سے.......... ہے نکھرا نکھرا' ہے اُجلا اُجلا..........خوشی کا ہر ایک رنگ، اس سے..........بسا ہے جب دھڑکنوں میں اسمِ حسین اس کا ....دلوں کا اترا ہے زنگ اس سے...........سلام اُس پر کہ نورِ توحید جس سے پھوٹا...........وہ نور پھوٹا...........کہ ظلمتوں کا خیال چھوٹا...........سراب سے دل کا ربط ٹوٹا...........ہوئی ہے رحمت کی ایسی بارش...........نکھر گیا جس سے بوٹا بوٹا..........وہ جس نے آ کر کلام ایسا سنایا جگ کو...........مُشاعرہ زندگی کا لُوٹا (وہ نور پھوٹا، حنیف نازشؔ قادری) (۴۳)

کیا حسیں گنبد و محراب ہیں لیکن مرا دل ....ڈھونڈتا ہے وہی مٹّی کے مکاں ....چھت پہ وہی عودِ نخیل ....اور دروازوں پہ حُجروں کے ....سیہ اُون کے موٹے پردے...........ڈالنا چاہتا ہوں سر پہ وہی خاکِ ریاضِ جنّت ....پہ بہ پہ جس میں وہ تابندہ قدم آتے تھے...............ہائے وہ سادہ سا منبر ہے کہاں ....رشک سے جس کے ہوئی گریہ کُناں حنّانہ ....میرا دل صورتِ غربال ہے...........یادوں سے فگار .... چھاننا چاہتا ہے خاکِ بقیع ....جس میں ہیں اتنے ستارے کہ فلک پر بھی نہیں ....اے اُحد تجھ سے محبت ہے مجھے...........اے اُحد تجھ سے محبت تھی مرے مولا کو...........اے اُحد آج بھی دامن میں ترے ....ہے وہی ہیبتِ حمزہؓ کا جلالِ نفسِ بازپسیں...........جیسے اک شیر کی آنکھ..........کسی روبہ پہ ٹھہر جائے حقارت لے کر...........شاہراہیں ہیں کہ اژدر ہیں ....جو نگلے ہوئے ہیں کتنے نشیب اور فراز...........جن سے وابستہ مرا کھویا ہوا حافظہ ہے...........خوں رُلاتی ہے مجھے چشمِ تصور کی بھی نابینائی...........کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ کہاں کیا کیا تھا..........تُف ہے اے چشمِ تصور تجھ پر...........اشک بہتے ہیں تو بہنے دے کہ ان آئینوں

میں ....شاید اُس گزرے ہوئے وقت کی تصویریں ہوں ....جو مرے دل سے گزرتا ہی نہیں (مدینے میں .....ڈاکٹر خورشید رضوی) (۴۴)

تمھیں خبر ہے؟.....زمین و افلاک جس کے ظرفِ اساس پر سانس لے رہے ہیں وہ ذرہ ذرہ یہ کہہ رہا ہے.....مرے پیمبر کی عظمتوں کی دلیل یہ ہے.....کہ جس نے طائف میں پتھروں کے جواب سہہ کر دعائیں دی ہیں ....مرا پیمبر عظیم تر ہے.....مرا پیمبر عظیم تر ہے

(ص ۵۷) (مرے پیمبر کی عظمتوں کی دلیل کیا ہے؟، ظفر اقبال ظفؔر) (۴۵)

اگر ہم ابتدائے آفرینش سے قیامت تک سبھی ادراک و عرفان و بصیرت.....آگہی سے علم کو وجدان کے نقطے پہ ٹھہرا دیں.....تو یوں سمجھو.....محمدؐ کے لبِ اطہر پہ جو پہلی وحی ☆ نے لفظِ اقراء سے وہ عقدہ کشائی کی.....تو پہلا لفظ اقراء بھی.....جہاں بھر کے علومِ ظاہری اور باطنی کے مخزنوں کے سلسلوں کی ابتدا ٹھہرے.......... (تو یوں سمجھو، ظفر اقبال ظفؔر) (۴۶)

(☆ وحی حائے حطی کے سکون کے ساتھ ہے، لیکن اردو داں طبقہ اکثر اس حرف کو مکسور باندھتا ہے، اس لیے میں جائز سمجھتا ہوں [ع۔ا])

یہ کائنات .... یہ سیّارگانِ آدم رس..........حیاتِ رفتہ و آئندہ کے حدود میں ہیں..........شکستِ شب کو کیا کس نے لرزہ براندام..........مہیب رات کو کس نے دیا سحر کا جام ....علیل خُلق کو..........بیمار گیتی دوں کو..........روایتوں کے زبوں آشکار افسوں کو ....خرد شکار ضلالت کو..........زعمِ بے جا کو..........بتاؤ کون صداقت کی راہ پر لایا..........تعصّباتِ مکانی، تفاخُرِ نسلی..........جو زندگی کی حقائق گریز قدریں تھیں ....جوان آگ کی صورت میں جب بھڑکتی تھی..........قبیلے قریے انہی کی لپیٹ میں ہوتے..........یہ آگ اپنے براہیمؑ کی تلاش میں تھی..........تعصّبات کے آتش کدوں کو سرد کیا ....اور اس جہنمِ ارضی کو کر دیا گلزار (کون ہے وہُ! سید قمر ہاشمی) (۴۷)

اِسمِ مبارک جس ہستی کا..........سیرت کی لاثانی خوشبو سے لافانی بن کر..........ارض و سما میں مہک رہا ہے..........جس کی عظمت کا کُندن..........سورج چاند ستاروں کے دلکش چہروں میں دمک رہا ہے..........جس کے عدل کا تیز اُجالا..........اندھی آنکھوں..........تیرہ دلوں..........سنسان کنوؤں..........پاتالوں میں بھی چمک رہا ہے..........جسے خدا نے نبیوں

کا سرتاج بنایا..........عرشِ بریں پر جسے بلایا..........جو محبوب کی خاطر روئے زمیں پر..........سورنگوں، رعنائیوں کے فردوس اُتارے..........اُس بے مثل، یگانہ، پاک ترین ہستی کی نعت میں کیسے؟..........کس قرطاس پہ؟..........کن ہیروں کو جڑ کر لکھوں؟ (نبیوں کا سرتاج، ضمیر اظہر) (۴۸)

فضیلتوں کے عروج پر تھے سبھی ملائک جو عرش پر تھے..........کرامتوں کے امین ٹھہرے تمام ذرّے جو عرش پر تھے..........دعائیہ خوشبوؤں کے جھونکے..........چہار جانب..........شمال، مشرق، جنوب، مغرب، نکھر نکھر کر بکھر بکھر کر..........عقیدتوں کے مہیب سائے لُٹا رہے تھے..........جہالتوں کے سیاہ سینے میں حق کی کرنیں اُتر رہی تھیں..........جو بے نشاں تھے، وجودیت کے عمل سے پل پل گزر رہے تھے..........زمیں پہ قوس وقزح کے لشکر افق سے گویا اتر رہے تھے..........طیور جتنے بھی تھے ہوا میں..........اُڑان اپنی بھلا کے وہ سب..........فضا میں روشن حروف بن کر ٹھہر گئے تھے..........سمے کی رتھ میں جُتے ہوئے سارے اسپ پتھر کے ہو چکے تھے..........ہر ایک شے..........ناگہاں پلٹ کر خود اپنے مرکز پہ آ گئی تھی..........خدائے واحد جو لامکاں ہے..........وحدِّ امکاں میں حرفِ کُن سے ایک ایسی ہستی کو بو رہا تھا..........کہ جو ازل سے تمام عالم کے ریشے ریشے میں سو رہا تھا..........یہ وہ گھڑی تھی..........کہ جب محمدؐ عرب کی دھرتی پہ دینِ حق کا ضمیر بن کر اتر رہا تھا..........نئے زمانے کی ایک روشن لکیر بن کر اتر رہا تھا (دینِ حق کا ضمیر، سلیم شہزاد) (۴۹)

اُس ﷺ سے منسوب کروں..........اُس ﷺ کی ہی نذر میں سب گزرانوں..........یہ عقیدت کے گلاب اور سمن..........جو ہے محبوبِ زمن..........جو ہے مطلوبِ چمن..........جو نبوت کا اَمیں ٹھہرا تھا..........اس گھڑی!..........جب کہ ابھی آدمؑ بھی..........آب اور گِل سے نہیں گزرا تھا..........کل بھی تھیں اس کی طرف.....عشق کی نہری جاری..........آج بھی سیلِ عقیدت ہے اُسی سمت رواں..........میں بایں دیدۂ حیراں.....اُسی جانب نگراں..........میرے ہر جذبۂ الفت کا..........وہی سرچشمہ..........میرے احساس کی قندیل..........اسی سے روشن..........وہ شہہِ دشت ودمن..........وہ شہنشاہِ سخن جس کے تکلم میں بسی تھی خوشبو..........جس کے الفاظ میں تنویرِ رسالت کی جھلک..........تا بہ ابد

وہ نظر دیکھ سکے گی جس کو............تابِ نظارگیٔ حسنِ صداقت ہوگی............وہ نظر کتنی قیامت ہوگی!!!............اُس کا پیغام دلوں کی دھڑکن............زکراں تا بہ کراں............اُس کی عقیدت کے نشاں............روشن تر............وہ شہِ جن و بشر............زینتِ شمس وقمر............اُس کی رحمت کا شجر............دھوپ کے دشت میں............ہر شخص کی منزل ٹھہرا............آدمی بن کے جو آیا تو............دریں ارض وسما............بس وہی کامل ٹھہرا............قریۂ جاں میں وہی نور شمائل ٹھہرا............زیست کا حاصل ٹھہرا (انتساب)(۵۰)

آزاد نظموں کے درجِ بالا، نعتیہ متون میں، اظہار کی ترفگی، احساس کی شدت اور فکر و خیال کی غیر مبہم ترسیل کا منظر نامہ بنتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ نظمیں، خیال کی ترسیل کے فلسفیانہ آہنگ، احساسات کی شدت، تخلیقی جذبات کے وفور اور بیان کے رواں دواں اسلوب کی عکاس ہیں۔تقریباً ہر نظم، آمدِ سخن کے بہاؤ میں پیکر تراشی کے عمل کی مظہر ہے۔ اس مطالعے سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوئی کہ آزاد نظم میں، شعریاتی رفنکارانہ حسیّت (Poetic/artistic sensibility) بڑی خوبی سے اجاگر ہوسکتی ہے۔نعت کو زندگی سے قریب کرنے اور ادبی لطافتوں کے دھنک رنگوں سے اعتبار دینے کی غرض سے آزاد نظم کو تخلیقی دانش کا حصہ بنانے سے نعتیہ متون کو زیادہ جلا مل سکتی ہے۔

☆☆☆

منابع وماخذ:

۱۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، اردو شاعری میں نعت، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، اشاعتِ دوم: ۲۰۱۸ء، ص ۲۸)............۲۔ڈاکٹر جمیل جالبی، مثنوی نظامی دکنی، انجمنِ ترقئ اردو، کراچی، ۱۹۷۳ء

۳۔غلام رسول مہر، نوائے سروش، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س۔ن۔ص ۳۹۷

۴۔ناصر دہلوی، شرحِ دیوانِ غالب، علم وعرفان پبلیشرز، لاہور، اپریل ۲۰۰۷ء، ص ۴۵۰

۵۔خواجہ الطاف حسین حالی، مقدمہء شعروشاعری، کتب خانہء علم وادب، دہلی، س۔ن، ص ۳۸

۶۔پروفیسر عتیق اللہ، تنقید کی جمالیات، جلد ۷، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۲۵۳

۷۔ایضاً............۸۔ایضاً............۹۔پروفیسر آلِ احمد سرور، پیش لفظ، اُردو میں نظمِ معرا اور آزاد نظم، ڈاکٹر حنیف کیفی، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۴............۱۰۔ڈاکٹر حنیف کیفی، اُردو میں نظمِ معرا اور آزاد نظم، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۶۹............۱۰، الف۔اختر الایمان، کلیاتِ اختر الایمان، آج کی کتابیں، کراچی 74400، پہلی پاکستانی اشاعت، ۲۰۰۰ء، ص ۴۰............۱۰، ب۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، نظرِ ثانی آفتاب احمد خاں، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جولائی ۱۹۸۵ء،

۱۱۔حمایت علی شاعر، مشمولہ: نعت رنگ، ۳، ستمبر ۱۹۹۶ء، ص ۲۹۹............۱۲۔عبدالعزیز خالد، ماذ ماذؐ، ارمغان اکادمی، لاہور، دسمبر ۱۹۷۹ء، ص ۱۲۸......۱۳۹............۱۳۔ظہور نظر، مشمولہ: نعت کائنات، ترتیب وتقدیم: راجا رشید محمود، جنگ پبلیشرز، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۳ء، ص 475............۱۴۔شبنم رومانی، عطرِ خیال، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، 2017ء، ص 42............۱۵۔جاذب قریشی، نعت کے جدید رنگ، بھوپال انٹرنیشنل فورم، کراچی، س۔ن، ص 8............۱۶۔محمود شام، مشمولہ: نعت کائنات، ص 463

۱۷۔محمد فیروز شاہ، مشمولہ: ماہنامہ نعت [آزاد نظمیں]، ایڈیٹر: راجا رشید محمود، لاہور، اگست ۱۹۹۲ء، ص ۴۹

۱۸۔کلیاتِ حفیظ تائب، مرتبہ: محمد نعمان تائب، القمر انٹر پرائزز، لاہور، ستمبر: ۲۰۱۷ء، ص ۲۶۰

۱۹۔کلیاتِ حفیظ تائب، ص ۲۶۱............۲۰۔کلیاتِ حفیظ تائب، ص ۲۶۳

۲۱۔سرشار صدیقی، ظہور، اساس، طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۵۲

۲۲۔اطہر نفیس، مشمولہ: صلِّ علیٰ محمد، مرتبہ میر واصف علی، شکیل برادرس، کراچی، جنوری ۱۹۸۱ء، ص ۲۶

۲۳۔صہبا اختر، اقراء، مکتبہء ندیم، کورنگی، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ۳۶............۲۴۔صہبا اختر، اقراء، ص ۵۰

۲۵۔سعید وارثی، ورثہ، بزمِ وارث، شاہ فیصل کالونی، کراچی، ۱۵ر جنوری ۱۹۸۷ء، ص ۴۴
۲۶۔عزیز احسن، ڈاکٹر، پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، جولائی ۲۰۱۴ء، ص 221
۲۷۔پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر، ص 222............۲۸۔تحسین فراقی، میلادِ حضور، مشمولہ نعت کائنات، ص 447............۲۹۔احسان اکبر، نعت کائنات، ص 438............۳۰۔خیر مقدم، انجم نیازی، نعت کائنات، ص 444............۳۱۔سیف اللہ خالدؔ، نعت کائنات ص 454............۳۲۔عارف عبدالمتین، نعت کاینات، ص 468............۳۳۔شفقت، نعت کائنات، ص 475
۳۴۔امجد اسلام امجد، مشمولہ: ماہنامہ ''نعت''، لاہور، آزاد نعتیہ نظم نمبر، اگست ۱۹۹۲ء، ص ۴
۳۵۔صبیح رحمانی، خوابوں میں سنہری جالی ہے، مرتبہ: عزیز احسن، فضلی سنز، اردو بازار، کراچی، اشاعتِ دوم: نومبر ۱۹۹۷ء، ص ۶۸............۳۶۔شرف الدین شامی، مقامات، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی، جنوری: 2013ء، ص ۱۶۶............۳۷۔شرف الدین شامی، مقامات، ص ۱۸۸
۳۸۔انور مسعود، نعت رنگ، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۹۶ء، ص ۳۰۰............۳۹، نعت رنگ، شمارہ ۵، فروری ۱۹۹۸ء، ص ۳۲۶............۴۰۔توصیف تبسم، سلسبیل، عکاس پبلی کیشنز اسلام آباد، 2011ء، صفحہ ۸۷
۴۱۔توصیف تبسم، سلسبیل، عکاس پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2011ء، ص ۸۷............۴۲۔سید محمد ابوالخیر کشفی، نسبت، مرتبہ: عاطف معین، اقلیمِ نعت، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۶۸............۴۳۔وہ نور پھوٹا، حنیف نازش، مشمولہ: نعت کائنات، جنگ پبلیشرز، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۳ء، ص ۴۷
۴۴۔خورشید رضوی، ڈاکٹر، نسبتیں، ترتیب: ارسلان احمد ارسل، انٹرنیشنل نعت مرکز، لاہور، مئی ۲۰۱۵ء، ص ۸۱
۴۵۔ظفر اقبال ظفر، حضور! آپ ﷺ، ثاقب پبلی کیشنز، شجاع آباد، مکتبہ حسینیہ، شجاع آباد۔ ۲۰۲۱ء، ص ۵۷
۴۶۔ایضاً ص ۸۵............۴۷۔کون ہے وہؐ! سید قمر ہاشمی، مشمولہ، نعت، لاہور، شمارہ، اگست ۱۹۹۲ء، ص ۴۵
۴۸۔نبیوں کا سرتاج، ضمیر اظہر، مشمولہ: نعت لاہور، شمارہ اگست ۱۹۹۲ء، ص ۵۰
۴۹۔دینِ حق کا ضمیر، سلیم شہزاد، مشمولہ: نعت لاہور، شمارہ، اگست ۱۹۹۲ء، ص ۹۰
۵۰۔عزیز احسن، ڈاکٹر، کلیاتِ عزیز احسن، مرتبہ: صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۲۸۱

نوٹ: یہ مضمون سخنور شکاگو کی پہلی بین الاقوامی ادبی نعت کانفرنس (2024ء) کے لیے لکھا گیا تھا۔ مطبوعہ:

متنِ نعت کا صوفیانہ/عارفانہ سیاق

میں، کم و بیش ۴۴ برس سے، مختلف موضوعات پر اپنے معروضات پیش کرتا رہا ہوں۔ لیکن صوفیانہ یا عارفانہ تناظر میں مطالعہءنعت کی نوبت نہیں آسکی تھی۔ سو آج اس حساس موضوع پر کچھ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

انسانی طبیعت کے دو رُخ ہیں[۱] بیرونی اور[۲] اندرونی۔ یعنی ظاہر اور باطن۔ اسی طرح فکرِ انسانی بھی باطنی (Introvert) اور ظاہری (Extrovert) رُخ اختیار کرتی ہے۔ انسانی ذات کے یہ دونوں پہلو مادّی (Physical) اور روحانی (Spiritual) کہلاتے ہیں۔ مذہبی فکر میں مادّی معاملات کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور روحانی معاملات کو طریقت کے معیارات کی روشنی میں جانچا جاتا ہے۔ شاعری چوں کہ احساساتی حصار میں تخلیق ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا بیانیہ (Narrative) باطن اساس ہوتا ہے۔ اس میں بعض احوال ایسے بھی مذکور ہو جاتے ہیں جن پر شریعت کا اطلاق کیا جائے تو معاملہ سنگین ہو سکتا ہے۔

صوفیانہ ادب کی نا قابلِ فہم عبارتوں کے حوالے سے ولیم جیمز نے اپنی کتاب میں کہا ہے:

''صوفیانہ ادب میں اکثر آپ کو متضاد جملے ملیں گے۔ مثلاً نظارہ سوز ظلمت، سکوتِ گویا، آباد بیاباں۔ اس قسم کے داخلی تضاد، تصوف کے کلام میں عام ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتِ سِرّی، عقل کی زبان سے نہیں بل کہ موسیقی کی زبان سے بیان ہوتی ہے، جس کے لیے الفاظ غیر ضروری ہوتے ہیں۔ الفاظ کا استعمال اس حالت کے بیان میں معاون نہیں بل کہ مزاحم ہوتا ہے''(۱)

ولیم جیمز نے جن ماورائی حقائق کے اظہار میں، دشواریوں کا ذکر کیا ہے، عارفانہ کلام کی تفہیم میں عام قاری اور ناقدین کو اکثر ایسی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کی آیات کی تفہیم، شریعت کے دائرے میں کچھ اور ہوتی ہے اور طریقت کی روشنی میں کچھ اور۔ سورہ الفتح کی آیت نمبر ۸ میں حضور ﷺ کو ''شاہد'' فرمایا گیا ہے۔ بیشتر مترجمین نے اس لفظ کا ترجمہ ''گواہ'' (عبدالماجد دریابادی)، ''شہادت دینے والا'' (مولانا سید شبیر احمد)، ''گواہی دینے والا''

(مولانا محمد جونا گڑھی)، ''شہادت دینے والا'' (مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)، ''اظہارِ حق کنندہ'' (شاہ ولی اللہ) کیا ہے۔ جب کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ نے ''شاہد'' کا ترجمہ ''حاضر و ناظر'' کیا ہے اور مفتی احمد یار خاں نعیمی نے تفسیری حاشیئے میں اس ترجمے کا جواز پیش بھی پیش کیا ہے۔ قرآنی متن کی عارفانہ قراءت [اور تفہیم] کے اس نکتے کی روشنی میں ہم صوفیانہ شعری متون کے سیاق (Contexts) کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

''اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ۙ''

(بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا...... الفتح ۴۸، آیت ۸: ترجمہ: کنزالایمان)

مفتی احمد یار خان نعیمی، لکھتے ہیں:

''شاہد کے معنی ہیں محبوب حاضر اور مشاہدہ کرنے والا گواہ۔ گواہ کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقعۂ واردات پر حاضر تھا، محبوب کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عاشق کے دل میں حاضر رہتا ہے۔ حضور ﷺ ان تینوں معنی سے شاہدِ کامل ہیں۔ حضور کی محبوبیت انسانوں اور زمانوں سے محدود نہیں۔ خدا کے محبوب ہیں اور خدائی کے محبوب، لکڑیاں، پتھر، جانور بھی حضور ﷺ کے فراق میں روتے تھے۔ نیز آج بھی بغیر دیکھے لاکھوں کروڑوں حضور ﷺ کے عاشق ہیں۔ نیز حضور ﷺ خالق کے دربار میں مخلوق کے گواہ ہیں کہ سب کے فیصلے حضور کی گواہی پر ہوں گے اور مخلوق کے سامنے خالق کے عینی گواہ۔ حضور ﷺ نے جس کی جنتی یا دوزخی ہونے کی گواہی دی برحق دی...... حضور ﷺ کی بشارت اور ڈرانے کو شہادت کے ساتھ ذکر فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ گزشتہ نبی سن کر بشیر و نذیر تھے، اور دیکھ کر، حضور نے [گواہی دی]۔ جنت دوزخ ملائکہ بل کہ خود رب کو چشمِ سر معراج میں دیکھا۔ (۲)

مولانا رومؒ نے مثنویٔ معنوی میں حضرت زید بن حارثہؓ سے حضورِ اکرم ﷺ کا استفسار اور اُنؓ کا جواب منظوم ملتا ہے، جس سے امت کے لوگوں کی روحانی پرواز اور ان کی وسعتِ نگاہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

گفت پیغمبرؐ صباحے زیدؓ را کَیۡفَ اَصۡبَحۡتَ رَفیقِ باصفا

(ایک صبح حضورِ اکرم ﷺ نے زیدؓ سے دریافت فرمایا کہ اے میرے مخلص رفیق! تم

نے کس حالت میں صبح کی؟)

گفت عبداً مؤمناً باز اُوش گفت | گو،نشاں از باغِ ایماں گر شگفت

(انھوں نے عرض کیا ایک مومن بندہ ہونے کی حالت میں، پھر حضور ﷺ نے ان سے دریافت کیا۔اگر ایمان کا چمن کھلا ہے تو اس کی علامت بتاؤ!)

گفت تشنہ بودہ ام من روزہا | شب نہ خفتستم زِ عشق و سوز ہا

(انھوں نے کہا میں [روزے کی وجہ سے] دنوں پیاسا رہا ہوں۔عشق اور سوز کی وجہ سے راتوں کو سو نہیں سکا ہوں)

تازِ روز و شب گذر کردم چناں | کہ زِ اسپر بگذرد نوکِ سِناں

(یہاں تک کہ رات دن کے دورانیے سے اس طرح گذر گیا جس طرح تیر کی نوک ڈھال سے گذر جاتی ہے)

کہ ازاں سو جملۂ مِلّت یکے ست | صد ہزاراں سال و یک ساعت یکے ست

(کیوں کہ وہاں تمام ملتیں ایک ہیں۔لاکھوں برس اور ایک گھنٹہ یکساں ہے)

ہست ازل را و اَبد را اتحاد | عقل را رہ نیست زاں سوز افتقاد

([وہاں] ازل اور ابد میں وحدت ہے۔گم ہو جانے کی وجہ سے وہاں عقل کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے)

گفت ازاں رہ کو رہ آوردی بیار | در خورِ فہم و عقولِ ایں دیار

([نبیٔ کریم ﷺ نے] فرمایا اس راستے کا تحفہ کہاں ہے، لاؤ! جو اِن ملکوں [اس دنیا کے رہنے والوں] کی فہم اور عقلوں کے مناسب ہو)

گفت خلقاں چو بہ بینند آسماں | من بینم عرش را با عرشیاں

([زیدؓ نے] کہا جب لوگ آسمان کو دیکھتے ہیں۔میں عرش کو، مع عرش کے باشندوں کے، دیکھتا ہوں)۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیشِ من | ہست پیدا ہمچو بت پیشِ شمن

(آٹھوں جنتیں اور ساتوں دوزخیں میرے سامنے، اس طرح ظاہر ہیں جس طرح

پجاری کے سامنے بت ہوتا ہے)

یک بیک وَا می شناسم خلق را　　　ہمچو گندم من زِ جَو در آسیا
(میں لوگوں کو ایک ایک کر کے جدا جدا پہچانتا ہوں۔جس طرح چکی میں جو اور گندم کو [پہچانتا ہوں])

کہ بہشتی کیست و بیگانہ کے ست　　　پیشِ من پیدا چو مارو ماہی ست
(کہ بہشتی کون ہے اور [جنت سے] بیگانہ کون ہے؟......میرے سامنے اس طرح نمایاں ہیں جس طرح سانپ اور مچھلی [ہوتے ہیں])

جملہ را چوں روزِ رستاخیز ِ من　　　فاش می بینم عیاں از مردو زن
(میں سب کو قیامت کے دن کی طرح۔کھلا ہوا دیکھتا ہوں خواہ مرد ہو یا عورت)

یا رسول اللہ ﷺ بگویم ِسرِّ حشر　　　در جہاں پیدا کنم امروز نشر
(یا رسول اللہ ﷺ، کیا میں قیامت کا راز کہہ ڈالوں؟[کیا میں] دنیا میں آج ہی قیامت برپا کر دوں؟)

ہل مرا تا پردہ ہا را بردرم　　　تا چو خورشید ے بتابد گوہرم
(مجھے اجازت عطا فرمائیے کہ [میں] پردے چاک کر دوں!......تا کہ میرا جوہر، آفتاب کی طرح چمکنے لگے!)

تا کسف آید زِمن خورشیدرا　　　تا نمایم نخل را و بید را
(تا کہ میری وجہ سے سورج ، گرہن میں آجائے۔ تا کہ میں کھجور اور بید کو [جدا جدا کر کے] دکھا دوں)

وا نمایم روزِ رستا خیز را　　　نقد را و نقدِ قلب آمیز را
(قیامت کے دن کو کھول کر دکھادوں　　　کھرے اور کھوٹے کو [الگ الگ کر دوں])

دست با ببریدہ اصحابِ شمال　　　وانمایم رنگِ کفر و رنگِ آل
(ہاتھ کٹے ہوئے، بائیں جانب والوں کو [اور] تاریکی اور سرخ رنگ کو واضح کر دوں)

وا کشایم ہفت سوراخِ نفاق　　　در ضیائے ماہ بے خسف و محاق
(نفاق کے سات سوراخ واضح کر دوں۔اس چاند کی روشنی میں جس کے لیے گرہن

اور گھٹاؤ نہیں ہے)

وانمایم من پلاسِ اشقیا بشنو انم طبل و کوسِ انبیاء

(میں بد بختوں کا ٹاٹ کا پیراہن کھول کر دکھا دوں، انبیاء علیہم السلام کا نقارہ سنا دوں)

دوزخ و جنات و برزخ درمیاں پیشِ چشمِ کافراں آرم عیاں

(دوزخ اور جنتیں، اور درمیان میں برزخ، کافروں کی نظروں میں لے آؤں)

وانمایم حوضِ کوثر را بجوش کاب بر روشاں زند بانگش بگوش

(حوضِ کوثر کو ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھا دوں...... کہ وہ ان کے چہروں پر پانی چھڑکے، کانوں میں [اس پانی کے جاری ہونے کی] آواز آئے)(۳)

مثنوی کے مترجم نے حاشیے میں لکھا ہے:

''زید۔یعنی ابنِ حارثہ رضی اللہ عنہ جن کو زید الخیر بھی کہا جاتا ہے۔احادیث میں اس طرح کا مکالمہ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں صرف اس قدر ملتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے ان سے دریافت کیا تھا کہ تم نے صبح کس حالت میں کی۔ اس قصے کا مقصد یہ ہے کہ مجاہدہ سے مشاہدہ پیدا ہوجاتا ہے''۔(۴)

حضور ﷺ کا فیضِ نظر آج بھی اور آج کے بعد حشر تک جاری رہے گا۔اس لیے اس دنیا میں صاحبانِ حال بھی ہمیشہ رہیں گے اور ان کی گفتگو، تقریر، تحریر اور شاعری ونثر میں ایسے بیانات آتے رہیں گے جو عام آدمی یا صرف دنیاوی علوم سے واقف عالم کی فہم سے بالاتر ہو!

آیئے صوفیانہ احوال کی روشنی میں مابعد الطبیعیاتی (Metaphysical) حقائق سے، کچھ مزید پردے سرکانے کی کوشش کرتے ہیں:

حضرت مولانا عبدالحق حقّانی دہلوی، سورۂ الم نشرح کی آیت ''وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَک''، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اب معمورۂ دنیا پر کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جہاں آپ ﷺ کا ذکر نہ ہو۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی؟''

حضورِ اکرم ﷺ کی رفعتِ ذکر کی مختلف جہتوں پر مولانا نے کھل کر لکھا ہے۔ہم ان کی

تحریر کی تلخیص پیش کرتے ہیں:

''اس رفعتِ ذکر کو ایک محلِ رفیع الشان سے تشبیہ دی جائے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت مناسب ہے:

۱۔کمرۂ اول میں دنیا جہان کے بادشاہ ہیں جن کے سامنے [خدام] مسلح حاضر ہیں اور علم کے منتظر ہیں۔ان بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے؟ وہی ذاتِ بابرکات محمد ﷺ''

۲۔دوسرے کمرے میں دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ کھڑے ہیں۔اُن کے استادِ کُل محمد ﷺ ہر ایک کو اس کی استعداد و فہم کے مطابق تعلیم دے رہے ہیں''

۳۔تیسرے کمرے ہیں قاضی القضاۃ اور فقہا ہیں جو آپ ﷺ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستورالعمل بنا رہے ہیں۔

۴۔چوتھے کمرے میں مفتیانِ امت ہیں۔[اس جماعت میں] مفتیِ متبحر وہی سرکارِ کائنات علیہ افضل التحیۃ الصلوٰۃ ہیں۔

۵۔پانچویں کمرے میں،مسندِ حکومت پر محتسب بیٹھا ہے۔یہ صاحبِ وقار محتسب بھی وہی عالی جناب ہیں ﷺ۔

۶۔چھٹے کمرے میں سلطنت کے مسائل اور ان کا حل تلاش کیا جا رہا ہے۔یہاں قیامِ سلطنت کے اصول کی تعلیم دینے والے کون ہیں؟ وہی عالی جناب رسالت مآب ﷺ۔

۷۔ساتویں کمرے میں عابد و زاہد،دنیا و مافیہا پر لات مارے بیٹھے ہیں۔ان کی رہبری کرنے والے بھی وہی سرورِ کائنات ہیں ﷺ۔

۸۔آٹھویں کمرے میں عرفاء اپنے مکاشفات پر فیض کے دریا بہا رہے ہیں۔یہاں کتب لکھی جا رہی ہیں وہ بھی آپ ﷺ ہی کے بیانات سے لکھی جا رہی ہیں۔

۹۔نویں کمرے میں واعظ ہیں جن کے وعظ سے انسانوں میں اخلاقی بہتری آئی۔دنیا کی کایا پلٹ گئی۔یہ حضرتِ واعظ بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

۱۰۔دسویں کمرے میں مرشدِ کامل،صاحبِ طریقت بیٹھے ہیں۔یہاں سب ہی

اولیائے امت ہیں۔[اصل میں] یہ مرشدِ کامل بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

۱۱۔ گیارھویں کمرے میں ایک نور پیکر بیٹھا ہے۔ جس کے رخساروں پر آفتاب و ماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے نثار؛ وہ جمالِ الٰہی کا پورا آئینہ ہے۔ ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ مخلوق پروانوں کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے۔ وہ بھی آپ ہی ہیں ﷺ۔

۱۲۔ بارھویں کمرے میں ایک رسول صاحبِ کتاب نہایت ہی عز و شان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ و داؤدؑ و سلیمانؑ و موسیٰ علیہم السلام ان کے گرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ **خاتم النبیین** ﷺ ان کی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں۔ کہیں ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں کہیں گھٹا رہے ہیں۔ کہیں مٹے ہوئے زمانوں کو از سرِ نو قائم فرما رہے ہیں اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا استاد مان رہے ہیں۔ یہ بھی وہی ہیں ﷺ۔ (۵)

اس تمام تحریر کا خلاصہ بابا ذہین شاہ تاجیؒ نے ایک رباعی میں بیان فرما دیا:

من حُسنِ تو مطلق و مقید دیدم　　درفنا دارِ فنا بہارِ سرمد دیدم
ہر لحظہ صلوٰۃ بر جمالِ پاکت　　در ہر چہ دیدم تُرا محمد ﷺ دیدم (۶)

(ترجمہ: میں آپ ﷺ کا حسن، مطلق اور مقید دیکھتا ہوں۔ فنا میں، فنا کا گھر [اور] بہار کی ہمیشگی دیکھتا ہوں۔ یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کے پاک حُسن پر ہر وقت درود بھیجتا ہوں اور جو کچھ بھی دیکھتا ہوں [اس میں] آپ ہی کا جلوہ دیکھتا ہوں)۔

اب تک پیش کردہ معروضات سے، اس مسئلے پر کچھ روشنی پڑ گئی ہے کہ روحِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کوئی چیز محجوب نہیں ہے۔ حضرت سید عبدالعزیز دبّاغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاشفات سے یہ بات اور واضح ہو جائے گی، جو فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کی روح کی اطلاع قوی ترین ہے۔ کیوں کہ دنیا کی کوئی شئے اس سے محجوب نہیں ہے۔ اِسی لیے آپ ﷺ کو عرش و فرش، علو و سِفل، دنیا و آخرت اور دوزخ و جنت سب کی خبر ہے۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ آپ ﷺ ہی کی بدولت پیدا ہوا

ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی تمیز ان تمام جہانوں کو چیر کر نکل جانے والی ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ کو اجرامِ سماویہ میں سے ہر جُرم کا علم ہے کہ یہ کہاں سے پیدا کیا گیا ہے، کب اور کیوں پیدا کیا گیا اور اس کا منتہیٰ کیا ہوگا؟ آپ ﷺ کو ہر آسمان کے فرشتوں کا پتہ ہے کہ کون فرشتہ کس فلک پر پیدا کیا گیا، کب پیدا کیا گیا، کیوں پیدا کیا گیا اور ان کا انجام کیا ہوگا اور آپ ﷺ کو ان کے اختلافِ مراتب اور منتہیٰ درجات کا بھی علم ہے اور اسی طرح آپ ﷺ کو ستّر حجابوں اور ہر حجاب کے فرشتوں کا بھی علم ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کو عالمِ علوی کے اجرامِ نیّرہ کا بھی علم ہے۔ مثلاً ستارے، سورج، چاند، لوح، قلم، برزخ اور وہ روحیں جو برزخ میں ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کو ساتوں زمینوں، ہر زمین کی مخلوقات اور برّ و بحر کی تمام اشیاء کا علم ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کو جنت، اس کے درجات، اس کے رہنے والوں کی تعداد اور ان کے مقامات کی پوری واقفیت ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس دیگر عوالم کے متعلق بھی آپ ﷺ کے علم کا یہی حال ہے''۔ (۷)

حضور ﷺ کے علم کی وسعت کا اندازہ ایک حدیثِ مبارک سے بھی ہوتا ہے:

''ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹا۔ میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لیے۔ میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچ جائے گی جس قدر میرے لیے زمین سمیٹی گئی۔ مجھے دو خزانے سُرخ و سفید عطا کیے گئے'' (۸)

اِس حدیث کے پیشِ نظر بیشتر علماء و صوفیا، حضور ﷺ کے [عطائی] علومِ غیبیہ کی وسعتوں کے قائل ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی نوری جہت پر بھی صوفیا کرام کا عقیدہ بہت زیادہ محکم ہے۔ اس ذیل میں قرآن اور احادیث سے استشہاد کیا جاتا ہے۔

بیشتر مفسرین نے سورۃ المآئدہ کی آیت ۔۱۵ (**قد جآکم من الله نور** ......الخ) میں آنے والے لفظ '' نُور '' کی نسبت، ذاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم ہی کی طرف کی ہے۔ ،ضیاء القرآن میں تفسیرِ ابنِ جریر کی عبارت بھی نقل کی گئی ہے:

''**یعنی بالنور محمدا صلی الله تعالیٰ علیه و آلهٖ وسلم الذی انا ر الله بهِ الحق و اظهر بهِ الاسلام و محق بهِ الشرک فهو نور لمن استنار بهٖ**''

(یعنی نور سے مراد یہاں ذاتِ پاک محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کر دیا۔ اسلام کو ظاہر فرمایا شرک کو نیست و نابود کیا)۔(۹)

''تفسیرِ مَدارک میں ہے...... یا نور سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ کیوں کہ ہدایت آپ ﷺ سے حاصل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر آپ ﷺ کو سراج فرمایا گیا'' (۱۰)

تفسیرِ جلالین کی عبارت ہے: **قد جآکم من الله نور ......هو النبی صلی الله علیه وسلم**'' (اللہ کی طرف سے تمھارے پاس روشنی [نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم] آ چکی ہے)'' (۱۱)

اسرار التنزیل میں ہے: [آپ] کتاب لائے ہیں وہ بھی نور اور ہدایت ہے آپ ﷺ کا وجودِ عالی بذاتِ خود نورِ ہدایت ہے'' (۱۲)

اسی طرح حدیث ''**اول ما خلق الله نوری**'' پر بھی اہلِ علم میں اتفاق واختلاف رہا ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیرِ احسن البیان میں حدیث ''**اول ما خلق الله نوری**'' کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن قلم کی اولیت والی حدیث (**اِنَّ اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللهُ الْقَلَمُ**) کو مستند مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''محدث البانی لکھتے ہیں: ''مشہور حدیثِ جابر کہ اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، باطل ہے۔ کیوں کہ صحیح حدیث میں سب سے پہلے قلم پیدا کرنے کا ذکر ہے'' (۱۳)

مفسرِ احسن البیان نے بھی حدیثِ جابرؓ پر کلام کرنے کے باوجود، ''**سِرَاجًامُّنِیْرًا**ο (روشن چراغ) کی نسبت حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک ہی سے کی ہے۔ آپ ﷺ ہی کو ''روشن چراغ'' کا مصداق تسلیم کیا ہے:

> ''جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ کے ذریعے سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ علاوہ ازیں اس چراغ سے کسبِ ضیاء کر کے جو کمال و سعادت حاصل کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن ہے''۔(۱۴)

اس مرحلے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیثِ تعیُّنِ اوّل کی کچھ تفصیل بھی پیش کر دی

جائے:

علامہ احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں:

''حدیث ''اول ما خلق اللہ نوری'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے نورِ پاک یعنی ذاتِ مقدسہ کو اپنے نور یعنی اپنی ذات مقدسہ سے پیدا فرمایا......اس کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کا مادہ ہے۔ یا نعوذ باللہ! حضور کا نور اللہ کے نور کا کوئی حصہ یا ٹکڑا ہے۔ **تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا**...... اگر کسی ناواقف شخص کا یہ اعتقاد ہے تو اسے توبہ کرنا فرض ہے۔ اس لیے کہ ایسا ناپاک عقیدہ خالص کفر و شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ بل کہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ذاتی تجلی فرمائی جو حسنِ الوہیت کا ظہورِ اول تھی، بغیر اس کے کہ ذاتِ خداوندی نورِ محمدی کا مادہ یا حصہ اور جزو قرار پائے۔ یہ کیفیت متشابہات میں سے ہے جس کا سمجھنا ہمارے لیے ایسا ہی ہے جیسا قرآن و حدیث کے دیگر متشابہات کا سمجھنا۔ البتہ نکتے اور لطیفے کے طور پر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح شیشہ آفتاب کے نور سے روشن ہو جاتا ہے لیکن آفتاب کی ذات یا اس کی نورانیت اور روشنی میں کوئی کمی نہیں واقع ہوتی اور ہمارا یہ کہنا بھی صحیح ہوتا ہے کہ شیشے کا نور، آفتاب کے نور سے ہے، اسی طرح حضور ﷺ کا نور، اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوا اور آئینۂ محمدی نورِ ذاتِ احدی سے اس طرح منور ہوا کہ نورِ محمدی کو نورِ خداوندی سے قرار دینا صحیح ہوا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک یا اس کی کسی صفت میں کوئی نقصان اور کمی واقع نہیں ہوئی......حقیقت یہ ہے کہ فیضان وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے حضور ﷺ کو پہنچا اور حضور ﷺ کی ذات سے تمام ممکنات کو وجود کا فیض حاصل ہوا''۔(۱۵)۔

مولانا غلام رسول سعیدی نے علامہ محمود آلوسی بغدادی کی تفسیر، روح المعانی کی جلد اول سے ایک عبارت نقل کرتے ہوئے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ''تفسیرِ روح المعانی اہل سنت کے تمام مکاتبِ فکر میں یکساں مقبول ہے'' تفسیرِ روح المعانی کی عبارت درجِ ذیل ہے:

''والتعین الاول المشار الیہ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ نور

نبیک یا جابر''
(اور تعین اول کی طرف حضور کے قول **اول ما خلق الله نوری** میں اشارہ ہے''۔ (۱۶)

یہ حدیث، امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا وابن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔اس لیے ان کا درجہء ثقاہت بھی جان لیجیے:

''امام احمد بن صالح مصری کہتے ہیں''میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ آپ نے حدیث میں کوئی شخص عبدالرزاق سے بہتر دیکھا؟ انھوں نے فرمایا نہیں''۔(۱۷)

شیخ عبدالرزاق سے مروی حدیث ہے:

''یارسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتا دیجیے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی، فرمایا: اے جابر بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا''۔(۱۸)

مولانا اشرف علی تھانوی نے''نشر الطّیب'' کی پہلی فصل نورِ محمدی کے ضمن میں لکھا ہے:

''عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھ کو خبر دیجیے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی۔آپ نے فرمایا اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے([نہ] بایں معنیٰ کہ نورِ الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا''۔(۱۹)

تعینِ اول کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے عقل اور قلم کی پیدائش والی احادیث کی جانکاری بھی ضروری ہے،سوان احادیث کے متون بھی حاضر ہیں:

سنن ابی داؤد، باب فی القدر، تقدیر، جلد سوم، حدیث 4078 میں ہے:

''**اَوَّلَ مَا خَلَقَ الله القلم**''...... بے شک اللہ نے پہلے قلم کو تخلیق فرمایا۔(۲۰)

شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی نے فتوحاتِ مکیہ میں لکھا:

''سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ پھر لوح کو پیدا فرما کر قلم کو حکم فرمایا۔لکھ دے''۔(۲۱)

شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ میں رقم طراز ہیں:

''ایک حدیث ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ ادھر منہ پھیرو تو اس نے ادھر منہ پھیر لیا۔ اس کو حکم دیا کہ اِدھر پیٹھ کر دو تو اس نے ادھر پیٹھ پھیر دی''۔(۲۲)

محی الدین ابنِ عربی ،فتوحاتِ مکیہؒ میں عقل کی پیدائش کا ذکر اِس طرح کرتے ہیں:

اَوَّلَ مَا خَلَقَ الله العقل...... یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا۔(۲۳)

سرِّ دلبراں کے مؤلف شاہ سید محمد ذوقی نے بھی قلم اور عقل کی پیدائش والی احادیث نقل کی ہیں:

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہ القلم **اَوَّلَ مَا خَلَقَ الله العقل**.(۲۴)

مدارج النبوت کے مصنف نے بھی قلم کی پیدائش والی حدیث نقل کی ہے:

''سنن ابوداؤد'' میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: **اَوَّلَ مَا خَلَقَ الله القلم**...... سب سے پہلے اللہ نے جو پیدا فرمایا وہ قلم ہے۔(۲۵)

تفسیر مظہری میں بھی قلم کی پیدائش کا احوال درج ہے:

''حضرت عبادہؓ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا''۔(۲۶)

صاحبِ سرِّ دلبراں فرماتے ہیں:

''عقل اور قلم اور نورِ نبوت سے ایک ہی چیز مراد ہے''(۲۷)

اس مرحلے پر علمِ اسرار کی نوعیت بھی جان لی جائے۔ محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے علم کی تین اقسام بتائی ہیں:

[۱]عقلی علم......[۲]علم الاحوال......[۳]علم الاسرار

[۱]عقلی علم......یہ علم، فی البدیہہ یعنی بغیر غور وفکر......یا دلائل جیسی کسی اور چیز میں غور و فکر کرنے سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔۔لیکن اس میں لغزش کا خطرہ ہے۔گویا یہ علم جزوی اور انتہائی ناقص ہے۔

[۲]علم الاحوال......علم الاحوال کی طرف سوائے اہلِ ذوق کے کوئی راستہ نہیں۔

[۳]علم الاسرار......''اس علم کا جاننے والا تمام علوم کو جانتا ہے اور ان میں ڈوبا ہوا ہے، دوسرے کسی علم کو جاننے والا اس جیسا نہیں اور نہ ہی کوئی علم اس علم سے اشرف اور اعلیٰ ہے......اور یہ علم بقیہ تمام معلومات پر حاوی اور محیط ہے''۔(۲۸)

علمِ اسرار کی روشنی میں صحّتِ حدیث کی جانچ پڑتال کا طریقہ بھی شیخِ اکبر محی الدین عربی نے بتایا ہے:

''ولی اس روح سے سنتا ہے جو اس پر حقیقتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے القاء کرتا ہے......اپنے رواۃ کے طریق سے کوئی حدیث صحیح ہوتی ہے اور وہ حدیث اس مظہر کا معائنہ کرنے والے مکاشف کو حاصل ہوتی ہے تو وہ نبیءِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے؟ تو آپ ﷺ انکار کردیتے ہیں اور اسے فرماتے ہیں کہ میں نے یہ نہیں کہا اور نہ اس کے ساتھ حکم دیا ہے۔پس وہ صاحبِ مکاشفہ اپنے رب کی دلیل سے اس حدیث پر عمل کرنا چھوڑ دیتا ہے''۔(۲۹)

حضرت عبدالحق محدث دہلوی نے بھی، اشارۃً، اس کا ذکر کیا ہے:

''حضرت شیخ ابوالعباس مرسی سے مروی ہے کہ کہا اگر مجھ سے ایک لحظہ کے لیے جمالِ جہاں آرائے سیدِ عالم ﷺ پوشیدہ ہوجائے تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں۔یہ بھی حضورِ اکرم ﷺ کے سنن وآداب اور سلوک ومناہج میں دوامی مشاہدہ و حضور پر محمول ہے''۔(۳۰)

اس سے ظاہر ہوا کہ اہل اللہ میں جو احادیث رائج ہوجاتی ہیں، ان کی تصدیق براہِ راست، روحِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بھی کی جاسکتی ہے۔مدارج النبوت میں علمِ اسرار کی بابت ایک حدیث بھی نقل کی گئی ہے:

''ذکرِ معراج میں ارشاد ہوا:[مجھے دو علم عطا کیے گئے]''ایک علم ایسا تھا جس کے

ظاہر کرنے اور چھپانے کا مجھے اختیار دیا گیا۔ اور ایک علم ایسا تھا جس کو اپنی امت کے ہر خاص و عام میں تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا''۔(۳۱)

گویا زندگی کے عملی معاملات اور عبادات کی ادائیگی کے لیے جو علم ضروری تھا اس کا پہنچانا لازمی ٹھہرا اور جس علم میں معرفت کی خوشبو تھی اس کے لیے استعداد دیکھ کر کسی کو بتانے کی اجازت تھی۔ معرفت سے لبریز احادیث کے ضمن میں غالبًا یہی سِرّ ہے جس کے باعث ان احادیث کے متون، عمومی مجموعہ ہائے احادیث میں کم یاب ہیں۔ میرے اس خیال کو کچھ تقویت حضرت ابوھریرہ اور حضرت ابنِ عباس رضوان اللہ علیہما کی طرف منسوب ان احادیث سے بھی ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [میں نے] آنحضرت ﷺ سے [علم کے] دو تھیلے سیکھے، یعنی دو طرح کے علم حاصل کیے، ایک کو میں نے [لوگوں میں] پھیلا دیا اور دوسرے کو ......''اگر میں پھیلاؤں تو یہ میرا ''بُلْعُوْمُ'' (نرخرا) کاٹ ڈالا جاوے''۔(۳۲)

اسی طرح سورہ طلاق کی آیت نمبر ۱۲ کے تفسیری نکات بیان کرتے ہوئے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ط يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۵ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا (الطلاق ۶۵، آیت ۱۲)

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو......الخ''۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر میں اس کی تفسیر تمھارے سامنے بیان کروں تو اسے نہ مانو گے اور نہ ماننا جھوٹا جاننا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ میں کیسے باور کرلوں کہ جو میں تجھے بتلاؤں گا تو اس کا انکار نہ کرے گا''۔(۳۳)

(۱۴) سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اسی قسم کی روایات نقل کی ہیں: ''حضرت ابنِ عباسؓ عام لوگوں کے سامنے یہ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں اس سے لوگوں کے ایمان

متزلزل نہ ہو جائیں''۔(۳۴)

کمالین شرح اردو جلالین میں بھی اس کا ذکر ہے۔(۳۵)

فتوحاتِ مکیہ میں بھی ہے: ''اگر میں اس کی تفسیر کروں تو تم مجھے کہو گے میں کافر ہوں۔

اور ایک روایت میں فرمایا: لرجتمونی، یعنی تم مجھے سنگسار کردو۔(۳۶)

ان روایات سے یہ بات پایہء ثبوت کو پہنچتی ہے کہ شریعت کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے، لوگوں کی اہلیت ملاحظہ فرما کے، کچھ سِرّی معاملات کی جانکاری بھی دی ہے۔ کیوں کہ آپ نے صاف فرما دیا تھا کہ لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرو۔

فی الحال میرا مقصد یہ ہے کہ، شعری متون کے سیاق (Context) کو بھی، سِرّی اور مابعدالطبیعیاتی تناظر میں زیرِ مطالعہ لایا جائے۔ نعتیہ شعری سرمائے میں بے شمار ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جن میں کسی امتی نے براہِ راست حضورِ اکرم ﷺ کی جناب میں اپنی علالت کا ذکر کر کے (اگر قضا کا وقت نہیں آیا ہو تو) شِفا پائی ہے۔

حضرت شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن زید، المعروف بہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۹۶ھ) نے اپنی علالت [فالج زدگی] کے لیے حضور ﷺ سے شِفا طلبی کی غرض سے قصیدہ لکھا اور آپ ﷺ کو خواب میں سنایا۔ آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک ان کے جسم پر پھیرا تو بوصیریؒ صحت یاب ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اُنؒ کو ایک چادر عطا فرمائی جو بیدار ہونے کے بعد انھیں اپنے سرہانے نظر آئی۔ بعد ازاں جب وہ گھر سے نکلے تو ایک بزرگ حضرت شیخ ابوالرجاؒ نے ان سے وہی قصیدہ سننے کی فرمائش کی جو انھوں نے رات کو نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ امام بوصیریؒ کو بڑی حیرت ہوئی کہ میرا خواب انھیں بھی معلوم ہے!......اور جب امام بوصیریؒ نے وہ قصیدہ شیخ ابوالرجاؒ کو لکھ کر دیا تو اس کی شہرت چار دانگِ عالم میں ''قصیدۂ بُردہ'' کے نام سے ہو گئی۔(۳۷)

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ابن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۸۲۴ء) نے اپنی بیماری کا حال، صحت طلبی کی غرض سے بحضورِ سرورِ کونین ﷺ، پیش کیا:

اَجِرْنِیْ سَیِّدِیْ مِنْ ضَیْمِ سُقْمٍ   اَشَدُّ عَلَیَّ مِنْ وَّقْعِ الْحُسَام

(مجھے نجات دلوائیے میرے آقاﷺ، بیماری کے ظلم سے جو مجھ پر تلوار کی ضرب سے بھی زیادہ شدید ہے)۔(۳۸)

علامہ آزاد بلگرامی (المتوفی ۱۷۸۶ء) اپنی نعت میں براہِ راست حضورﷺ سے عرض کرتے ہیں:

آزادٌ یرجو من جنابک نظرۃ انجح مرام السّائل المترصّدِ

(آزاد آپﷺ کے درِ دولت پر کھڑا، نگاہِ کرم کا منتظر ہے۔اس سائل کے مقاصد کو برلائیے جو آپﷺ کی عنایت کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہے)۔

اس شعر پر تصورِ حاضر و ناظر کا پَرتَو ہے۔لیکن اسی نعت کے آخری شعر میں شاعر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوا نظر آتا ہے:

یاربّ! اھدلہ سلاما ناضراً مانضّر الامطار نبت الانجُدِ

(اے اللہ! میرا شاداب سلام اُن کی خدمت میں پہنچادے اور اس وقت تک سلام رسانی کا سلسلہ جاری رہے، جب تک بارشیں نشیبی زمینوں کے پودوں کو تازہ کرتی رہیں [یعنی ہمیشہ ہمیشہ])(۳۹)

آزاد بلگرامی کے اشعار سے ان کی کیفیات کی دو جہتیں مترشح ہوئیں۔حالتِ سُکر میں حضورﷺ سے براہِ راست درماں طلبی اور حالتِ صحو میں آپﷺ تک سلام پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔

ایسا ہی ایک مرحلہ علامہ اقبال کی زندگی میں آیا کہ وہ اپنی بیماری سے نجات کے لیے بارگاہِ رسالت مآب میں ملتمس ہوئے۔حیرانگی کی بات یہ ہے کہ سید احمد خاںؒ جن کے مذہبی عقائد میں تعقل کو بڑا دخل تھا) نے خواب میں آکر اقبال کو یہ مشورہ دیا تھا۔اقبال اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''شبِ سہ اپریل ۱۹۳۶ء کو در دارالاقبال بھوپال بودم۔سید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ را، در خواب دیدم۔فرمودند کہ از علالتِ خویش در حضورِ رسالت مآبﷺ عرض کن''......(ترجمہ: تین اپریل ۱۹۳۶ء کی رات کو میں دارالاقبال بھوپال میں تھا کہ سید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خواب میں دیکھا۔انھوں نے فرمایا کہ [اے اقبال] تو

اپنی بیماری کے بارے میں رسالت مآب ﷺ سے عرض کر''۔(۴۰)

یہ خواب دیکھنے کے بعد، اقبال نے مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق لکھی، جس میں پہلے امتِ مسلمہ کا احوال لکھا اور حضور ﷺ کی نگاہِ کرم کی درخواست کی۔ پھر اپنا حال بیان کیا:

در نفس سوزِ جگر باقی نماند   لطفِ قرآنِ سحر باقی نماند

''میری سانس میں جگر کا سوز باقی نہیں رہا۔ میری صبح میں قرآن کی تلاوت کا لطف باقی نہیں رہا''۔(کیوں کہ میری آواز بیٹھ گئی ہے۔ مجھ سے بولا نہیں جاتا......علامہ کا گلا تا دمِ مرگ خراب رہا۔ آواز درست نہیں ہو سکی)۔

آہ زاں دردے کہ در جان وتن است   گوشۂ چشمِ تو داروئے من است

''آہ! اس تکلیف پر جو میرے جان وتن میں ہے، آپ ﷺ کا گوشۂ چشم ہی میرے لیے دوا ہے''۔(آپ کی توجہ ہی میری بیماری کا علاج ہے)

در نسازد با دواہا جانِ زار   تلخ وبویش بر مشامم ناگوار

''میری جانِ زار اب دواؤں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ان دواؤں کی تلخی سے (میرا حلق) اور بو، میری قوتِ شامہ پر گراں ہے''۔

چوں بصیریؒ از تو می خواہم کشود   تا بمن باز آید آں روزے کہ بود

''امام بصیری کی طرحؒ (جن کو آپ کے دستِ شفا بخش سے صحت مل گئی تھی) میں بھی آپ ﷺ کے دستِ شفا بخش سے صحت یابی کا خواہش مند ہوں۔ تاکہ میرا وہ زمانہ واپس آجائے جس میں، میں صحت مند اور فعال تھا''۔

اے وجودِ تو جہاں را نو بہار   پرتوِ خود را دریغ از من مدار

''یا رسول اللہ ﷺ! آپ کا وجودِ مبارک، جہاں کے لیے نئی بہار لانے کا سبب ہے۔ آپ ﷺ مجھے اپنے سایۂ عاطفت کے عکس سے محروم نہ فرمایئے!''(۴۱)

یقین ہے، اگر اقبال کا وقتِ رحلت نہ آگیا ہوتا تو وہ ضرور شفایاب ہو جاتے۔

تصور ''حاضر و ناظر'' کی تفصیل جاننے کے لیے مولانا رومؒ کی مثنوی کے کچھ اشعار یاد ملاحظہ ہوں:

بود در انجیل نامِ مصطفیٰ ﷺ   آن سرِ پیغمبراں بحرِ صفا

''مصطفیٰ ﷺ کا اسمِ گرامی انجیل میں لکھا تھا۔[وہ مصطفیٰ ﷺ] جو پیغمبروں کے سردار بھی ہیں اور صفا کے سمندر بھی''۔

[انجیل میں] آپ ﷺ کا حلیہ مبارک اور آپ کی شکل کا ذکر بھی تھا اور آپ ﷺ کے جہاد، روزے اور کھانے کا بھی ذکر تھا۔ عیسائی آپ کے نام پاک سے ثواب حاصل کرنے کی غرض سے:

بوسہ دادند ے برآں نامِ شریف رُو نہادندے بداں وصفِ لطیف

''[نام پاک و متبرک کو] بوسہ دیتے۔ اُس پاک تعریف پر منہ رکھ دیتے تھے''۔

اندریں قصّہ کہ گفتم آں گروہ ایمن از فتنہ بدند، از شِکوہ

''جس گروہ کا میں نے اس قصے میں ذکر کیا ہے وہ خوف و خطر سے امن میں تھا''۔

ایمن از شَرِّ امیران و وزیر در پناہِ نامِ احمد مستجیر

''[چوں کہ وہ گروہ] آپ ﷺ کے نامِ مبارک کی پناہ میں تھا، اس لیے وہ سرداروں اور وزیروں کے شر سے محفوظ و مطمئن تھا''۔

نامِ احمد ﷺ چوں چنیں یاری کند تا کہ نورش چوں مددگاری کند

''جب حضورِ اکرم ﷺ کا نامِ نامی اسمِ گرامی انسانوں کی اس طرح مدد کرتا ہے تو آپ ﷺ کے نور سے کس قدر مدد نہیں ملتی ہوگی!'' (۴۲)

اسرارِ رسالت مآب ﷺ جاننے کی غرض سے، اقبال نے جاوید نامہ میں حسین بن منصور حلاّج سے سوال کیا:

از تو پرسم، گرچہ پرسیدن خطاست سرِّ آں جوہر کہ نامش مصطفیٰ ﷺ ست!

''(اے حلاّج!) میں دریافت کرنا چاہتا ہوں، اگر چہ یہ سوال کرنا خطا ہے [تاہم میں دریافت کرنے میں معذور ہوں] کہ اس جوہر کا بھید کیا ہے جس کا نام مصطفیٰ ﷺ ہے''۔

آدمے یا جوہرے اندر وجود آں کہ آید گاہے گاہے در وجود؟

''وہ آدم ہے یا وجود کے اندر کوئی جوہر ہے، جو کبھی کبھی وجود میں آتا ہے۔ حضور ﷺ بشری شکل میں آنے کے باعث، بنی نوعِ آدم سے ہیں، یا کبھی کبھی وجود میں

آنے والا جوہر۔یعنی صرف آپ ﷺ کی ذات میں یہ جوہر ظاہر ہوا ہے''۔

(یاد رہے: اقبال کے سوال میں ،حقیقتِ محمدیہ کا ذکر ہے۔بشری صورت میں حضورِ اکرم ﷺ کا ظاہر ہونا،الگ چیز ہے)

اقبال کے سوال کے جواب میں حلاّج کا طویل کلام ہے:

پیشِ اُو گیتی جبیں فرسودہ است　　خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است!

''اُن [محمد مصطفیٰ ﷺ] کے سامنے کائنات جبیں جھکائے ہوئے ہے۔انھوں نے اپنے آپ کا تعارف ''عبدہٗ'' کہہ کر کرایا ہے''۔

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم،اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ا۔ایک وقت تھا جب خدا تھا اس کے سوا کوئی نہ تھا۔اس مقام کو احدیت کہتے ہیں۔

۲۔اُس نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو اس نے خود پر تجلّی فرمائی اور اپنی صفات کے آئینے میں خود کو دیکھا۔یہ مقام،مقامِ وحدت کہلاتا ہے۔اسے ہی حقیقتِ محمدی ﷺ کہا جاتا ہے۔

۳۔جب اُس نے اپنا غیر یعنی کائنات،تخلیق کرنا چاہی تو اس حقیقتِ محمدی ﷺ یا تعیُّنِ اول سے تعیُّنِ ثانی میں ظہور فرمایا۔اسے مرتبۂ واحدیت کہتے ہیں اور اس طرح کل کائنات کو وجود بخشا۔اس وجودِ کائنات کا اصل سبب،تعیُّنِ اول یعنی حقیقتِ محمدی ﷺ بنا جس میں اللہ تعالیٰ اپنا اجمالی مشاہدہ کرتا رہا۔یہ حقیقتِ تعیُّنِ اول ''نورِ محمد ﷺ'' بھی کہلاتی ہے[۴]۔چونکہ سب اشیا کا ظہور اس نور سے ہوا ہے اس لیے حلاّج نے اس شعر میں کہا ہے کہ ساری کائنات،اس کے آگے سربسجود ہے......یہی وہ جوہرِ نور مصطفیٰ ﷺ ہے جو ہر شے کے وجود کا سبب ہے۔

عبدہٗ از فہمِ تو بالا تر است　　زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است!

''عبدہٗ تیری فہم سے بالاتر ہے۔کیوں کہ وہ آدم بھی ہے اور جوہر بھی ہے''۔

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے،قرآنِ کریم میں ''عبد یا عباد......بندوں یا اپنے بندوں'' کا جگہ

جگہ ذکر کیا ہے لیکن قرب کے جس مقام کا عبدہٗ کے لفظ میں بیان ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا ہے۔ اس مقام کا کسی کی فہم بھی احاطہ نہیں کرسکتی، کیوں کہ وہ دوسرے عباد کی طرح صرف بنی نوعِ آدم ہی میں سے نہیں ہیں، بل کہ جو ہر بھی ہیں، نور بھی ہیں''۔

عبدہٗ چند و چگونِ کائنات　　عبدہٗ رازِ درونِ کائنات !

''عبدہٗ کائنات کا چند و چگون یعنی اس کی حقیقت ہے۔ عبدہٗ کائنات کے اندر کا راز ہے (یہی وجہِ تخلیقِ کائنات ہے''۔(۴۳)

درج بالا تشریحات کی روشنی میں جب ہم اقبال کو یہ کہتا دیکھے ہیں:

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب　　گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب

تو یہ کہنے اور سمجھنے میں ہرگز غلطی نہیں کرتے کہ یہ شعر ''حقیقتِ محمدیہﷺ'' کی تفہیم کا عکاس ہے۔ قلم، عقل، لوح، ہر شے کی پیدائش کے پیچھے حقیقتِ محمدی ہے، اس لیے اشیاء کے اسماء کا ذکر استعاراتی انداز میں کر کے براہِ راست کہہ دیا گیا کہ یہ سب اشیاء دراصل آپﷺ کی ذات کی شناخت کی مختلف نشانیاں ہیں۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

''سب کچھ آپﷺ ہی کے وجودِ مسعود کی بدولت عالمِ وجود میں آیا۔ اگر آپ]ﷺ نہ ہوتے تو نہ لوح ہوتی نہ قلم ہوتا اور نہ کتاب ہوتی۔ آپﷺ کی شان کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ یہ آسمان جس کے طول و عرض کا کچھ پتہ نہیں ہے، آپﷺ کے محیط میں اس کی حقیقت ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں ایک بُلبُلا''۔ (۴۴)

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر　　وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اس شعر میں حقیقتِ محمدیہﷺ کا نورِ اولیں اور نبوت کا مختتم ہونا بھی آ گیا اور قرآن و فرقان کا اسمِ مصطفائی ہونا بھی مذکور ہوا۔ یٰسین و طٰہٰ تو اکثر مفسرین نے حضورﷺ کے اسمائے مبارکہ ہی بتائے ہیں۔ اسی سیاق (Context) میں اقبال حضورﷺ سے مخاطِب ہوتے ہیں:

با خدا در پردہ گویم باتو گویم آشکار　　یا رسول اللہﷺ او پنہاں و تو پیدائے من

''یا رسول اللہ ﷺ میں خدا سے تو پردے میں بات کرتا ہوں کیوں کہ وہ میرے ادراک سے ماورئ ہے۔ لیکن آپ ﷺ سے برملا عرض پرداز ہوں کہ آپ ﷺ میرے سامنے ظاہر ہیں''۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اقبالؒ سے انھوں نے اس شعر کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے یہ نکتہ بیان کیا:

''عقل تو کسی شخص کے دل میں خدا کی ہستی کا یقین نہیں پیدا کر سکتی۔ میں اگر خدا پر ایمان رکھتا ہوں تو محض اس لیے کہ میرے آقا اور مولیٰ ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ خدا موجود ہے......اگر حضور ﷺ کا وجود نہ ہوتا تو ہم کہاں ہوتے؟ میرے لیے تو جو کچھ ہیں وہ حضور ﷺ ہی ہیں۔ میرا دین، میرا ایمان، میری روح، میری جان سب کچھ آپ ﷺ ہی ہیں۔ اس کے بعد اپنا یہ شعر پڑھا:

قوتِ قلب و جگر گردد نبی ﷺ — از خدا محبوب تر گردد نبی ﷺ'' (۴۵)

''نبی علیہ السلام دل و جگر کی طاقت بن جاتے ہیں......اور اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں (رموزِ بیخودی، [رکن، دوم ''رسالت'']''

اقبال کا یہ بیان، صرف زبانی کلامی نہیں تھا، بلکہ یہ ان کا عقیدہ تھا۔ یہ عقیدہ بھی ان کی دائمی کیفیتِ حضوری کی اساس پر قائم ہوا تھا۔ غالبًا اسی شعر کی کچھ وضاحت ان کے ایک مکتوب میں ملتی ہے جو انہوں نے خان نیاز الدین خان کو لکھا تھا:

''میرا عقیدہ ہے کہ نبیٔ کریمؐ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہؓ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں''۔ (۴۶)

حضورِ اکرم ﷺ سے براہِ راست استغاثہ کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اقبال ''روحِ محمدی ﷺ'' کو حاضر و ناظر جانتے تھے:

شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر! — اب تو ہی بتا' تیرا مسلمان کدھر جائے
وہ لذّتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں — پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد — اِس کوہ و بیاباں سے حُدی خوان کدھر جائے

اِس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ! آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

(۴۶۔الف)

اقبال کی نظم ''حضورِ رسالت مآب ﷺ میں'' از ابتدا کا انتہا، اُن کی کیفیتِ حضوری اور وارداتِ روحانی کی آئینہ دار ہے

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزمِ رسالتؐ میں لے گئے مجھ کو حضورِ آیۂ رحمتؐ میں لے گئے مجھ کو
کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز! کلی کلی ہے تری گرمیٔ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوش ِ جامِ وِلا ہے دل تیرا فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اُڑا جو پستیٔ دنیا سے تو سوئے گردوں سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز
نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟
''حضورﷺ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے، جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

(۴۶۔ب)

حقیقتِ محمدیہ ﷺ کا پَرتو، ہمیں غالب کے اس شعر پر بھی نظر آتا ہے:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی (۴۷)

شاہ نیاز بے نیازؒ نے حقیقتِ محمدیہ ﷺ کو کس انداز سے شعری قالب میں ڈھالا ہے، ملاحظہ ہو:

بے تعیُّن بود کنزِ مخفی اندر گنجِ غیب در تعیُّن آمد آں گنجینۂ اسرارِ ما

''غیب کے خزانے میں وہ ''کنزِ مخفی'' [چھپا ہوا خزانہ] بغیر تعیُّن کے تھا [جب اس نے ظہور چاہا] تو وہ اسرار کا خزانہ تعیُّنات کی شکل میں ظاہر ہوا''۔

جلوۂ نورے نمود و نورِ احمدؐ نام ساخت پس بود احمدؐ احد از روئے ایں گفتارِ ما

''اپنے نور کا جلوہ اس نے ظاہر کیا اور اس کا نام ''نورِ احمدؐ'' رکھا۔ پس ہماری اس گفتگو کے مطابق احد اور احمد ایک ہی ہیں''۔

از تعیُّن اوَّل و وحدت بیانے کردہ ام اے نیازآ ور بگوش ایں گوہرِ شہوارِ ما

''میں نے یہاں ''تعین اول'' اور وحدت کا بیان کیا ہے۔ اے نیاز ہماری، بادشاہوں کے قابل موتیوں کے متعلق گفتگو کو توجہ سے سن [یعنی ہمارے الفاظ ایسے موتیوں کی طرح ہیں جن کی قدر بادشاہ ہی کرسکتا ہے]'' (۴۸)

صوفیا کرام کے اظہاری نکتوں کی روشنی میں صوفیانہ واردات کی نفسیات کی کچھ جانکاری حاصل کرنے کے لیے ولیم جیمز سے رجوع کرتے ہیں:

معروف امریکی نفسیات داں اور فلسفی ولیم جیمز اپنی کتاب ''نفسیاتِ وارداتِ روحانی'' میں لکھتا ہے:

''حالت مستی میں صوفی کو ماورائے عقل وحس حقائق کا ادراک ایسا ہی براہِ راست اور یقینی ہوتا ہے جیسا کہ کوئی شخص ہاتھ سے کسی چیز کو چھو کر اس کے وجود حقیقی کو سمجھتا ہے'' (۴۹)

آگے وہ لکھتا ہے کہ ''تمام مذاہب کے صوفی اس میں ہم نوا ہیں، کہ اس حالت کے بیان کے لیے نہ کوئی زبان ہے اور نہ کوئی فہم کے سانچے۔'' (۵۰)

لیکن اس نے ان ساری باتوں سے پہلے ان واردات کے حوالے سے بڑے پتے کی بات یہ لکھ دی کہ

''اگر کوئی شخص بیان کرنے کی کوشش کرے تو لازماً اس کے الفاظ میں کفر و گناہ کا انداز ہو جائے گا''۔ (۵۱)

ایک مقام پر جیمز نے یہ بھی بتایا ہے کہ

''عیسوی کلیسا میں بھی صاحبِ حال لوگ ہمیشہ رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کو تو کلیسا نے شبہ کی نظر سے دیکھا، لیکن بعض، کلیسا کے ارباب کے نزدیک مقبول قرار پائے۔ مقبولوں کے تجربات کو کلیسا نے منضبط کرلیا۔ اس سے ایک صوفیانہ دینیات مرتب ہوگئی جس میں تمام جائز باتوں کو شریک کرلیا گیا''۔ (۵۲)

صوفیانہ واردات کا اثر صوفیانہ لٹریچر پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ صوفی، حمد لکھے، نعت لکھے یا

منقبت لکھے اس کی شعری زبان ہمیشہ اس کی روحانی واردات کا آئینہ ہوتی ہے۔صوفی وہی لکھتا ہے جس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ایسے اظہار میں اسے شریعت کی حدود کا بالکل خیال نہیں رہتا۔

ایسی صورت میں صوفیانہ تحریریں پڑھنے والے قاری یا ناقد کو چاہیے کہ وہ اس کے بیان میں شریعت سے متصادم خیالات کی نشاندہی کرتے ہوئے کوئی فتویٰ صادر کرنے کے بجائے یہ کہہ دے کہ یہ خیالات ''شطحیات'' کے ذیل میں آتے ہیں۔خواجہ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں:

لاجرم دیوانہ را گرچہ خطاست ہر چہ می گوید بگُستاخی رواست (۵۳)

''دیوانہ مجبور ہے حالاں کہ اس کا بولنا خطا ہے لیکن ایسی دیوانگی میں ہر قسم کی گستاخی اس کے لیے جائز ہے''۔

یعنی شطحیات کے حوالے سے صاحبِ حال پر کوئی شرعی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ تو مجبور ہے۔

شطحیات کیا ہے؟......یہ جاننے کے لیے حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ سے رجوع کرتے ہیں:

''شطحیات: جمع ہے شطح کی۔یہ وہ کلمات ہیں جو صوفیائے کرام کی زبان سے مستی وشوق وغلبۂ حال میں بے اختیار صادر ہوجاتے ہیں، جو بظار شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر باطناً کسی سِرّ کی جانب اُن میں اشارہ ہوتا ہے''۔(۵۴)

یہی وجہ ہے کہ غلبۂ حال میں جب نعت لکھی جاتی ہے تو اس میں پردۂ ''میم'' کو ہٹا کر حضورﷺ کی ذات میں شانِ الوہیت دیکھی جاتی ہے۔لیکن سالک اس روش کو خلافِ شریعت جانتے ہیں۔شاہ نیاز بے نیاز کا یہ شعر جو پہلے نقل ہو چکا ہے، احمد اور احد کے حوالے سے صوفیانہ متن کا حامل ہے:

جلوۂ نورے نمود ونورِ احمدؐ نام ساخت پس بود احمدؐ احد از روئے ایں گفتارِ ما

(اپنے نور کا جلوہ اس نے ظاہر کیا اور اس کا نام ''نورِ احمدﷺ'' رکھا۔پس ہماری اس گفتگو کے مطابق احد اور احمد ایک ہی ہیں)۔(۵۵)

اس شعر میں احمدﷺ کو احد کے درجے پر رکھا گیا ہے، جو شریعت کے خلاف ہے۔ تاہم، اس متن کی قراءت، شطحیات کی روشنی میں کی جائے گی، شاعر کے لیے کوئی سخت فتویٰ نہیں

لگایا جائے گا۔ یہاں ہمیں ولیم جیمز کے یہ الفاظ [جن کا حوالہ پہلے بھی آیا ہے] ذہن میں رکھنے چاہئیں:

[سکر کی حالت میں اپنے مشاہدات کو] ''اگر کوئی شخص بیان کرنے کی کوشش کرے تو لازماً اس کے الفاظ میں کفر و گناہ کا انداز ہو جائے گا''۔(۵۶)

اردو میں بھی بہت سارے شعرا نے ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ اگر ان کا حال تھا تو ''شطحیات'' کے زُمرے میں آئے گا اور اگر صرف صوفیا کی نقالی تھی تو انھیں خود اپنی نفسی کیفیت پر خجل ہونا پڑے گا!

روئے احمد سے نہ اے قیسؔ اُٹھا پردہ ءمیم ورنہ ہر کوئی یہ کہتا کہ خدا کو دیکھا
(قیس رامپوری)

یہاں شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ ''روئے احمدؐ سے میم کا پردہ اٹھا ہی نہیں''......اگر یہ پردہ اٹھ جاتا تو ''ہر کوئی یہ کہتا کہ خدا کو دیکھا''!...... یہ نکتہ بھی پیشِ نظر رہے کہ شاعر مبہم الفاظ میں ''حقیقت آشنائی'' کا دعویٰ کر رہا ہے۔

کرم ایلچ پوری نے تو صاف صاف کہہ دیا:

احد احمدؐ میں خود جلوہ نما ہے نقابِ میم رُخ پر لے لیا ہے (۵۷)

بعض علماء اپنے تئیں شریعت کے محافظ بن کے کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو 'یا' سے ندا کرنا شرک ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ نماز میں تشہد کے موقع پر برملا یہ الفاظ کہے جاتے ہیں: ''**السَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہ**' (سلام آپ ﷺ پر اے نبی ﷺ اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں)۔

یہاں تو صریح صیغہء واحد حاضر میں کلام ہوتا ہے تو عام ندائی کلمات، کیسے شرک ہو سکتے ہیں؟

پھر یہ کہ ہر شاعر ہمیشہ اپنے محبوب کو اس کی غیر موجودگی میں، شعری زبان میں اس طرح پکارتا ہے جیسے وہ اس کے سامنے بیٹھا ہو۔ کیا کبھی کسی نے یہ سوچا ہے کہ میر تقی میرؔ نے یہ اشعار اپنے مجازی محبوب کی موجودگی میں کہے ہوں گے؟

ہر نقشِ قدم پر ترے سر بیچے ہیں عاشق　　　ٹک سیر تو کر آج تو بازارِ محبت (۵۸)

جانیں ہیں فرشِ رہ تری، مت ہال ہال، چل　　　اے رشکِ حور آدمیوں کی سی چال چل (۵۹)

بیچ میں ہم ہی نہ ہوں تو لطف کیا　　　رحم کر، اب بے وفائی ہوچکی (۶۰)

بیشتر شعرا نے شکوے گلے کیے ہیں اور محبوب کی غیر موجودگی میں کیے ہیں۔ لیکن اشعار میں ہمیشہ محبوب سے اس طرح تخاطب کیا ہے جیسے وہ ان کے سامنے موجود ہو!......لہٰذا شعرا سے تخاطب کا انداز بدلنے کو نہ کہا جائے۔

دراصل عشق کا خاصّہ ہی یہ ہے کہ عاشق محبوب کو ہمیشہ اپنے روبرو محسوس کرے۔ نعت گو شعرا بھی، اگر قلبی طور پر اس طرح کی حضوری کی کیفیت محسوس کریں تو ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ بلاقیدِ مسلک، بیشتر شعرا نے ندائیہ شاعری کی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نعتیہ قصیدہ کہا تو ''اَنْتَ''، ''اَنْتَ'' کہا:

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ　　　کَلَّا وَ لَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَ

(آپ ﷺ وہ ہیں کہ اگر نہ ہوتے تو کوئی شخص نہ پیدا کیا جاتا، بل کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو کُل کائنات ہی نہ ہوتی)

اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُّوْرِکَ الْبَدْرُ اکْتَسٰی　　　وَالشَّمْسُ مَشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بِهَاکَ

(آپ ﷺ وہ ہیں کہ آپ ﷺ کے نور سے، چاند نے نور حاصل کیا اور سورج روشن ہے آپ ﷺ ہی کے جمال سے)(۶۱)

صوفیا کرام کی نعت نگاری کا یہ پہلو بھی پیشِ نظر رہے کہ وہ مدحتِ رسول ﷺ میں زیادہ تر آپ ﷺ کی شان اور عظمت کی گفتگو کرتے ہیں اور ان کے بیان میں بیشتر، حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، ہی کا عکس ہوتا ہے۔

خواجہ محمد یوسف علی عزیز الاولیاء سلیمانیؒ کے سلام کے اشعار ملاحظہ ہوں:

نورِ ظاہر کی صورت پہ لاکھوں سلام　　　حُسنِ باطن کی سیرت پہ لاکھوں سلام

آپ ﷺ عینِ خدا ہیں نہ غیرِ خدا　　　وحدت آرا حقیقت پہ لاکھوں سلام

حق نوا حق لِقا حق ادا حق نما　　　حق کی عینِ مشیّت پہ لاکھوں سلام

شجرۂ انبیاء کا گُلِ سر سبد　　　نوبہارِ رسالت پہ لاکھوں سلام

وصلِ قوسین ہے رویتِ آئینہ دیدو ،وادید خلوت پہ لاکھوں سلام
حق کے قہر و غضب پر ہے چھائی ہوئی شانِ مہرو محبت پہ لاکھوں سلام
جس سے قائم ہے دیں جس سے قائم جہاں اُس شفیعِ قیامت پہ لاکھوں سلام (۶۲)

حُسنِ یوسفؑ کا بھی شہرہ تھا بجا لیکن عزیزؔ!
دل کو وہ حُسنِ محمد ﷺ کی ادا بھائی کہ بس (۶۳)

پیر نصیرالدین گولڑوی فرماتے ہیں:

ازل کے نور کو جب اُس میں آشکار کیا خود اپنی ذات پہ خالق نے افتخار کیا
جبینِ ذرّہ میں سورج سجا دیئے تو نے شبِ سیہ کو تجلی سے ہم کنار کیا
ترے جمال نے بخشا تصوّرات کو نور ترے خیال نے ذہنوں کو اُستوار کیا
تری شبیہ کی تکمیل پر مصوّر نے خود اپنے فن کو تری ذات پر نثار کیا (۶۴)

شرف یابِ معیّت ، واقفِ آدابِ اَو اَدْنیٰ
شہِ والّیل مُو، والشّمس طلعت، والضّحیٰ سیما
یہ کس کا نور تھا جو کرگیا روشن دل و جاں کو
تصوّ ر سے یہ کس کے جگمگا اُٹّھی شبِ یلدا
ترے بحرِ حقیقت میں نمود اپنی حبابی ہے
ترے ہونے سے قائم ہوں، مرا ہونا نہ ہونا، کیا (۶۵)

ازل سے اُن ﷺ کی تجلی مری نگاہ میں ہے
یہ جانتا ہوں کہ ''بس اُن ﷺ کو جانتا ہوں میں''
ہمیشہ فضلِ خدا سے نصیب ہوتی ہے
جو چیز اُن ﷺ کے وسیلے سے مانگتا ہوں میں
نصیرؔ! اُن ﷺ کی عنایت ہے دم بہ دم مجھ پر
نوازتے ہیں وہی مجھ کو، ورنہ کیا ہوں میں (۶۶)

اس بات کا بھی خیال رہے کہ فی زمانہ خود کو عارف ظاہر کرنے کے لیے کچھ نقال بھی ایسے شعر کہنے لگے ہیں جیسے

وہ اپنا حال بیان کررہے ہوں۔اس لیے اصل اور نقل کی تمیز بھی ملحوظ رہے تو بہتر ہے۔ حضرت جلال الدین رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

بود انا الحق در لبِ منصور نور

بود انا اللہ در لبِ فرعون زُور

(منصور حلاّجؒ کے لب پر انا الحق کا کلمہ نور کی حیثیت رکھتا ہے جب کہ فرعون کے لب پر انا اللہ! کا کلمہ دروغ گوئی کی مثال ہے)(۶۷)

صوفیانہ یا عارفانہ نعتیہ متون (Texts) کے حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ پیش کرنا ہے کہ ہندو پاک میں چوں کہ صوفیا کرام کی کاوشوں سے دینِ اسلام پھیلا تھا، اس لیے یہاں کے عوام اور خواص نے مقامِ رسالت مآب ﷺ کو بھی عرفانی نکتہ نظر کی روشنی میں سمجھا۔پھر یہاں مسلمانوں کو ہندوؤں اور انگریزوں کی سازشوں کے دفاع میں، ایمانیاتی سطح پر حضور ﷺ کی محبت کے جذبے کو مقدم رکھنے کی شعوری کوششیں کرنی پڑیں۔نتیجتاً شاعری میں بھی عرفانی روایت کا تصورِ رسالت، شعری متون میں جھلکنے لگا۔عرفانی روایت کی تشریح کے لیے ڈاکٹر صاحبزادہ احمد ندیم کے ایک مضمون سے اقتباس پیشِ خدمت ہے:

''عرفانی روایت میں انسان مظہرِ حق ہے اور انبیائے کرام حق کے کامل ترین مظاہر ہیں اور سیّدِ کائنات ﷺ اوّل الخلق ہیں۔نورٌ من اللہ' حق تعالیٰ کے مظہرِ کامل اور انسانِ کامل ہیں۔حق تعالیٰ کی معرفت محض آپ ﷺ کے وسیلے سے ہی ممکن ہے۔ہر مشکل میں آپ ﷺ سے استغاثہ کیا جاتا ہے اور آپ ﷺ تمام نوعِ انسان کے لیے انعاماتِ ربّانی کا سبب اور وسیلۂ ربوبیت ہیں۔آپ ﷺ بے مثل و بے مثال ہیں۔اللہ کریم نے آپ ﷺ کو ان تمام اوصافِ جمیل سے متصف کیا ہے جو اس کے برگزیدہ بندوں کے شایانِ شان ہیں اور تمام انبیاء و رُسُل میں آپ ﷺ خلقت کے اعتبار سے اول اور بعثت کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔تمام انبیاء و رُسُل کے جملہ فضائل و کمالات آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں درجۂ کمال پر ہیں۔آپ تمام انبیاء کے مقتدا اور ان کے فریادرس ہیں۔عرفانی روایت میں نبیءِ کریم ﷺ کی شانِ مظہریت پر خصوصی اصرار نظر آتا ہے''۔(۶۸)

میں نے صوفیانہ واردات کے زیرِ اثر کی جانے والی شاعری کا سیاق (Context) دکھانے کی غرض سے صرف چند پہلوؤں پر بات کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ''حالتِ سُکر'' میں کی جانے والی شاعری کو اِسی تناظر (Perspective) میں پرکھا جانا چاہیے۔ شریعت سے متصادم خیال کی نشاندہی تو کی جاسکتی ہے، لیکن کوئی فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا۔ کم ازکم میں اس فتویٰ بازی کے خلاف ہوں۔

ان تمام معروضات کے بعد عرض یہ کرنا ہے عوام کے سامنے صوفیانہ نظریات کے اظہار سے عقائد میں بگاڑ پیدا ہوسکتا ہے، حال اور قال کا فرق واضح نہ ہونے کے باعث ہر کہہ ومہہ ایسے خیالات کے اظہار میں بے باک ہوسکتا ہے ۔اس لیے مستقبل میں صوفیانہ کلام کی اشاعت کرتے ہوئے کم ازکم یہ کہہ دیا جائے کہ اس کلام میں شاعر کے ذاتی مسلک، اس کی روحانی واردات اور عرفانی فکر کی عکاسی ہے، جسے عمومی عقیدہ نہیں بنایا جاسکتا۔ صوفیا کرام میں پاسِ شریعت کا جذبہ دیکھنا ہوتو پیر نصیؔر الدین نصیؔر ہی کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

ٹکّر نہ لے نبی ﷺ کی شریعت سے ، ہوش کر!
دوزخ میں جھونکتی ہے یہ ٹھوکر لگی ہوئی (۶۹)

☆☆

مآخذ؍منابع

(۱)ولیم جیمز،نفسیاتِ وارداتِ روحانی، ترجمہ: خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر،مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور،طبع دوم:نومبر ۱۹۶۵ء،ص۶۰۸ ....(۲)تفسیرنورالعرفان،احمد یارخاں نعیمی بریلویؒ......

(۳)مثنویٔ مولویٔ معنوی،دفتر اول،الفیصل ناشرانِ کُتُب ،لاہور،جولائی ۲۰۰۶ء،صفحات ۳۸۶۔۳۸۷......

(۴) قاضی سجّاد حسین، مترجم،مثنویٔ مولویٔ معنوی،ص۳۸۴............(۵)شاہ عبدالحق صاحب دہلویؒ، بارہ کمرے،مشمولہ: ماھنامہ تاج،کراچی،فروری ۱۹۶۰ء،ص۲۳............(۶)ایضاً......(۷)العلامہ احمد بن مبارک سلجماسیؒ،خزینۂ معارف، [ابریز]اردو ترجمہ :ڈاکٹر پیر محمد حسن ،احمد بُک کارپوریشن ، راولپنڈی،س۔ن، ص۱۶۶......(۸)حدیث ۵۵۰۳،مشکوٰۃ شریف،مترجم،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،ص۱۱۷

(۹)پیرمحمد کرم شاہ الازہری،ضیاءالقرآن،جلداول،ضیاءالقرآن پبلی کیشنز،لاہور،ص۴۵۳

(۱۰)ابی البرکات عبداللہ بن احمد بن محمودالنسفی،تفسیرِ مَدارک،جلداول:ص۳۳۷......

(۱۱) کمالین شرح جلالین ، جلد دوم،ص۴۲،۴۴......(۱۲)مولانا محمد اکرم اعوان، اسرارالتنزیل، جلد دوم، ص۱۶۹......(۱۳)تفسیرِ احسن البیان،دارالسلام پبلشرز، ریاض،ص295 ......(۱۴)احسن البیان،ص997

(۱۵)علامہ سیداحمد سعید کاظمی،مقالاتِ کاظمی،ج ا،بزمِ سعید،ملتان،ص63............(۱۶) مولانا غلام رسول سعیدی،مقالاتِ سعیدی،فرید بک سٹال، لاہور،ستمبر۱۹۹۵ء،ص۱۳۸......بحوالہ: علامہ محمود آلوسی بغدادی، روح المعانی جلدا،ص۵۱......(۱۷)(ایضاً)......(۱۷)علامہ سیداحمد سعید کاظمی، مقالاتِ کاظمی،جلد اول،بزمِ سعید، ملتان......(۱۸)علامہ ابوالتراب محمد ناصرالدین ناصر،شرحِ درودِتاج، پروگریسو بکس،لاہور،س۔ن۔ص571

(۱۹)مولانا اشرف علی تھانوی،نشرالطِّیب فی ذکرالنبی الحبیب،تاج کمپنی،کراچی،ص۶۔

(۲۰)سنن ابی داؤد، باب فی القدر، تقدیر،جلدسوم،حدیث 4078،ضیاالقرآن پبلی کیشنز،لاہور،ص426۔

(۲۱)فتوحاتِ مکیہ، حصہ دوم،محی الدین ابنِ عربی،فتوحاتِ مکیہؒ ،مترجم: علامہ صائم چشتی،علی برادران تاجرانِ کتب، فیصل آباد،مئی 1991ء،ص۲۷۷............(۲۲)شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ،الفیصل ناشران، لاہور،اگست ,2006،جلداول،ص91............(۲۳)محی الدین ابنِ عربی،فتوحاتِ مکیہؒ ،مترجم: علامہ صائم چشتی،جلددوم: علی برادران تاجرانِ کتب، فیصل آباد،مئی 1991ء،ص202......

(۲۴)شاہ سید محمد ذوقی،سرِّ دلبراں،محفلِ ذوقیہ،کراچی،طبعِ پنجم:۱۴۱۸ھجری،ص۴۵۸

(۲۵) علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، جلد اول، ضیاء القرآن، لاہور، ص ۲۲۹۔
(۲۶) تفسیر مظہری (اردو) حصہ ۱۲، ص ۲۶......(۲۷) سرِّ دلبراں، ص ۳۷۷......
(۲۸) شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی، فتوحاتِ مکیہ، مترجم: علامہ صائم چشتی، علی برادران تاجر کتب، فیصل آباد، ۱۹۸۶ء، جلد اول: ص ۸۸............(۲۹) فتوحاتِ مکیہ، سوم، ص ۳۲۔
(۳۰) عبدالحق محدث دہلویؒ، مداج النبوت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست 2005ء، ص ۱۸۷
(۳۱) (مدارج النبوت، ج ا۔ ص 230. ....(۳۲) صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر ۱۲۰، جلد اول صفحہ ۱۴۹............(۳۳) تفسیرِ ابنِ کثیر، جلد ۵، ص 364............(۳۴) تفہیم القرآن، جلد ۵، ص ۵۸۲۔
(۳۵) کمالین شرح اردو جلالین، جلد ۶، ص ۵۵۹............(۳۶) فتوحاتِ مکیہ، جلد دوم، ص ۲۹۰۔
(۳۷) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فضائل و برکات درود و سلام مع قصیدۂ بردہ شریف، صاحبزادہ محمد حنیف رضا نقشبندی، بک کارنر، جہلم، مارچ ۲۰۱۶ء، صفحات ۲۴۹۔۲۹۷............(۳۸) نقوش رسول نمبر، جلد ۱۰، ص ۲۵۸
(۳۹) نقوش رسولؐ نمبر، جلد ۱۰، ص ۲۶۲............(۴۰) محمد شریف بقاء، اقبال بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں، البدر پبلی کیشنز، لاہور، نومبر ۲۰۲۳ء، ص ۱۵۷......(۴۱) علامہ اقبال، مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق، ، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص ۸۷ (۴۲) مولانا جلالُ الدین
رومیؒ، مثنویٔ مولویٔ معنوی، دفترِ اول، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، جولائی ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۵............(۴۳) اقبالؒ، جاوید نامہ، شرح: ڈاکٹر الف۔د۔نسیم، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص ۱۸۴/۱۰۲۰............(۴۴) شرحِ بالِ جبریل عشرت پبلیسنگ ہاؤس، لاہور، س۔ن، ص ۵۵۵............(۴۵) پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرحِ پیامِ مشرق، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، س۔ن، ص ۵۱۸............(۴۶) مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خان، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء، ص ۶۰............(۴۶۔الف) اے روحِ محمد ﷺ! کلیاتِ اقبال، اردو، سروسز کلب، ۱۹۹۵ء، ص ۵۱۰............(۴۶۔ب) حضورِ رسالت مآبؐ میں، کلیاتِ اقبال، اردو، ص ۱۹۷
(۴۷) دیوانِ غالب کامل، مرتبہ: کالی داس گپتا رضا، انجمنِ ترقی اردو پاکستان، کراچی، اشاعتِ چہارم: ۲۰۱۲ء، ص ۳۳۹............(۴۸) ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی، شاہ نیازؒ کا فارسی کلام۔ ترجمہ و تشریحات، ویلکم بک پورٹ، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص ۴۹......(۴۹) ولیم جیمز، نفسیاتِ وارداتِ روحانی، مترجمہ:

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم،مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور،طبع دوم: نومبر ۱۹۸۵ء،ص۵۹۰............(۵۰) ایضاً ص۵۹۱...... (۵۱) ایضاً ص۵۸۹............(۵۲) ایضاً ص۵۹۱............(۵۳) سرِ دلبراں ص۲۳۳............(۵۴) ایضاً ص۲۳۲............(۵۵) شاہ نیازؒ کا فارسی کلام ، از ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی، اشاعتِ دوم: ۲۰۰۷ء ،ص۴۹) (۵۶) وارداتِ روحانی، ص۵۸۹............(۵۷) کرم ایلچپوری ،آئینہ............(۵۸) میر تقی میرؔ، دیوانِ اول،مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، جون ۱۹۸۶ء،ص۲۱۸............(۵۹) (ایضاً ص۳۸۳)۔

(۶۰) (ایضاً ص۴۱۱)............(۶۱) (مشمولہ: فضائل و برکات درود وسلام،ص۳۰۱۔

(۶۲) سید صداقت علی،جگر عزیز سلیمانی، تذکرۂ خواجہ عزیز الاولیاء سلیمانی (محقق پاکستانی) رحمۃ اللہ علیہ،خواجہ عزیز الاولیاء سلیمانی ٹرسٹ، لانڈھی، کراچی، اکتوبر ۱۹۹۶ء،ص۸............(۶۳) ایضاً ص۶۳

(۶۴) پیر سید نصیر الدین نصیرؔ، دِیں ہمہ اوست،مہریہ نصیریہ پبلیشر ، گولڑہ شریف،۲۰۰۰ء،ص۶۷

(۶۵) ایضاً ص۳۱۰............(۶۶) ایضاً ص۱۶۸............(۶۷) مفتاح العلوم،شرح مثنوی مولٰنا رومؒ،مولانا محمد نذیر عرشی نقشبندی مجدّدی، شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجرانِ وناشرانِ کتب، لاہور، جلد پنجم، دفترِ دوم، حصہ اوّل،ص۱۳۰ (۶۸) ڈاکٹر صاحبزادہ احمد ندیم، محامدِ خاتم النبیین کا اعتقادی بیانیہ،نو تاریخی تناظر،مشمولہ: امیر مینائی کی نعت، کا مطالعاتی تناظر،مرتبہ: صبیح رحمانی، اکادمی بازیافت، کراچی، اکتوبر ۲۰۲۱ء،ص۱۸۱۔

(۶۹) پیر سید نصیر الدین نصیرؔ، دِیں ہمہ اوست ص۳۲۲

☆☆☆

تخلیقی ادب کے تقاضے، شعرا، اور ناقدین!

راقم الحروف نے ایک عرصے تک نقدِ شعر کے مختلف پیرائے اپنائے۔ لیکن ابتدا میں (Legislative Criticlsm) ''قانون ساز تنقید'' کی روشنی میں نعتیہ متون کی جانچ پڑتال کو اپنا وظیفہ بنایا تھا کیوں کہ نعت گوئی کے میدان میں آنے والے بیشتر شعرا نے نہ تو متن کی تقدیسی حیثیت کو پہچانا تھا اور نہ ہی فنی تقاضوں کی طرف دھیان دیا تھا۔ آج بھی مجھے مجبوراً یہی منہاجِ نقد اپنانا پڑ رہا ہے۔ حال آں کہ میں جانتا ہوں کہ یہ اندازِ نقد، اب متروک ہو چلا ہے۔ آج اس کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ استادی اور شاگردی کے روایتی ادارے کے دروازے بھی تقریباً بند ہو چکے ہیں۔ اب تو ہر شاعر آپ ہی اپنا استاد ہے۔ بیشتر شعرا محنت و ریاضت سے جی چراتے ہیں۔ اس لیے ان کے کلام میں بے شمار اسقام در آتے ہیں۔ جن کی نشاندہی ہر اُس سخن فہم پر لازم ہے جو تقدیسی شاعری کو متنی اور فنی لحاظ سے کسی حد تک بے داغ دیکھنے کا متمنی ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب تک نعت کی وادی میں قدم رکھنے والے شعرا کو متنی اور فنی شعری معیارات سے آگاہی نہ ہو جائے، ہر سخن فہم پر یہ فرض ہے کہ اسی (قانون ساز) منہاجِ نقد کو اپنائے۔ تاکہ مستقبل میں تقدیسی شاعری کو بھی عام شاعری کے مقابلے میں اعتماد کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔

مجھے معلوم ہے کہ ناقدین اور قادر الکلام شعرا کو میرے معروضات میں کوئی نیا پن نظر نہیں آئے گا لیکن نو واردانِ بساطِ نعت نے اگر میری گزارشات پر دھیان دیا تو ان شاء اللہ نعت گوئی کی فضا پر متنی استناد کے سحاب اور فنی شعور کے بادل چھا سکتے ہیں۔

آج میرے سامنے سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا کسی نقاد کی تحسین سے کوئی تخلیقی متن، ادبی دنیا میں قابلِ قدر ہو سکتا ہے؟۔...... میرا جواب یہ ہے کہ جس طرح مُشک کی خوشبو کے تعارف کے لیے عطار کی تعریف کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طرح کسی تخلیقی نقش (شعر) کے حسن سے حظ اٹھانے کے لیے صرف ذوق درکار ہے، کسی نقاد کی تعریف یا سفارش نہیں۔ لیکن بیشتر وہ شاعر جنہیں اپنی تخلیق پر اعتماد نہیں ہوتا وہ ناقدین سے رجوع کرتے ہیں۔

وہ سمجھتے ہیں کہ کسی نقاد کے کچھ لکھ دینے سے ان کی شاعری کو چار چاند لگ جائیں گے۔

یہ محض التباس (Total Illusion) ہے۔انہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کی پہچان ان کی تصنیف ہے، جس کی خوشبو اس کے متن اور اسلوب (Text and Style) سے پھیل سکتی ہے، کسی ناقد کی تحسین سے نہیں۔ نقاد کی تحریر سے صرف شاعر کی جذباتی تسکین ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی ناقد یا مبصر کتاب پڑھنے کی بجائے صرف شاعر کی نورانی صورت دیکھ کر کچھ لکھ دے۔

سخن گو کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اسے اپنی تصنیف پر اعتماد نہیں ہے تو اس کی کتاب پر کسی بڑے سے بڑے نقاد سے تقریظ لکھوا کر مقبولیت حاصل نہیں کی جا سکتی۔

اعتماد پیدا کرنے کے لیے وسعتِ مطالعہ، مسلسل مشق اور مشاہدہ بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کمزور تصنیف پر توصیفی رائے دینے والے ناقد کی بھی امیج (Image) خراب ہو جاتی ہے۔

سوداؔ نے شاعروں کے لیے ایک نسخہ دیا تھا۔ اگر اس کے مندرجات کو ذہن میں رکھیں تو شعرا، اپنی کمزور شاعری پر کبھی نہ پھولیں۔ سوداؔ نے کہا تھا:

خوب آپ کو سمجھا تو ترقی سے رہا تو
اِس حرف کو زنہار نہ کر دل میں گرہ گیر
دشوار ہے تا منزلِ اکمال پہنچنا
پہنچاتی ہے واں لاکھوں میں اِک آدھ کو تقدیر
ہے نقص کے اندیشے میں تکمیل کی کوشش
جب سمجھا تو کامل ہوں ، ہوا نقص میں زنجیر
گر فہم ہے تو اپنے تئیں ہیچ مداں جان
تا تجھ کو جہاں کے ہمہ دانوں میں ہو توقیر
جوں ہو سکے تو نقشِ خودی کے تئیں کر نیست
تا صفحۂ ہستی میں ہو قائم تِری تصویر
کیسا ہی تو اچھا کہے ، اس پر نہ ہو راضی
کر سعی کہ ہو اس سے بھی اچھی تِری تقریر
زنہار طبیعت کو نہ کر حُمق کا پیرو

کر عقل کو، فکر اپنی کا تو راہبر و پیر
تعریف نہ کر آپ تو پڑھ کر سخن اپنا
ہے تجھ کو قسم اس کی جو ہے خالقِ تقدیر
دے گی جو تری طبع کے تئیں خوبیِ معنیٰ
سامع نہ کرے گا کبھو تحسین میں تاخیر
اور ہے وہ اگر پوچ و لچر واہی و بے ربط
تعریف سے تیرے نہ اسے ہووے گی توقیر(۱)

سوداؔ نے تو عام شاعری کرنے والے شعرا کی رہنمائی کے لیے کچھ کہا تھا۔ہم تو تقدیسی شاعری کی اصلاح کی بات کر رہے ہیں۔

حمد،نعت،منقبت کا مسئلہ بہت نازک ہوتا ہے۔یہ شاعری بہت ذمہ دارانہ رویہ چاہتی ہے۔

آج کتاب شایع کرنے کی سہولت بہت ہے۔الحمدللہ کتاب شایع کرنے والوں کی استطاعت بھی بہت بڑھ گئی ہے۔اس لیے کتابوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔لیکن معیار کا لحاظ کوئی کوئی رکھ پاتا ہے۔بیشتر کتب کا معیار،متنی یا شعری اعتبار سے پست یا بہت پست ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شاعر خود کو میرزا بیدلؔ،میرؔ اور غالبؔ یا اقبالؔ کے مقام پر خیال کرتا ہے۔اور کسی دانندۂ فن اور شرعی معیارات سے آگاہ شخص سے مشورہ لینا اپنی توہین سمجھتا ہے۔بعض اوقات ان کتب میں بھی،جن کے مصنفین بڑے فخر سے کتاب کے سرورق پر''قومی سیرت ایوارڈ یافتہ'' لکھواتے ہیں،غیر معیاری کلام دیکھنے میں آتا ہے۔جس کے باعث کلام کی جانچ کرنے والوں کی قابلیت پر شک کیا جاسکتا ہے یا ان کی کسی قسم کی مجبوری پر افسوس ہوتا ہے۔بہت کم انعام یافتہ کتب دیکھ کر''حق بحق دار رسید'' کا احساس ہوتا ہے۔

میں نے اکثر صاحبانِ نقد سے گزارش کی ہے کہ خدارا''تقدیسی ادب میں فراخ دلانہ تحسینی رائے دینے سے گریز کریں''۔لیکن میری صدا ہجومِ ناقدین کے نقارخانے میں اکثر دب گئی۔

ڈاکٹر ریاض مجید صاحب نے گو بہت فراخ دلی سے دیباچے،مقدمے،فلیپ،اور

تقاریظ لکھی ہیں، لیکن اب انہیں بھی اس بات کا احساس ہو چلا ہے کہ تقدیسی شاعری کے دعوے داروں کو یہ پیغام پہنچائیں کہ کمزور شاعری کے حوالے سے اساتذہ کی رائے کچھ اچھی نہیں رہی ہے۔انہوں نے سواد کا شعر لکھ کر کمزور شاعری کرنے والوں کو متنبہ کیا ہے:

ہنر سے دور ہے بداصل کی خِلقت، کہ آئینہ
خمیرِ سنگ سے بنتا ہے تو جوہر نہیں ہوتا (۲)

معیارِ شاعری کے لیے ڈاکٹر ریاض مجید نے بجاطور پر میرؔ اور اقبالؔ کے اشعار کی مثالیں دی ہیں۔

مصرع کوئی کوئی کبھو موزوں کروں ہوں میں
کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں (۳)

اس شعر میں میرؔ نے بتایا ہے کہ شاعری میں آمد کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔شاعر کوئی شعر گھڑنے کی مشین نہیں ہے۔اسے تو ایک ایک شعر کہنے کے لیے آمد کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔تب بھی جگر کاوی کیے بغیر ایک مصرع بھی شعری معیارات پر پورا اُترنے والا نہیں ہو پاتا۔
میر تقی میرؔ کے متن کی سچائی کی تصدیق آفاقی سطح پر ہوتی رہی ہے۔بونس آئرس کا ایک ادیب اور شاعر بورجس (Borges) کہتا ہے:

"Poetry is given to the Poet, I dont's think a poet can sit down at will and write. If he dose, nothing worthwhile can come of it. I do my best to resist this temptation. I often wonder how I've come to write several volumes of verse! But I let the poems insist, and sometimes they are very tenacious and stubborn,and they have their way with me. It is then that I think, if I don't write this down.it will keep on pishing and worrying me; the best thing to do is to write it down".Once it's down, it will keep on pushing and worrying me, the best thing to fdo is to write it down. Once it's down,I take the advice of Horace, and I lay it aside for a week or ten days. And then , of course , I find that I have made many glaring mistakes, so I go over them. After three or four tries, I find that I cant't do it any better and that any more veriations may damage it. It is then that I publish it".(4)

''شاعر کو شاعری وہبی طور پر دی جاتی ہے۔میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شاعر، شاعری کرنے کے ارادے سے بیٹھے اور لکھ دے۔اگر وہ ایسا کرے تو کوئی قابلِ قدر شے برآمد نہیں ہوسکتی۔میں اپنی طبیعت کے فوری اظہار کے تخلیقی تقاضے کے اثر سے بچنے کی حتی

الامکان کوشش کرتا ہوں ، مجھے اکثر تعجب ہوتا ہے کہ آخر میں نے شاعری کے بہت سارے دفتر کیسے لکھ ڈالے۔لیکن میں نظم کے تخلیقی تقاضوں کوشدت سے بڑھتے رہنے دیتا ہوں، جوکبھی کبھی بہت زیادہ پختہ اور سرکش ہوجاتے ہیں اس طرح میرے اندر[تخلیقی اظہارکا] راستہ بنالیتے ہیں۔ایسی صورت میں سوچتا ہوں کہ اگر میں کچھ نہیں لکھوں گا تو یہ [تخلیقی تقاضے] مجھ پر دباؤ بڑھاتے اور [مجھے] پریشان کرتے رہیں گے۔لہٰذا بہترین صورت یہی ہے کہ میں لکھ ہی لوں۔ جب میں لکھ لیتا ہوں تو ''ہوریس'' کی نصیحت پرعمل کرتے ہوئے [اپنی تخلیق کو] ہفتے یا عشرے کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ پھر یقیناً میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے بہت سی بھڑکیلی [واضح] اغلاط کی ہیں۔تب میں انہیں دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔[اس طرح] تین چار کوششوں کے بعد مجھے احساس ہوتا ہے کہ اب میں [اپنی تخلیق کو]اس سے بہتر نہیں بنا سکتا،اور یہ کہ مزید ترمیمات اس کے لیے مضر ہوں گی۔تب میں اس کو شایع کرتا ہوں''۔

یہی بورجس دوسرے شعرا کی کتاب دیکھ کر اپنی رائے اس طرح دیتا ہے:

"Almost every day I recelve books of verse that put me at the mercy of genius...that is to say, books that seem to me quite meaningless".(5)

''تقریباًہرروز مجھے شاعری کی کتابیں موصول ہوتی ہیں۔جو مجھے عبقریت کے رحم وکرم کے حوالے کردیتی ہیں۔یعنی کہا جاسکتا ہے کہ وہ کتب مجھے بہت زیادہ بے معنی لگتی ہیں''۔

بات ڈاکٹر ریاض مجید کی ہورہی تھی۔جنہوں نے شعری اسالیب کی جان کاری دینے کی غرض سے میرؔ اور اقبالؔ کے اشعار سے استشہاد کیا ہے۔میرؔ کا متن تو ہم دیکھ چکے۔اب اقبال کا متن بھی دیکھیے:

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے ، خونِ جگر سے نمود

یہ شعر لکھنے کے بعد ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

''علامہ کے پہلے مصرعے میں بلیغ معنویت اور کمال کی مہارت ہے،مصوری،فنِ

تعمیر، مجسمہ سازی، موسیقی، شعروادب، اور صدا و غنا (جس میں حسنِ قرأت، صدا کاری، گلوکاری، وغیرہ وہ تمام فنون آجاتے ہیں جن کا تعلق صوت، لحن اور آواز سے ہے)......
علامہ نے مختلف فنونِ لطیفہ کا ذکر علامتی انداز میں ایک ہی سانس میں کر دیا، اور اُن تمام فنون (اور بھی تمام موجود یا امکانی طور پر مستقبل میں سامنے آنے والے فنون) میں کمال حاصل کرنے کے لیے فنکار کی پُر انہماک محنت، مستقل ریاضت اور تاثیر ساماں جگر کاوی کی ضرورت کو ایک لازمے کی حیثیت دی ہے''۔(۷)

ڈاکٹر احسان اکبر کی کتاب ''طہور'' کے ایک شعر میں عصری نعتیہ میلانات رکھنے والے متشاعروں کے لیے ایک ذرا تلخ اظہار یہ ہے:

کیا سہل ہوئی نعتِ نبی بے ہنروں پر
تُک بند بہت ، قافیہ بردار ہزاروں

راقم الحروف نے ڈاکٹر احسان اکبر کے اس شعر پر ایک پورا مضمون بعنوان (نعت گوئی میں اظہاری صلاحیتوں کا فقدان'' لکھ دیا تھا جو پہلے نعت رنگ ۱۳ ر میں شایع ہوا۔ بعدازاں شاعر علی شاعر کی مرتبہ کتاب ''حمد ونعت کی تنقیدی وتخلیقی جہات'' کا حصّہ بنا۔

بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ تقدیسی شاعری کرنے والوں کو اوّل تو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔شاعری کے فن کو ہرگز ہلکا نہ جانیں۔ پھر حمد، نعت، یا منقبت کے متون کو ہرگز ہرگز معمولی نہ سمجھیں۔ایسی شاعری میں شعری اور شرعی تقاضے پورے کرنے کے لیے تخلیقی (موثر ادب اور معلوماتی ادب(Literature of Power and Literature of Knowledge) کی مقتضیات کا دھیان رکھنا لازمی ہے۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ تقدیسی شاعری کرنے والے کو پُر خلوص ہونا چاہیے۔اُسے اُس کے جذبے اور اظہار کی تحسین ''اجرِ آخرت'' کی صورت میں مل سکتی ہے۔ وہاں شاعر کے خلوص کی بنا پر کمزور شاعری پر بھی اجر مل سکتا ہے لیکن دنیائے ادب میں کمزور شاعری دیکھ کر کوئی سخن فہم سوؔدا کی زبان میں یہی کہے گا:

ہنر ہے گر چہ فنِ شاعری آفاق میں سوؔدا!
اگر نادان کو پہنچے تو اس میں عیب ہوں پیدا

نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے سخن ورانِ نعت کی رہبری کے لیے

حفیظ تائب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

نعت گوئی کے لیے حسنِ ارادت شرط ہے
ساتھ کچھ فہمِ کتاب وعلمِ سیرت شرط ہے

اس میں ہے لازم جمالِ فن بھی، اوجِ فکر بھی
جتنی ممکن ہو خیالوں کی طہارت شرط ہے

گر ادب پہلا قرینہ ہے ثنا کے شہر میں
ہر قدم اس راہ میں عجزِ طبیعت شرط ہے

اسوے کا بھی نعت میں ابلاغ ہونا چاہیے
لیکن اس میں بھی لطافت اور حکمت شرط ہے

ہے محبت آپ کی ایمانِ کامل کی کلید
ہاں مگر جوشِ محبت میں اطاعت شرط ہے

اُن کی تعلیمات میں مضمر ہے حُسنِ بندگی
اُن سے بھرپور استفادہ بہرِ اُمت شرط ہے

سیرتِ پُر نور تائبؔ! ہم کو دیتی ہے سبق
ہر قدم پر احترامِ آدمیت شرط ہے(۹)

اب تک کی گفتگو کی روشنی میں چند مطبوعاتِ نعت میں در آنے والے فنی، لسانی، اور متنی اسقام کی نشاندہی کرنا مقصود ہے۔ تاکہ مستقبل میں مدحت نگاری کو بے داغ بنانے کی راہ ہموار ہو سکے۔

نعتیہ متن اور بُنت کی کمزوریاں

عیبِ تعقید:

لغوی اور عام معانی کے اعتبار سے ''تعقید'' لفظوں کے آگے پیچھے ہو جانے کو کہتے ہیں جن سے عبارت کا حسن جاتا رہتا ہے۔ بعض اوقات مطلب سمجھنے میں بھی دقت ہوتی ہے۔

مثلاً درج ذیل مصرعوں کا اشعار میں:

......روح پر چھائی خزاؤں نے ہے دم توڑ دیا (۴۲۹، طاق)

......گر ہیں ہم اپنے مقدر کی سدا کھولیں گے

......رحیم آقا ہمیں یاد ہیں سدا رکھتے

(اس مصرعے میں ''تعقید'' تو ہے ہی آقا کا الف ثانی بھی دب رہا ہے، یہ بھی عیب ہے)

......اکرام کے جو بخشا ہر پل خزانے ہے.................. جدھر ہوں شہرِ نبی میں جاتا

......آپ مضروب احد کے ہیں میدان میں............لایا محشر یہاں خوفِ دندان ہے
......طلب تھی شہرِ مدینہ کی لائی جنت کی (۴۲۹ طاقی)

تینوں مصرعے تعقیدی ہیں۔

منقبت یا نعت:

تقدیسی شاعری کرنے والا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ''حمد'' اس شعری نقش کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہو۔ ''نعت'' اس شاعری کو کہتے ہیں جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عظمت وشان اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے محبت کا اظہار کیا جائے۔ ''منقبت'' اس شعری اظہار کو کہتے ہیں جس میں حضور کے اصحاب، امہات المؤمنین، اور اصطلاحی اہلِ بیتِ رضوان علیہم اجمعین کا ذکر ہو، لیکن ہمارے ایک شاعر نے منقبت کی شاعری کو بھی نعت میں شمار کرلیا۔ دراصل بعض لوگوں کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت کو خالص آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے تسلیم کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں کچھ اور حضرات مقدسہ کو بھی اس درجے میں شامل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے مخصوص القاب و آداب میں بھی کچھ بزرگوں کو شامل سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہ لوگ اصطلاحی اہلِ بیتِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے کی جانے والی منقبتی شاعری کو بھی ''نعت'' کا عنوان دینے کی کوشش کررہے ہیں۔ ذرا درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمایئے:

حسن حسین و علی و زہرا سبھی کی نعتیں سنا رہا ہوں
ہے کام مشکل کشائی جن کا علی کی نعتیں سنا رہا ہوں
ولایتوں کے ہر ایک مظہر ولی کی نعتیں سنا رہا ہوں (۴۲۹ طاقی)

ان اشعار میں جن حضراتِ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی آئے ہیں ان کے لیے کی جانے والی شاعری کو ہمیشہ ''منقبت'' کا عنوان دیا جاتا رہا ہے۔ لیکن یہاں شاعرِ موصوف کو 'منقبت'' کا عنوان شاید بہت ہلکا لگا اس لیے بلاجھجھک ''نعت'' کا عنوان دے دیا۔ اس رجحان کی اسی وقت بیخ کنی کی ضرورت ہے۔

مہمل اور نعتیہ متن سے بے گانہ شعر

یہ آ تو جاتا ہے قلب و نظر میں ہاں ، لیکن
میں تیرا نام نہ لے لوں یہ ڈر کی حاجت ہے
(مسکراہٹ۔۵۰۲)

(یہ شعر نعتیہ متن کا ہرگز نہیں غزل کا بھی ناپختہ ہے اور بے ڈھب شعر ہے)

پھول چہرہ گریۂ شب بے سبب کرتا نہیں
سردیِ آتش کو نسبت ، قطرۂ شبنم سے ہے

(یہ شعر بھی نعت کا نہیں ہے۔غزل کا بھی ہو تو مہمل ہے)

ایڑیاں دیکھ کے بولے یہ جنابِ خورشید
حُسنِ سرکار ہے سارا نہیں دیکھا جاتا

(یہ جنابِ خورشید کون صاحب ہیں؟...... یہ واقعہ کب پیش آیا؟ حسنِ سرکار سارا نہیں ادھورا دیکھا جا سکتا ہے؟۔ یہ کیسی نعتیہ شاعری ہے؟) (مسکراہٹ ۵۰۶)

کوئی صورت تسلی کی دلِ مجبور کی کر دیں
ترے مشتاق کو آقا ترا دیدار کیسے ہو (طاق ۴۲۹)

اس شعر میں پہلا مصرع لفظ ''کر دیں'' پر ختم ہوا۔ یعنی آپ کر دیں۔ جب کہ دوسرا مصرع ''ترے'' سے شروع ہوا، اور ''ترا دیدار کیسے ہو'' ، پر ختم ہوا۔ یہاں ایک ہی شعر میں تعظیمی ضمیر ''آپ'' اور تصغیری ضمیریں ''تو'' ''ترا'' آ گئیں۔ اس لیے شعر میں شتر گربہ کا عیب پیدا ہو گیا۔

کذب بیانی

جو واقعہ گزرا نہ ہو، اُسے صیغۂ ماضی میں بیان کرنا ''کذب'' کہلاتا ہے۔ غیر محتاط نعت گو شعرا قبر، حشر، قیامت کے احوال ایسے بیان کرتے ہیں جیسے وہ دن گزر گئے ہوں مثلاً۔

منکر نکیر کر نہ سکے قبر میں سوال
تربت میں میری ڈھال بنی مدحتِ رسول
محبت ساتھ لایا ہوں نبی کی

بھرا ہے لطف سے دامانِ تربت
سُنی لحد میں نکیرین نے جو نعت اُن کی
تو آشکار ہوئی ہم پہ خوب وقعت ِنعت
(طاقی،۴۲۹)

ان اشعار کے جھوٹا ہونے میں کیا کوئی شک کرسکتا ہے؟

اسمِ سرکارِ دو عالم جو میں لایا لب پر
عرش سے صلِ وسلم کی مجھے آئی صدا
(طاقی،۴۲۹)

مصرع ثانی کمزور ہے، اگر یہ صدا شاعر نے واقعی سنی ہوتی تو اس کی روحانی کیفیت اس طور اس پر غالب ہوتی کہ شعر کہنا ہی بھول جاتا۔ معلوم ہوا یہ متن صرف برائے شعر گفتن تخلیقی وفور کا حصّہ بنا ہے (طاقی ۴۲۹)۔

عیبِ شترگربہ

لغوی معنیٰ ہیں دو غیر متناسب یا ناموافق چیزوں کو یکجا کرنا......ایک جملے یا شعر میں تعظیم اور تحقیر دونوں کے کلمات کے ساتھ کسی کا ذکر کرنا یا کسی سے خطاب کرنا۔

داغؔ کا شعر ہے:

ایک مصرعے میں تم دوسرے مصرے میں ہوتو
یہ شتر گربہ ہوا میں نے اسے ترک کیا

اب اشعار دیکھیے:

اچھا ہوا کہ دل کی جگہ رکھ لیا تمھیں
ورنہ قرار پاتا نہ سینہ ترے بغیر

(اوّل تو یہ شعر کسی صورت نعت کا نہیں معلوم ہوتا۔ دل کی جگہ کس کو بٹھا لیا؟۔ پھر پہلے مصرعے میں ''تمھیں'' اور دوسرے مصرعے میں ''ترے'' کے استعمال نے شتر گربہ کا عیب بھی پیدا کردیا)۔

ہو نہ کرم تمہارا تو لکھتے ہوئے ثنا
آجاتا ہے قلم کو پسینہ ترے بغیر

(پہلے مصرے میں لفظ ''نہ'' کھینچ کر پڑھا جا رہا ہے۔لہٰذا دوحرفی ہو گیا۔حالاں کہ یہ یک حرفی ہوتا ہے۔پہلے مصرعے میں ''تمہارا'' اور دوسرے مصرعے میں ''تِرے'' لانے سے عیب شترگربہ پیدا ہو گیا......قلم کو پسینہ آنا اور ''ترے بغیر''......سب ہی کچھ مہمل ہے)۔

مبالغہ

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ''کلام میں مبالغہ کرنے والے ہلاک ہو گئے'' ۔یہ کلمات حضور نے تین بار فرمائے۔(۱۰)

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

''نعت میں کوئی ایسا مضمون بیان کرنا جو واقعیت کے خلاف اور اصلیت کے منافی ہو اور جس کی اساس محض خیال اور آرائشِ مبالغہ پر ہو،نعت کے جادۂ جمال پر یاوہ گوئی کی گرد، ہرزہ سرائی کا غبار،اور دروغ بافی کی سیاہی مل دیتا ہے۔(۱۱)

حدیثِ پاک اور ڈاکٹر ریاض مجید کی صراحت کے بعد درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔ جو انتہائی درجہ مبالغہ آمیز ہیں۔

ہیں حسن اور حسین گلشنِ زہرا کے وہ پھول
جن کو قرآں نے کہا لولو و مرجانِ رسول

اس شعر سے زیادہ جھوٹا کوئی اور شعر کیا گیا ہوگا؟...... یہاں تو براہِ راست اللہ کے کلام میں اپنی عقیدت کے زور پر حضرات حسنین کریمیں کے فضائل کو شامل کرلیا۔حالاں کہ قرآنِ کریم کی سورہ الرحمٰن ۵۵۔آیت ۲۲/میں سمندر کے دو دھاروں سے لولو و مرجان کے نکلنے کا ذکر ہے۔ تفسیر نور العرفان میں صوفیا کا قول رقم کر دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ:

''روح وقلب سے موتی مونگے نکلتے ہیں حضرت علی و فاطمہ سے حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین موتی مونگے کی طرح پیدا ہوئے''۔

یہاں مفسر نے بتایا ہے کہ صوفیا کرام نے حسنین کریمین کو موتی مونگے سے تشبیہ دی ہے۔صوفیا کا ذکر بھی مجہول ہے۔کسی کا نام نہیں ہے۔اس لیے تفسیری حاشیے کی عبارت کو شاعرِ موصوف نے قرآن کریم کا متن سمجھ لیا، اور اس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کر دیا ......للہ تعالیٰ شاعر کے بھول پن، اور حسنین رضی اللہ عنہم کی محبت میں اس غلو آمیز بیان سے درگزر فرمائے ۔آمین۔(طاق ۴۲۹)

کہا گیا مجھے اپنی کتاب پڑھنے کو
اُٹھا میں حشر میں نعتیں سنا کے بیٹھ گیا

(حشر میں ''اقرا کتا بک'' (طٰہٰ۔۱۲۔۱۷) 'اپنا نامۂ (عمال) پڑھ''۔فرمایا گیا تو میں نے نعتیں سنا دیں اور بیٹھ گیا۔گویا یہ تمام معاملات ہو گئے اور شاعر کی نعتیں سنانے پر حساب کتاب کا مرحلہ بڑی آسانی سے طے ہو گیا۔

یہ خیالی مضمون اس طرح پیش کیا جا رہا ہے جیسے ماضی کا قصّہ ہو۔کیا اس شعر پر صداقت کا کوئی سایا نظر آتا ہے؟۔

میزان سے بھی فضلِ خدا سے گزر گئے
پُل سے بھی نعت پڑھتے ہوئے ہم اُتر گئے
رحمت نے باہیں کھول دیں اپنی جدھر گئے
جنت کے لوگ کہنے لگے آؤ ! مرحبا
حیّ علیٰ الثناء ، حیّ علیٰ الثناء

نظم کے اس بند میں تو شاعر نے میزان اور پُل صراط کے مراحل طے کر لیے۔اس کے لیے رحمت نے باہیں بھی کھول دیں، اور جنت کے لوگوں نے اسے مرحبا بھی کہہ دیا۔یہ الگ بات ہے کہ شاعرِ موصوف ابھی اسی مادی دنیا میں ہیں۔کاش شاعر اس بیانیے کو خواب سے منسوب کر کے کذب سے دامن بچا سکتا!

آگے کیا حضور کی نسبت کو حشر میں
پھر پیچھے پیچھے اپنے حوالے کے چل پڑے

یہاں بھی حشر کا مرحلہ طے ہو گیا۔حالاں کہ شاعر اسی مادی دنیا میں شعر کہہ رہا ہے۔

میں تو پھنس جاتا خدا کے رو برو محشر کے دن
اُن کے لب ہلتے گئے ہوتی گئیں آسانیاں

اس شعر میں بھی حشر کا مرحلہ طے ہو گیا ہے۔ شاعر البتہ ابھی مادی دنیا ہی میں جی رہا ہے۔

مجھے دیکھا تو ہنس کر حضرتِ رضوان یوں بولے
بصدقہِ جنابِ سیدِ ابرار ، بسم اللہ

لیجیے رضوان سے بھی دوست ہو گئی۔ یہ متن شاعر نے ہر جگہ اپنی نیک تمناؤں کی روشنی میں تخلیق کیا ہے لیکن ہر جگہ اسی طرح پیش کیا ہے جیسے یہ واقعہ گزر گیا۔ ایسے اشعار نعتیہ متن میں سچائی کا منہ چڑاتے ہیں۔ بصدقہ، بصدقائے پڑھا جا رہا ہے اگر بصدقہ پڑھیں تو مصرع ناموزوں ہو جاتا ہے۔ (مسکراہٹ ۵۰۲)

جب شہرِ مدینہ سے پلٹنے کا میں سوچوں
دربارِ رسالت میں رلاتا ہوا یہ دل

دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔

گرمیِ محشر میں لب پر آ گئی نعتِ نبی
میرے سر پر رحمتوں کا سائباں ہونے کو ہے

شاعر قیاسی طور میدانِ محشر میں پہنچ کر ایسا شعر کہہ رہا ہے جس کا حقیقت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ شاعرانہ سچائی قیاسی یا امکانی یا فکشنل (Fictionalized) سچائی ہوتی ہے، حقیقی نہیں۔

آپ کے در سے خیرات پائیں گے ہم، جھولیاں اپنی بھر بھر کے لائیں گے ہم
سب خزانوں کے قاسم تمہیں ہو شہا ! اپنے دستِ کرم سے عطا کیجیے

خیرات پائیں گے، جھولیاں بھر بھر کے لائیں گے، بات مستقبل کی ہے، لیکن دوسرے مصرعے میں حال کی بات ہے، اور حضور سے اپنے دست کرم سے عطا کرنے کی درخواست ہے۔ مصرعِ ثانی میں عیب شتر گربہ ہے۔ ''قاسم تم ہی ہو'' ''دستِ کرم سے عطا کیجیے''۔ یہ کیسی شاعری ہے؟

عرش پر جب گئے تھے نبی مصطفیٰ ، قدسیوں سے مخاطب ہوا یوں خدا
میری تحمید و توصیف کے ساتھ ہی ، میرے محبوب کی اب ثنا کیجیے

فرشتوں سے اللہ رب العزت کا یہ خطاب صرف شاعر نے سنا تھا کسی روایت میں ایسا خطاب نقل نہیں ہوا۔''ثنا کیجیے'' بھی بڑا تعظیمی بیانیہ ہے جو اللہ کی طرف منسوب کیا جانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نعوذ و باللہ، اللہ تعالیٰ اردو زبان کے قواعد سے بھی ناواقف ہے۔العیاذ اُباللہ!(عجزِ بیاں،۸۱)

انٹ سنٹ متن کی بُنت۔یعنی بے تُکی باتوں کی مثالیں:

دست گیری ہو میرے بچوں کی
آس اِن کی ہو تر بہ تر مالک (مجد و شرف ۵۷)

یہ مناجاتی شعر ہے آس کا تر بہ تر ہونا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟''اُمید گیلی ہو جائے'' محاورہ ہے۔اُمید پر پانی پھر گیا۔اس زاویے سے دیکھیں تو شعر کا منفی اثر ظاہر ہوگا۔

گرچہ سجدے خدا کو زیبا ہیں
میرے سجدے درود پڑھتے ہیں

سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا جاتا ہے شاعر کے سجدے درود کیسے پڑھتے ہیں؟

تیرگی سے اب کہاں کوہ و دمن آزاد ہیں
ہے یہ رحمت کا اثر میرے نبی پیارے نبی

اس شعر میں مدح کا بجائے ذم کا سایہ پڑ گیا۔کوہ و دمن تیرگی سے آزاد نہیں ہیں تو (نعوذُ باللہ) یہ حضور کی رحمت کا اثر ہے۔

دور اُن کو بھگا کے رکھنا ہے
وہ جو لٹکے ہیں آسمان کے ساتھ

یہ شعر اسی طرح لکھا ہوا ہے۔آسمان سے کون لوگ لٹکے ہوئے ہیں جنھیں شاعر بھگا کے رکھنا چاہتا ہے؟ شعر مہمل، انتہائی غیر شاعرانہ اور نہایت غیر واصفانہ ہے۔

مہمل اور تعقیدی شعر

کرتا اگرچہ ناز ہوں تحریرِ حسن پر
میری صدائے نعت بھی پیاری قبا بنے

اس شعر کا مفہوم فی بطنِ شاعر رہا۔ کرتا ناز ہوں، تعقیدی ہے۔

عروضی سقم

شاید مِری آواز بھی آقا نے سن لی ہو
مجھ کو ملے اشارہ تو کچھ حوصلہ بنے

(اس شعر میں پہلا مصرع لفظ ''آواز'' کے باعث بے وزن ہو رہا ہے۔ الف ممدودہ یہاں الف مقصورہ ہو گیا۔ مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن)

اللہ کی نذریں ہیں ، رزق میں تابانی
اِک موج سمندر میں خوشبو کی ہے لہرائی

پہلا مصرع بے وزن ہے، دونوں مصرعے دولخت بھی ہیں اور شعر مہمل بھی ہے۔ (مجد وشرف ۵۷)

تُک بندی کی مثالیں

ایک اِک قطرے کو واپس ہیں اُٹھانے والے
آنکھ کے راستے اے خود کو گرانے والے

(۱۳۳، عبوس)

کیا یہ کوئی شعر ہے؟۔ نعت تو ہرگز نہیں ہے۔

تیرے ہونٹوں ہی کی جنبش میں کہیں لغزش ہے
میرے آقا تو نہیں دیر لگانے والے

شعر میں کس سے مخاطبہ ہے؟ معاملہ کیا ہے؟ اگر دعا کے لیے ہونٹ ہلے تھے تو قبولیت کے لیے اللہ کی طرف جانا تھا۔ نبی علیہ السلام سے دعا کی قبولیت کی سفارش کرنی تھی۔ یہ بیان نہ تو شاعرانہ خوبی رکھتا ہے اور نہ ہی متنی حسن۔

شکریہ میری اداسی تو بہت گہری تھی
مجھ کو کفار کے کاموں پہ ہنسانے والے

کس کا شکر یہ ادا کیا جا رہا ہے؟ کفار کے کاموں پہ کون ہنسا رہا ہے؟ عجیب تک بندی ہے۔ نہ یہ نعت ہے نہ شاعری۔

ذہن میں نعت کا ماحول نہیں دیکھتے کیا
جانے کیا لکھتے ہیں کاندھے پہ تھانے والے

دوسرا مصرع بے وزن ہے۔ کندھے پر تو دو فرشتے، کراماً کاتبین ہوتے ہیں۔ ان کو تھانے والے کہنا کون سی سچائی اور اس حوالے سے شعری متن بنانا کون سی شعرانہ خوبی ہے؟ .... پھر کراماً کاتبین کے ذمے انسان کے اقوال و اعمال کا ریکارڈ رکھنا ہے، اس کے ذہن کو پڑھنا نہیں ہے۔ جب کہ شاعر اپنے ذہن میں نعت کا ماحول بنائے ہوئے ہے اور چاہتا ہے کہ فرشتے اس کے ذہن کا ماحول پڑھیں اور لکھیں...... یہ متن بھی نعت کا تو نہیں ہو سکتا!

میں انہیں کوئی رعایت نہیں دینے والا
چاند چرنے پہ بھی ایمان نہ لانے والے

شقِ قمر کو چاند کا چرنا کہنا بھی خوب ہے۔ مشرکین مکہ نے شاعر سے کب کسی رعایت کا مطالبہ کیا ہے؟...... کیا یہ شعر بھی نعت کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

ساتھ رونے بیٹھ جاتے ہیں خطا کاروں کے ساتھ
اے نبی جی یہ طریقہ تو بڑا دم ساز ہے

کون رونے بیٹھ جاتا ہے؟۔ نبی علیہ السلام کو اس طرح مخاطب کرنا سراسر گستاخی ہے...... ایک ہی مصرعے میں لفظ ''ساتھ'' دو جگہ لانے سے شاعری کی شعر گوئی کی صلاحیت کا بھرپ کھل جاتا ہے۔

دیکھیے معراج کا منظر ہے کتنا دیدنی
ایک بندہ اپنی جانب مائلِ پرواز ہے

معراج میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پرواز، خالقِ کائنات کی ملاقات کے لیے تھی۔ ''اپنی جانب مائلِ پرواز'' کہنے سے تو یہ گمان ہوتا ہے کہ ایک بندہ ''یعنی نبی علیہ السلام'' اللہ کی جانب نہیں، خود اپنی جانب محوِ سفر تھے؟۔) (۱۳۳/عبوس)

غیر محتاط تلمیح

گر چہ ہیں یاری میں تو مشہور محمود و ایاز
دلنشیں صدیق یارِ غار کا ہے تذکرہ (۲۴۸ بیگ)

محمود و ایاز کے ذکر نے شعر میں تلمیحاتی رنگ بھر دیا، لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذاتِ والا صفات سے آپ کا تعلق، محمود و ایاز کے تعلق سے جوڑنا قطعی مناسب نہیں۔ ایاز تو محمود کا غلام تھا دوست نہیں تھا اور یہ دونوں کردار عام انسانی زندگی کے نمایاں کردار ہیں۔ ان میں مقدس ہستیوں کی مشابہت کہاں؟ بلا سوچے سمجھے شعر گوئی سے ایسا ہی بے تُکا متن تیار ہوتا ہے۔

جب سے سرکارِ مدینہ کا ہے روضہ دیکھا
باغِ فردوس کا ہے دل میں یہ نقشہ محفوظ

(اس شعر میں پہلا مصرع تعقیدی ہے۔ دوسرے مصرعے میں ''یہ'' کا نہیں ''وہ'' کا محل تھا۔)

مدحتِ سرورِ کونین ہو پہچان مِری
نعتِ سرکار ہو مرزا کا حوالہ محفوظ

(پہلے مصرعے میں صیغۂ حاضر متکلم ''مِری'' مصرعِ ثانی میں مرزا ''واحد غائب'' ردیف ''محفوظ'' بھی بے کار پڑنے سے محفوظ نہ رہی۔)

دنیا کے تاج دار بھی رکھتے ہیں سر جہاں
ہم بھی کرم سے بس اُسی در کے غلام ہیں

(دنیا کے تاج دار احتراماً سر جھکاتے ہیں، سر رکھتے ہیں کہنے سے سجدہ کرنے کا تاثر ملتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں ''کرم'' کی وضاحت نہیں ہوسکی کہ کس کا کرم ہے۔ کس کی طرف سے یہ عنایت ہے؟

فرشتے رات دن بہرِ سلام آئیں اُسی در پر
شبانہ روز ہے رونق لگی دارِ فضیلت میں

پہلے مصرعے میں ''آئیں'' حکمیہ لہجہ ظاہر کر رہا ہے۔ آتے ہیں کا محل تھا۔ دوسرے مصرعے کی تعقید بڑی واضح ہے۔

آپ کے رب العلیٰ کو ہے خبر
پیشِ حق رُتبہ ہے کیا خیر الوریٰ

اس شعر میں ''رب العلیٰ'' اور ''حق'' دو الگ الگ ہستیاں معلوم ہو رہی ہیں۔ پھر ''آپ'' کی ضمیر جب نبی کریم علیہ السلام کے لیے ہے تو ردیف ''خیر الوریٰ'' کا کیا جواز ہے؟

ہوں غلامِ مصطفیٰ سن لے ذرا شیطان تو
آنکھ ہرگز نہ اُٹھانا مِرے ایماں کی طرف

شیطان سے مخاطبت میں کوئی شعریت نہیں۔ دوسرے مصرعے میں ''نہ'' دو حرفی ''نا'' ہو گیا جو جائز نہیں ہے......غالب نے کہا تھا:

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اس سے ظاہر ہوا کہ جہاں ''نہ'' کو کھینچنا ہو وہاں ''نے'' لاتے ہیں۔

یہ مطبوعہ کتب سے منتخب کیے ہوئے اشعار ہیں، مطبوعہ کتب میں سقیم اشعار دیکھ کر دکھ ہوتا ہے)(۲۴۸ بیگ)

دید کی خواہش ہوئی معراج پر بلوا لیا (۶۳۱ مٹّی)
آپ سے اللہ کو اتنی محبت ہے کہ بس

اللہ تعالیٰ کو دید کی خواہش ہونا محال ہے، وہ علیمٌ بذات الصدو ہے۔ اس نے اپنے نبی علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے نہیں، بل کہ اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے بلایا تھا۔ (سورۃ بنی اسرائیل ،۱۷۔ آیت ۱) قرآنی بیانیہ تو یہ ہے۔ اس شعر میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو نعوذ و باللہ بشری سطح پر خواہش کرنے والا ظاہر کیا ہے۔ واقعہءِ معراج کے تلمیحاتی بیان میں اکثر شعرا نے ٹھوکر کھائی ہے۔

لاکھ ہم نعت کہیں بات کہاں بنتی ہے
جب ہوئی آقا و مولا کی رضا نعت ہوئی

آقا و مولا میں آقا کا الفِ ثانی گر گیا، نعت اگر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رضا کی

صورت ہی میں تخلیق ہوتی تو فنی، لسانی اور عروضی و متنی اعتبار سے بے عیب ہوتی۔ اس شاعری میں تو ہر قسم کے عیوب ہیں۔ پھر اسے حضور کی رضا سے کس طرح منسوب کیا جا سکتا ہے؟۔ بسیار گوئی میں بے تکے جذبات کا اظہار، غیر محتاط روش کا شاخسانہ تو ہوسکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رضا کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔

جو بھی ناموسِ رسالت پر فنا ہوجائے گا
دونوں عالم میں خدا کا ہے وہ بندہ باوقار

پہلا مصرع مستقبل، ہوجائے گا میں اور دوسرا مصرع ''حال'' میں ہے وہ بندہ، شاعر کو اردو قواعد کی اتنی سی بھی آ گاہی نہیں ہے۔

آپ نے معراج میں دیدار حق کا کرلیا
در حقیقت مظہرِ رب العلا ہیں مصطفیٰ

دونوں مصرعے دو مختلف مضامین کے غماز ہیں، یعنی دونوں مصرعوں میں الگ الگ موضوع چھیڑا گیا ہے، معراج کے واقعے کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مظہرِ رب العلیٰ ہونا بے جوڑ ہے۔

کیوں دھڑکتا ہے اتنی شدت سے
''دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے''

یہ شعر، نہ تو نعت کا ہے اور نہ شعری معیار سے غالبؔ کے مصرعے پر موزوں مصرع لگانے کا نمونہ ہے، آج کل غالب کی غزلوں پر نعتیں کہنے کی فضا بن گئی ہے۔ اس لیے ہر چھوٹا بڑا شاعر مشقِ سخن میں غالب پر ستم بھی کر رہا ہے اور نعتیہ متن کو بھی تک بندی کے باعث ''ہلکا'' کر رہا ہے۔) (مٹی ۱۳۶)

یوں بھی ہو سکتی ہے توصیف رُخِ انور کی
چاند چہرہ ہے تو ہیں گرد ستارے گیسو
(عجز بیان ۔۸۱)

گیسوؤں کو ''والّیل'' سے تشبیہ دی جاتی ہے، ستاروں سے نہیں۔ نعتیہ متن بھی عامیانہ ہے۔

سرمئی چھاؤں ہے ہر سمت فضا بھی مخمور
جیسے چھو کر ہے صبا آئی تمہارے گیسو

یہ شعر کسی صورت میں نعت کا نہیں ہوسکتا خالص غزل کا شعر ہے۔ دوسرا مصرع تعقیدی ہے۔

شوقِ دیدارِ نبی میں وہ ہوا وارفتہ
عرش بھی جھوم اُٹھا چومِ کے نعلینِ مبیں

حضورانور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا عرش تک پہنچنا صرف قیاسی ہے۔ قاب قوسین کی تعین بھی ممکن نہیں ہے، عرش پر نعلین سمیت تشریف لے جانے کی روایت موضوع ہے۔ نعت رنگ ۲۱ر میں علامہ شہزاد مجددی کا مضمون دیکھنا چاہیے۔

آگے بڑھنے سے قبل ڈاکٹر ریاض مجید کے ارشادات کا حوالہ دینا مناسب ہے وہ فرماتے ہیں:

''حمد و نعت و منقبت میں ایسے اشعار کا شمول مناسب نہیں جن سے واضح طور پر یا اشارتاً یہ تاثر دیا جائے کہ نعوذ باللہ......کوئی پیغمبر، ذات اور صفات میں خدا کا شریک ہے۔
یا جس کی وجہ سے اللہ کی بزرگی اور عظمت ہے۔
یا رسول پاک اپنے کسی اہلِ بیت یا امتی کے سبب معروف اور عظیم ہیں
یا رسولِ پاک کی عظمت کا سبب ان کے کسی اہل بیت یا صحابی کی کوئی قربانی ہے۔
یا کسی مذہبی رہنما، پیر یا نسل کی کوئی نسبت، دین یا پیغمبرِ دین کی عظمت کا سبب ہے۔
یا کوئی مسلک، کوئی گروہ، کوئی سلسلہ، یا فقہی مذہب و طریق، دینِ اسلام سے اہم اور افضل ہے''۔ (۱۳)

اب ذرا درج ذیل متون دیکھیے:

بلاتے ہیں محمد مصطفیٰ نادِ علی پڑھ کر
سرِ مقتل کبھی شافی جو حیدر یاد آتے ہیں
(۳۹۱، محرش)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو خدا کا درجہ دیتے ہیں ان کی یہ من گھڑت روایت ہے جس

کا متن اس شعر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ نبی علیہ السلام کو اللہ کے علاوہ ، کسی کو پکارنے والا بتانا تعلیماتِ نبوی کی بھی توہین ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی۔ ''سرِ مقتل'' کہہ کر شاعر نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ نعوذ باللہ! حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم مقتل میں کھڑے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا میدانِ جنگ میں موجود ہونا، مقتل میں موجود ہونا نہیں کہا جا سکتا یہ متن ہر لحاظ سے قابلِ گرفت ہے۔ ''کبھی شافی'' کا شعری متن میں ہونا بھی عجیب لگ رہا ہے۔

روزِ محشر شفاعت کو آئیں گے جو
شافع المذنبیں کون سے لوگ ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حصر کے ساتھ ''**شفیع المذنبیں** ''ماننا ہر مسلمان کا ایمان ہے۔لیکن کچھ لوگ نبی علیہ السلام کو تنہا ''**شفیع المذنبیں**'' ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ اور مقدس ہستیوں کو بھی نبی علیہ السلام کے ساتھ شافعِ محشر جانتے ہیں۔نعت میں اس طرح کے متون کی تخلیق دراصل نعتیہ موضوع کو شرک فی النبوت کے نظریے سے ہم کنار کرنے کی ایک کوشش ہے۔) (محرش ۳۹۱)

بھول جائیں گے نکیروں کو سوال اپنے سبھی
جب لحد میں نعت عاصی نے سنائی آپ کی

(۳۱۰،سشد)

عوامی جذباتیت کا آئینہ دار شعر ہے۔لحد میں جانے کے بعد ہی شاعر کو معلوم ہو گا کہ آیا وہ نعت پڑھنے کے قابل بھی رہتا ہے یا نہیں۔منکر نکیر اپنے سوالات کے جوابات لینے آئیں گے۔نعت کی سماعت کے لیے نہیں َ۔

بلایا دید کی خاطر جب اُن کو عرش پر حق نے
فرشتوں کی تمنّا تھی وہ لمحہ بار بار آئے

یہاں ذکرِ معراج کو شاعر نے من مانے متن کی تخلیق کا ذریعہ بنایا ہے۔عرش پر حق نے اپنے نبی علیہ السلام کو نشانیاں دکھانے کے لیے بلایا تھا دید کے لیے نہیں۔فرشتوں کی تمنّا کا شاعر کو کیسے علم ہوا؟ پھر تمنّا کرنے والے اسی لمحے اگر کہتے تو ''یہ لمحہ'' کہتے ، ''وہ لمحہ'' نہیں کہتے۔شاعر کے متن سے ظاہر ہوا کہ فرشتوں کو قواعد بھی نہیں آتی۔(سشد ۳۱۰)

نعتیہ ادب میں ایک عجیب طرحِ نو یہ ڈالی جارہی ہے کہ شاعر اپنے فن کا اظہار کرنے کے لیے صنعتِ عاطلہ (نقطوں سے خالی، غیر منقوط، مہملہ حروف) میں شعر لکھ رہے ہیں۔ایسی صورت میں مفہوم پوری طرح ادا ہو یا نہ ہو بس متن تخلیق کر دیا جاتا ہے۔

کہاں ہے کوئی کہ کامل مِرے رسول سا ہو
عدوئے مولا کو کلی صرام کے مالک

اس شعر میں مولا کا الف دب رہا ہے۔صرام کا ''ص'' اگر کسرہ کے ساتھ ہو تو کٹے درخت کے ٹکڑوں کے معنیٰ ہوتے ہیں۔اگر ''ص'' بالفتح ہو تو سختی، لڑائی، جنگ کے معنیٰ برآمد ہوتے ہیں۔ان معنیٰ کو پیش نظر رکھیں تو دوسرے مصرعے کے مہمل ہونے میں کون سی کسر باقی رہ جاتی ہے؟۔''صرامت'': ''ص'' بالفتح، بزرگی، دلیر ہونا، بے باکی اور شجاعت کے معنیٰ میں لیا جاتا ہے۔یہاں صرف صرام کہا گیا ہے، اور ''ص'' پر کوئی زبر زیر کی علامت نہیں دی گئی ہے ۔دوسرا مصرع مہمل ہے۔

رہِ اللہ مہک اُٹھا
مٹا آلام کا دھوما

راہ، مؤنث ہے اس لیے مہک اُٹھی ہونا چاہیے۔''آلام کا دھوما'' کیا ہوتا ہے؟ یہ کم از کم میری سمجھ سے بالاتر ہے۔شاید آلام کا چرچا کہنا چاہا ہو، لیکن بات پھر بھی نہیں بنتی۔آلام مٹتے ہیں آلام کا دھوما یا چرچا کہنے سے مفہوم غارت ہو گیا۔

لمالم داماں کر کے لوٹے سائل
ہر اِک سائل سراسر کامراں ہے

داماں کر......دامکر پڑھا جارہا ہے لمالم داماں......یہ کون سی زبان ہے؟
سلیس اردو میں ''جھولی بھر کے لوٹے'' ہوتا ہے۔

یہ شاعری بڑی پر تکلف ہے۔معانی سے تہی ہے، الفاظ کی جا و بے جا کھپت ہے، اور بس۔(نظر خ ۱۱۵۱)

سورۂ الحجر۔۱۵۔کی آیت ۷۲ میں ہے:
''لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ''

(اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں)

(کنزالایمان)

''آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مدہوشی میں (بالکل) بہکے ہوئے تھے۔(تفسیر ماجدی)

یہاں رسول علیہ السلام کی زندگی کی صداقت اور پاکیزگی کو جو کافروں کو بھی مسلم تھی، بطور گواہ پیش کیا جارہا ہے۔اور یہی مقصد قسم کا ہوتا ہے۔(تفسیرِ ماجدی)

اس سے ظاہر ہوا کہ ''لَعَمۡرُکَ اِنَّھُمۡ لَفِیۡ سَکۡرَتِھِمۡ یَعۡمَھُوۡن'' کے الفاظ میں نبی علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا براہِ راست خطاب ہے۔

ایسی صورت میں ''لعمرک'' کے الفاظ جس جملے میں بھی لائے جائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہوگا۔

ہمارے ایک شاعر نے شوقِ خامہ فرسائی میں اپنی طرف سے کچھ مصرعے تخلیق کیے ہیں جن کی ردیف ''لعمرک'' رکھی ہے۔اس طرح شعری متن کا مکمل بیانیہ، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے منسوب ہوگیا......مثلاً!

اعتبارِ حیات ہے ''عمرک''
باعثِ ممکنات ہے ''عمرک''

یعنی اے محبوب! آپ کی جان کی قسم یہ جو میں نے ''لعمرک'' فرمایا ہے بہ اعتبارِ حیات اور باعثِ ممکنات ہے۔

یہ ترسٹھ برس کی بات نہیں
مجمعِ معجزات ''عمرک''(مقش ۶۵۶)

(اے محبوب یہ جو ہم نے ''لعمرک'' فرمایا ہے یہ معجزوں کا معجزہ ہے۔(تمام) معجزات کا مجموعہ ہے''۔)

اس طرح شاعر نے گیارہ اشعار میں ''عمرک'' کی ردیف استعمال کرکے اپنی ہر بات، ہر خیال، اور ہر فکری نکتے کو غیر محسوس طور پر اللہ سے منسوب کردیا۔

مزید براں! شاعر نے ان الفاظ کو جو اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام سے مخاطبت کے لیے استعمال فرمائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اسمِ مبارک شمار کیا جو حقیقی طور پر آپ صلی اللہ علیہ

والہ وسلم کا اسم نہیں ہے، اور نہ ہوسکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اظہارِ فن کے وفور نے شاعر کو یہ تک سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی کہ اللہ تعالیٰ کا قسمیہ جملہ، نبی علیہ السلام کا ''اسم'' نہیں بن سکتا۔

''یا حامد''۔ (سیدنا حامد......اللہ کی حمد کرنے والے)

شاعر نے اس اسمِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ''یا'' لگا کر ''یا حامد'' یعنی ندائیہ بنایا۔ اس صورت میں جو کچھ کہا گیا اس کا یہ مفہوم برامد ہوا جیسے نبی علیہ السلام کو ''یا حامد'' کہہ کے کچھ باتوں کی (نعوذ باللہ) جانکاری دی جارہی ہے۔

ناز فرمائے گا خود ربِّ علا یا حامد!

حمد کا تھامیں گے جب آپ لوا یا حامد!

اے اللہ کی حمد کرنے والے! آپ جب حمد کی لوا تھامیں گے تو رب العلیٰ اس پر ناز فرمائے گا۔ یہ بھی جملۂ خبر یہ ہے۔

حمد کی سلکِ معلیٰ کے کہاں ہے قابل

حرف جو لائقِ مدحت نہ ہوا یا حامد

اے اللہ کی حمد کرنے والے! جو حرف لائقِ مدحت نہیں ہوتا، وہ حمد کی اعلیٰ لڑی میں پرونے کے قابل نہیں ہوتا۔ جملۂ خبر یہ!

اس سے یہ مفہوم برآمد ہو رہا ہے کہ اے حمد کرنے والے! (یہ بھی دھیان میں رکھ) (نعوذ باللہ) کہ جو حرف لائقِ مدحت نہیں ہوتا وہ حمدِ الٰہی کی اعلیٰ لڑی میں پرونے جانے کے قابل نہیں ہوتا۔ ''یا حامد'' کی ردیف نے شعر کو گستاخانہ بنا کر، متن کو ذم کے پہلو سے داغ دار کر دیا۔

ایک ردیف ہے ''**علم الھدیٰ**''۔

(ہدایت کے پرچم)...... جسے شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسم گرامی کے طور پر ردیف کیا۔ اوّل تو یہ حضور کا اسمِ مبارک نہیں ہے۔ صرف شاعر نے اسے ایسا سمجھا اور برتا ہے، دوم یہ ردیف اس بات کی متقاضی تھی کہ ہر مصرعے اور ہر شعر میں ''ہدایت کے پرچم'' سے دنیا میں پھیلنے والی ''ہدایت'' کا ذکر کیا جاتا۔ لیکن ایسا ممکن نہیں تھا۔ چناں چہ شاعر نے ہر شعر میں اپنی موضوعیِ طبع کے مطابق متن تیار کیا اور ''**علم الھدیٰ**'' کی ردیف ضرورتاً ٹانک دی۔ مثلاً!

تو قسیمِ خیر تمام ہے ''عـــلـــم الھـــدیٰ''

تو کرم نوازِ مدام ہے ''عـــلـــم الھـــدیٰ''

اس مرحلے پر شاعر نے یہ نہیں سوچا کہ ''قسیمِ خیرِ تمام'' اور ''کرم نوازِ مدام'' کہنے سے ''ہدایت'' عام کرنے کا مفہوم برآمد نہیں ہوتا۔اس طرح ردیف بیکار پڑی،اور نعت کا ہر شعر ردیف کے معنوی حسن سے تہی رہا۔

قرآنِ کریم کی سورۂ توبہ ۹، کی آیت ۱۲۸/ میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ:

''(کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ''حریص علیکم'' ہیں''۔

ظاہر ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صفت کا بیان ہے۔اللہ تعالیٰ نے ''حریص علیکم'' حضور کا نام نہیں رکھا ہے۔

اس طرح یہ اعلانِ باری تعالیٰ بھی ردیف بن کر اشعار کا تمام تر متن اللہ تعالیٰ کے اعلان سے منسوب ہو گیا جو سراسر غیر مناسب ہے۔

عطائے مجسم ''**حریص علیکم**''
نعم بار ہر دم ''**حریص علیکم**''

(تمہاری ہدایت کے لیے حریص (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)،عطائے مجسم،اور ہر لمحہ نعمتوں کی بارش کرنے والے ہیں۔یہ متن شاعر کا نہیں رہا اللہ تعالیٰ سے منسوب ہو گیا)

خزاں خیر رُت میں بہارِ طراوت
عنایات کا نم ''**حریص علیکم**''
شفاعت کے طالب ہیں اہلِ معاصی
طلب اِن کی ہر دم ''**حریص علیکم**''

(گناہگار شفاعت کے طلب گار ہیں،اور ''**حریص علیکم**'' کی طلب لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی ہے۔......اس متن سے ایسا لگ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنے نبی کی صفت ''**حریص علیکم**'' بتا کر اُنہیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شفاعت طلبی سے آگاہ فرما رہا ہے۔

پوری نعت میں صرف ایک ''متن'' شاعر کا تخلیق کردہ لگتا ہے:

شکستہ دلوں کو نویدِ سکینت
کہ ہے نصِّ محکم ''**حریص علیکم**''

(قرآنِ کریم کی نصِ قطعی ہے کہ ''**حریص علیکم**'' شکستہ دلوں کے لیے مژدۂ

سکینت ہیں)

یہ حال ہے ایک نسبتاً علم سے بہرہ ور شاعر کا جس نے اپنے نعتیہ مجموعے میں اسماء النبی شریف کو ردیف بنا کے اشعار کہے ہیں (۱۵۶ مقش)

غالب کی غزلوں کی زمینوں میں نعتیہ متن تخلیق کرنے کا رجحان بھی عصری نعت میں ظاہر ہو رہا ہے۔لیکن اس متن میں یا تو متن کا گلا گھٹ جاتا ہے یا غالبؔ کے لہجے اور اسلوب کی موت ہو جاتی ہے۔ بڑے شاعر کا تتبع اتنا آسان نہیں ہوتا ہے جتنا ہمارے نعت گو شعرا نے سمجھ لیا ہے۔ہاں! اس عمل میں کچھ اچھے شعر ضرور ہو جاتے ہیں لیکن ہر غزل کے قافیے اور ردیف کو نبھانا ممکن نہیں رہتا۔

درج ذیل شعر ملاحظہ ہو:

آپ کے اصحاب دیتے ہیں گواہی آج بھی
آپ نے یکسر بدل ڈالا ہے فن تصویر کا
(۱۵۵۱۔معرف)

آج دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کون سے صحابیؓ موجود ہیں جو اس بات کی گواہی دے رہے ہوں کہ نبی مکرم نے تصویر بنانے کا فن بدل ڈالا تھا۔؟......تصویر کا لفظ تو صرف قافیے کی ضرورت کا غماز ہے، نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تو تصویر کے فن سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔

آپ آئے تو قلم انگڑائی لے کر جاگ اُٹھے
آپ آئے تو زمانہ سو گیا شمشیر کا

قلم کا انگڑائی لے کر جاگنا بھی عجیب ہے،اور شمشیر کے زمانے کا سو جانا بھی غیر حقیقی ہے۔علم کے پھیلنے کا آغاز ہونا کسی بہتر سلیقے سے ظاہر کیا جانا تھا۔اصلاحِ احوال اور معروف کی ترویج واشاعت کے لیے شمشیر کا استعمال نہ صرف کیا گیا بل کہ قرآنِ کریم میں جنگی گھوڑوں کو تیار رکھنے پر بھی زور دیا گیا۔اس لیے آپ کی تعلیمات سے شمشیر کا زمانہ ختم نہیں ہوا،بل کہ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ناگزیر ہو گیا۔جہاد اسی کا نام ہے۔یہ بھی نری قافیہ پیمائی ہے۔

آج بھی مدینے سے دور رہنے والوں نے
طبع گھن زدہ پائی ، ذہن نارسا پایا

(مصرع اولیٰ میں ''آج بھی'' بھرتی کا ہے۔دوسرے مصرے میں جو بات کہنا چاہیے تھی وہ شاعر کے ذہن میں رہی، قرطاس پر نہیں آسکی۔تاریخ گواہ ہے کہ مدینے سے دور رہنے والے مسلمان معاشروں میں ایسے ایسے جید علما وفضلا پیدا ہوئے ہیں جن کے ڈنکے دیارِ حجاز میں بھی بج گئے ......شاعر اگر یہ کہتا کہ مدینے سے پھیلنے والی ہدایت کی روشنی سے محروم (دور کے لوگ) گھن زدہ طبیعت اور نارسا ذہن کے مالک ہیں تو شاید بات بن جاتی۔شعر کا متن اور اسلوب دونوں غالب کے مزاج سے مختلف اور حقیقت نگاری سے بہت دور ہیں۔

نسیمِ صبح کی آہٹ، صبا کی گنگناہٹ میں
قصیدہ رقص فرما ہے ہمارے سارے ایماں کا

ہمارے سارے ایماں سے مراد اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذاتِ والا صفات ہے تو یہاں ایسا کوئی قرینہ نہیں کہ قاری کا ذہن اس طرف چلا جائے۔صرف قافیے کی ضرورت نے شاعر کو ''سارے ایماں'' کی ترکیب سجھائی ہے۔قصیدے کا رقص فرمانا بھی نری لفاظی ہے۔

یقیں کیجئے اُنہیں کے ذکر کا یہ فیض ہے سارا
جو اب بھی ذکر ہوتا ہے رسولِ مصر وکنعاں کا

یقیں کیجئے کہنے سے غالب کے اسلوب کی قطعی نفی ہوگئی، غالب اس طرح کے الفاظ سے گریز کرتا ہے۔غالب کی غزل کا لہجہ اور ہے مثنوی یا قطعات کا مزاج اور، مزید براں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رسولِ مصر وکنعاں کا ذکر توریت وانجیل میں بصراحت موجود ہے اس لیے غیر مسلم اہلِ کتب میں ان کا ذکر ہوتا ہی رہتا ہے۔اس صورت میں یہ کہنا کہ حضرت یعقوب اور حضرتِ یوسف علیہم السلام کا ذکر صرف نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فیض سے جاری ہے، قطعی مناسب نہیں۔اس میں حضرات انبیاء علیہ السلام کی ذواتِ مقدسہ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔یہاں بھی ''کنعاں'' کا قافیہ برتنے کی ضرورت نے یہ متن تخلیق کروایا ہے۔

بعثت سے اُن کی ایسا منور ہوا جہاں
کوئی بھی شخص غافلِ منزل نہیں رہا

مبالغہ آمیز متن ہے۔اگر یہ حقیقت ہوتی تو آج دنیا میں بے راہ روی کا سایہ تک

معدوم ہو چکا ہوتا۔ ایسا نہیں ہے......دیگر اقوام کا تو کہنا ہی کیا خود اسلامی معاشروں میں رہنے والے ''منزل'' سے غافل ہیں۔......اس لیے یہ متن حقیقت سے بہت دور جا پڑا۔

وارث و مالک ہیں جنت کے حضور
اُن کی جنت کو بھی ہم ٹھکرائیں کیا

جنت کو ٹھکرانے کا خیال ہی کراہت آمیز ہے۔

ان شواہد سے متبادر ہوا کہ شعرا، غالب کی زمینوں میں اشعار گھڑنے کی جس مشق میں لگے ہوئے ہیں، اس مشق کے نتیجے میں بہتر اشعار کی تخلیق بہت مشکل ہے۔ شاعر نے کچھ اچھے شعر بھی کہے ہیں لیکن یہاں ان کا ذکر کرنا ضروری نہیں) (۱۵۵۱۔معرف)

جن کتب کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان میں عروضی، فنی اور لسانی اسقام بہت ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ کتب (میری معلومات کی حد تک) انعامی دوڑ میں بھی شامل کی جاتی رہی ہیں۔

اس بار میں نے شاعروں کے اور کتب کے نام نہیں لکھے لیکن میرے پاس یہ تمام نسخے موجود ہیں۔

نعت نگاری میں تازہ کاری، موضوعات کا تنوع اور اظہاری خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کے بجائے بیشتر نعت گو شعرا (یا تُک بند) چبائے ہوئے لقموں کو چباتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود اپنا متن تخلیق کرتے ہوئے مناسب اسلوب اور زبان و بیان کی حدود قائم نہیں رکھ پاتے۔ اس لیے ظاہر ہوا کہ بیشتر نعت گو شعرا صرف جذبات کا اظہار کر دیتے ہیں۔ اظہار میں ادبی معیارات کو پیشِ نظر قطعی نہیں رکھتے۔ پھر کتاب شایع کرنے کا شوق انہیں بلا تاخیر اپنا متن پکی سیاہی سے قرطاس پر دیکھنے پر اکساتا ہے۔ اس طرح کتاب چھپ کر عام ہو جاتی ہے۔ ایسے شعرا کی تعداد، دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ دانندۂ فن محتاط سخن فہم حضرات اور ناقدین، ایسی کتب کو قطعی اہمیت نہیں دیتے۔ اس طرح تُک بندوں کی بہتات کے باعث یہ مقدس صنفِ سخن اپنے جائز ادبی مقام سے محروم ہے۔

راقم الحروف نے اپنی تحریروں میں بیشتر اس جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔ تاہم میرے لیے بڑی مسرت کا موقع ہے کہ اب ڈاکٹر ریاض مجید صاحب نے بھی بڑے دوٹوک

الفاظ میں فن شناس لوگوں سے ذرا مختلف لہجے میں گفتگو فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کے اندر مواد کا جو بھی سرمایہ ہے جب تک وہ لفظوں کے ذریعے اظہار پزیر نہیں ہوتا، آپ فن کی اقلیم میں داخل نہیں ہو سکتے ۔ بقول مرزا غالبؔ:

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

لہو کے آنکھ سے ٹپکنے کو آپ اظہار کی آخری شکل سمجھیے کہ تجربہ آپ کے داخل کا حصّہ بن کے مکمل انجذاب اور انہماک کے ساتھ آپ کے تخلیقی شعور (Poetic Consciousness) کا حصّہ بن کر کاغذ پر اترے ۔۔ اسی لیے ٹی ایس ایلٹ نے ادبیاتِ عالیہ کی تخلیق کو، لہو کو روشنائی میں ڈالنے (بلکہ ڈھالنے زیادہ مناسب ہے) کا عمل کہا ہے یہ شعریت کا وہ نکتۂ عروج ہے جہاں خیال، لفظ، قافیہ، بحر اور اسلوب کے تمام داخلی اور خارجی پہلو ایک تخلیقی اکائی ''Poetic Unit'' میں ڈھل جاتے ہیں''۔ (۱۴)

مشکل یہ ہے کہ نعت گو شاعروں کی کتب پڑھے بغیر معروف ناقدین ''تحسین نامہ'' لکھ دیتے ہیں ۔آتش نے کیا خوب کہا ہے:

آئینے سے بنے گا رُخِ یار کا بناؤ
شانے سے ہو گی زلف شکن در شکن درست
کم شاعری بھی نسخۂ اکسیر سے نہیں
مستغنیٰ ہو گیا جسے آیا یہ فن درست
مشقِ سخن نے بندشِ الفاظ چست کی
سچ ہے یہ بات، کرتی ہے ورزش بدن درست

(کلیات آتش، ناشر: آصف نواز، مکتبہ شعر او ادب، لاہور، ۹۵، سن ۔ن ۔) (۱۵)

سوداؔ نے بڑی بدمزہ شاعری کے حوالے سے کیا خوب کہا ہے:

کہاں نطقِ فصیح از طبعِ نا ہنجار ہو پیدا
فغانِ زاغ سے طوطی کی کب گفتار ہو پیدا

سخن بے مغز کا ہے جوں ہوا دریائے معنیٰ میں حباب
ایسا نہیں جس سے دُرِ شہوار ہو پیدا
نہ طبعِ جمد سے سرزد کبھو ہو معنیِ رنگیں
جہاں میں تخم سے تھوہڑ کے کب گلزار ہو پیدا
سخن کو زادۂ طبعِ سخن ور کہتے ہیں اُوسکا
زبانوں پر بخوبی چاہیے اذکار ہو پیدا
کلامِ بے نمک کی شور انگیزی ہے ایسی کچھ
زمینِ بول گاہِ خلق میں جوں کھار ہو پیدا
مخاطب اُس کو ہی کرتے ہیں اربابِ سخن سوداؔ!
کہ جس میں کچھ بھی عقل و ہوش کا آثار ہو پیدا (۱۶)

سوداؔ تو، عام شاعری کے بارے میں اس قدر طنز آمیز کلام کہہ گیا۔ کیا نعت گزاروں میں شعور پیدا کرنے کے لیے ذرا سی تلخ نوائی برداشت نہیں کی جاسکتی؟

مجھے پھر ڈاکٹر ریاض مجید یاد آ گئے لکھتے ہیں:

''نعت نویسی اور نعت نگاری میں یہی ایک فرق ہے کہ نعت نویس، تخلیق کے ان مرحلوں میں (ردیف وقافیہ) کو سرسری انداز میں لیتا ہے۔ وہ دوسروں کی ان شعری زمینوں میں نعتیں کہتا ہے، جسے بیسیوں نعت کہنے والوں نے استعمال کیا ہے اور اب ان زمینوں میں نئے خیالات کی افزائش کی گنجائش قریب قریب ختم ہوگئی ہوتی ہے۔ جب کہ نعت نگار، نئی نئی اور تازہ زمینیں نکالتا ہے جس طرح پرانی زمین میں نئے خیالات کو لانا قریب قریب ناممکن ہے۔ اسی طرح ایسی زمینوں میں کہے جانے والا ہر شعر اپنے ساتھ ایک تازہ خیال لے کر آتا ہے۔ نئی زمینِ شعر میں آپ پرانا خیال لا ہی نہیں سکتے۔ یہ بھی واضح ہو کہ نعت میں نئی زمین کی تلاش، تازہ کاری کی کوشش میں ایک ذہنی اُپج کا نام ہے۔ بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر زیادہ تر ساری عمر نعتوں کی مستعمل زمینوں میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ لیکن بعض کم معروف اور نئے شاعر کبھی کبھار نعت میں نئی زمین تراش لیتے ہیں''۔ (۱۷)

میں نے جو شعری اسقام درج کیے ہیں وہ شاعروں اور کتابوں کے حوالے کے بغیر درج کیے ہیں۔ میرا مقصد کسی کو رسوا کرنا نہیں ہے۔ اسقام کی نشاندہی سے ازخود معلوم ہو جائے گا کہ صاحبِ کتاب شعرا نے مشق، ریاضت اور فنی کمال حاصل کرنے کی محنت سے جی چرایا اور اپنی مطبوعات میں اچھے اور کم اچھے یا صاف ستھرے اور عیب دار اشعار شامل کر دیئے ہیں۔ یقیناً جن کتب سے میں نے عیب دار اشعار نقل کیے ہیں، اُن میں اچھے اشعار بھی ہیں۔ لیکن عیب دار اشعار نے اچھے اشعار کی خوبی دبا دی اور شعرا کی امیج خراب کر دی۔ یہ بھی واضح رہے کہ جن کتب کے شعری اسقام کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں صرف اتنے ہی اسقام نہیں، بل کہ بہت زیادہ اسقام ہیں۔ اس لیے اگر صاحبانِ کتاب میری گزارشات سے سبق حاصل کر سکیں تو ضرور بہ ضرور اشاعتِ کتب کی رفتار میں کچھ وقفے ڈال کر پہلے فن کی باریکیاں سیکھنے کی کوشش کریں گے۔ مشہور ضرب المثل ہے:

''من صنف فقد استھدان'' (جو شخص تصنیف کرتا ہے وہ نکتہ چینی کا نشانہ بنتا ہے)

یاد رہے نعت نگاری کے لیے حصولِ علم و فن کی سعی بھی عبادت میں شمار ہو سکتی ہے۔ بس خلوص کی ضرورت ہے۔ میرا روئے سخن شعرا کے ساتھ ساتھ ان ناقدینِ فن کی طرف بھی ہے جو محض ''دل جوئی'' کی غرض سے ہر کتاب پر تحسینی کلمات لکھ کر اپنی بلا ٹال دیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دربار میں ناقص مال پیش کرنے والا تو ''ہلکا'' ہو گا ہی۔ آپ بھی کمزور کلام کو سراہ کے دربارِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں سرخ رو نہیں ہو سکتے۔

میں نے جن کتب سے اشعار چنے ہیں ان میں سے بیشتر کی تحسین معروف اہلِ بصیرت لکھاریوں نے کی ہے۔ کیا کہوں شعرا اور مبصرین میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔

آخری بات یہ کرنی ہے کہ بعض شعرا صاحبِ حال ہوتے ہیں، اس لیے اُن کے کلام میں ایسے الفاظ آجاتے ہیں جن کے لُغت میں کچھ اور معنیٰ ہوتے ہیں، لیکن اصطلاحِ تصوف میں مرادی معنیٰ کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں۔

دیکھنے والوں کو وہ الفاظ انتہائی غیر مناسب لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں ناقدین کا یہ

فرض ہے کہ کسی کا کوئی ایسا شعر لکھ کر عام شعرا کو متنبہ کر دیں کہ ہوشیار رہیں۔ ایسے متون کی پیروی میں کچھ نہ کہیں، کیوں کہ عام شاعروں کا حال، کسی صوفیِ باصفا کے حال جیسا نہیں ہوتا مثلاً:

نذؔر صابری کی ایک نعت، نعت رنگ ۳۱ میں ڈاکٹر ارشد محمود ناشاؔد کے تنقیدی نوٹ کے ساتھ شایع ہوئی تھی اس نعت کی ردیف ''صنم'' نعتیہ متن کے لیے ہر گز مناسب نہیں ہے۔ لیکن چوں کہ نذر صابری ایک صاحب حال بزرگ تھے اس لیے ڈاکٹر ناشاؔد نے لکھا:

''مصباح التعرف لارباب التصوف'' میں حافظ علی شاہ انور قلندر نے ''صنم'' کے معنیٰ تجلیات روحی، اور صفاتِ ذاتی کے دیے ہیں جو سالک کے دل میں متجلی ہوتی ہیں۔ صنم کی یہ تعبیر اور مفہوم لغوی معنیٰ سے بعید اور مختلف ہے۔ نذر صابری کی نعت میں صنم کا لفظ نئی معنوی تعبیر کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ جسے سیاقِ متن سے الگ کر کے دیکھنا درست نہ ہوگا''۔(۱۸)

نذر صابری کی یہ نعت دراصل ایک فلمی گانے کی طرز پر ہے، جس کے بول ہیں:

''بانٹ رہا تھا جب خدا سارے جہاں کی نعمتیں
اپنے خدا سے مانگ لی میں نے تری وفا صنم

اس گانے میں ایسے مصرعے آئے ہیں:

تو ہی جو مل گیا مجھے چاہیے اور کیا صنم
شاید اسی طرح سے ہو پیار کا حق ادا صنم

نذر صابری نے بحرِ رجز مثمن مطوی مخبون (مفتعلن مفاعلن، مفتعلن مفاعلن) میں یہ نعت لکھی ہے۔

بُت کدۂ صفات میں ، تنہا خدا نما صنم
جھک گئے سامنے ترے ، کفر کے سب خدا صنم
سجدے کو مضطرب جبیں ، تو نے کہا نہیں نہیں
رُک گیا قافلہ وہیں ضبط کی انتہا صنم
اے بُتِ ابطحی لقب، اُمّی و افصح العرب
دانشِ حکمت و ادب ، سارے ترے گدا صنم

رحمتِ کائنات تو ، خواجۂ شش جہات تو
میری نگاہ کا وطن ، تیری ہر اِک ادا صنم
عالمِ ہست و بود میں ، غیب میں اور شہود میں
گر ہو خدا حدود میں، کہہ لوں تجھے خدا صنم
سدرہ و درجِ دوکماں ، تیرے عروج کے نشاں
وہم و خیال سے پرے ، عقل سے ماورا صنم
منزلِ عفو و درگزر ، مہبطِ بخشش و عطا
تیری نگاہِ لطف سے ، میری خطا خطا صنم

یہ نعت اپنی ردیف ''صنم'' اور گانے کی طرز پر ہونے کے باعث ہرگز ہرگز لائقِ تقلید نہیں ہے، لیکن نذر صابری مرحوم کی ''احوالی'' کیفیت کے پیشِ نظر اس کو صوفیانہ اور عارفانہ تخلیقی متن کا درجہ ضرور دیا جاسکتا ہے۔

نذر صابری نے ردیف تو ''صنم'' ضرور رکھی، لیکن اس کے گرد جن الفاظ کا معنوی ہالہ بنایا، وہ سب کے سب اسلامی لُغت کے تابع ہیں۔ یہ کمال صرف نذر صابری جیسا صوفیٔ صافی اور دانندۂ رموزِفن ہی دکھا سکتا تھا کہ صنم کدے کی معروف فضا کی کلید سے ''حرمِ نعت'' کا دروازہ کھول دیا ۔ یہاں ''صنم'' کے معنیٰ ''خدا نما'' ہوگئے۔ اس سے شاعر کے فنی دروبست، قادرالکلام اور متن کی طہارت برقرار رکھنے کا شعور ظاہر ہوتا ہے۔

اس کے باوجود کہ نذؔر صابری کی نعت ان کے عارفانہ مزاج اور احوالِ باطنی کی عکاس ہے ہم اس نعت کو پیش کر کے نو واردانِ بساطِ نعت کو ہرگز ہرگز یہ مشورہ نہیں دیں گے کہ وہ اس نعت کی آڑ میں اپنی تخلیقی دانش کا مظاہرہ کریں۔ انہیں حال اور قال کا فرق ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

میرے معروضات کی روشنی میں ''معاذ'' کے اَن دیکھے احوال کو واقعاتی حقیقت بنا کر پیش کرنے والوں کو بعض ناقدینِ نعت ''حقیقتِ امکانی'' کا نام دے کر شاید جائز قرار دیں، لیکن انہیں اس بات کا احساس ضرور ہونا چاہیے کہ نعت جیسی مقدس صنف میں، مادی دنیا میں رہتے ہوئے قبر، حشر، قیامت اور مابعدِ قیامت کے مضامین واقعاتی سطح پر سچے نہیں ہو سکتے ۔ اگر یہ شاعرانہ استحقاق تسلیم کر لیا گیا تو کذب بیانی کا طوفان کیوں کر رُکے گا؟۔ نعتیہ متن میں سچائی کا عنصر کیسے پیدا ہوگا؟

حوالہ جات

۱......مرزا رفیع سودا،کلیات سودا،سنگ میل پبلی کیشنز لاہور،۲۰۰۶ء،ص۲۷۱-۸۵۳

۲......ڈاکٹر ریاض مجید،نعتیات،ہوسٹ بکس ۲۵،فیصل آباد۲۰۲۳ء،ص۱۳۔

۳......ایضاً،ص۱۶۔......کلیات میر تقی میر۔دیوان سوم،مجلس ترقی ادب لاہور،جون۱۹۹۲ء،ص۱۶۳۔

۴...... Borges on Writing. Norman Thomas di Glovennl. Daniel Halpertn. Frank Mesc Shane 1974. Page73

۵...... .Ibidem...........۶......اقبال،کلیات اردو،سروسز کلب،۱۹۹۵ء،ص۳۸۷...........

۷......نعتیات،ص۱۶...... ۸......کلیات سودا،ص۱۷......۹......کلیات حفیظ تائب ،القمر انٹر پرائیز رلاہور،ستمبر ۲۰۱۷ء،ص۴۰۸......۱۰۔امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری رحمۃ اللہ علیہ،مشکوٰۃ شریف،جلد دوم،مکتبہ رحمانیہ لاہور،حدیث نمبر۴۷۴۵،ص۴۱۲............۱۱نقوش،رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نمبر،ادارہ فروغِ اردو ،لاہور،جنوری۱۹۸۴ء،ص۳۴........... ۱۲نعت رنگ ۲۱۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی (مضمون:اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات،(محمد شہزاد مجددی)ص۱۱۸............۱۳......نعتیات،ص۲۷...........

۱۴......نعتیات،ص۹۱............۱۵۔کلیات آتش،ناشر:آصف نواز،مکتبہ شعروادب،لاہور،س۔ن ص۹۵۔

۱۶......کلیاتِ سودا،ص ۳۹............۱۷۔نعتیات،ص۹۴............۱۸......نعت رنگ ۲۱۔مرتبہ:سید صبیح الدین رحمانی،مئی۲۲۰۲ء،(مضمون:نذر صابری کی ایک نعت،از ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد)ص۳۷۳.................

منگل:۲۱رشوال المکرّم۱۴۴۵ھ......مطابق:مطابق۳۰راپریل۲۰۲۲ء

☆☆☆

''محاصرہ''
امتِ مسلمہ کی ابتلا پر استقامت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے رجز اور عمومی بے حسی کا نوحہ !

مسلمانوں کی تاریخ عروج و زوال کے احوال سے بھری پڑی ہے۔عروج کے وقت ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۶ رہجری میں مسلمانوں نے فلسطین کو بغیر جنگ کیسے فتح کر لیا تھا۔پہلے محاصرہ کیا پھر اہلِ ایلیا کے اصرار پر امیر المؤمنین حضرتِ عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کو مدینے سے بیت المقدس تک کا سفر کرنا پڑا۔ایک اونٹ پر امیر المؤمنین اور آپ کا غلام باری باری سوار ہوتے رہے بیت المقدس پہنچے تو غلام کی باری تھی ،آقا اونٹ کی نکیل تھامے چل رہے تھے۔اور غلام اونٹ پر سوار تھا۔امیر المؤمنین کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے۔اہلِ ایلیا (بیت المقدس) کا بڑا پادری ان کے پاس آیا اس نے انہیں پہچان لیا اور کہنے لگا''اللہ کی قسم! یہی وہ شخص ہے جس کی صفت ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔اور یہی شخص ہمارے شہروں کو فتح کرے گا''۔پادری کے کہنے پر اہلِ ایلیا نے درواز کھول دیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ کے جزیہ ادا کرنے کی شرط تسلیم کی۔پھر امیر المؤمنین کی منظوری کے ساتھ ایک معاہدہ طے پا گیا۔

اس معاہدے میں طے پایا کہ اہلِ ایلیا کو جان، مال، گرجوں، اور صلیب کے علاوہ بیمار اور صحت مند بلا امتیاز سبھی عیسائیوں کو امان دی جائے گی۔عیسائیوں کی ایما پر یہ بھی طے پایا کہ ایلیا میں عیسائیوں کے ساتھ کوئی یہودی رہنے کا مجاز نہ ہوگا۔

اس معاہدے پر حضرتِ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عاص ضی اللہ عنہ، اور حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے دستخط بطور گواہ کروائے گئے۔نماز کا وقت آیا تو عیساؤں نے کلیسا میں نماز ادا کرنے کی سہولت دینی چاہی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سوچ کر کہ مستقبل کے مسلمانوں کے لیے یہ کوئی مثال نہ بن جائے، کلیسا کی سیڑھیوں پر نماز ادا کی۔اور اس کے لیے بھی لکھوا دیا کہ آئندہ چرچ کی سیڑھیاں بھی نماز یا اذان کے لیے استعمال نہیں کی جائیں گی۔بیت المقدس کی فتح کا واقعہ ۱۶ رہجری مطابق ۶۳۵ رعیسوی کا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے ہمیشہ معاہدے کی ایک ایک شق کی پابندی کی، اور عیسائیوں کو بھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے ہمیشہ غیر مسلم رعایا کے بچوں، ضعیفوں، اور عورتوں کی سہولت کے لیے اقدامات کیے۔

اس کے برعکس جب ۴۹۲ ہجری مطابق ۱۰۹۹ عیسوی میں صلیبیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کا سقوط ہوا تو وہ کئی ہفتے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے رہے۔ مسجدِ اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمانوں کو تہِ تیغ کیا گیا۔ جن میں بڑی تعداد اُن تارک الدنیا علما و مشائخ کی تھی جو ہجرت کر کے اس مقدس مسجد میں مشغولِ عبادت تھے۔ مسجدِ اقصیٰ کا تمام طلائی اور نقرئی بیش قیمت سامان بھی لوٹ لیا۔

تاریخِ اسلام کے مؤرخ شاہ معین الدین احمد ندوی نے ایک مؤرخ میشو لبنان صلیبی جنگ کے عینی شاہد ''رابرٹ'' اور ''ریمانڈ واژپل پوئی'' کے تھیس کے اقتباسات نقل کیے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ:

''بیت المقدس ان کے ہاتھوں فتح ہوا تو انہوں نے بلا امتیاز بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور حربی اور غیر غیر حربی، سب کو تہِ تیغ کر ڈالا۔ اور بڑے ظالمانہ انداز سے ان کی لاشوں کو نذرِ آتش بھی کر دیا''۔

صلیبی جنگ جوؤں نے اپنی رپورٹ میں پوپ کو لکھا:

''اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں جو دشمن وہاں موجود تھے اُن کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمان کے معبد میں داخل ہوئے تو اُن کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا''۔ (تاریخِ اسلام۔ جلد ۳، شاہ معین الدین ندوی۔ ص ۱۰۲۔)

عیسائیوں نے پھر جس شہر کو بھی فتح کیا اس کے مسلمان باشندوں کے ساتھ اسی درندگی کا سلوک کیا۔ علم دشمنی پر آئے تو کئی کتب خانے نذرِ آتش کر دیئے۔

۶۵۵ ہجری میں عباسی سلطنت کے شیعہ وزیر ابنِ علقمی نے ہلاکو خان کے لشکروں کو دعوت دی، اور جب ہلاکو خان کی فوجیں بغداد میں داخل ہوئیں تو یہی ابنِ علقمی آخری خلیفہ مستعصم اور اس کے ساتھ بہت سے علما کو یہ یقین دلا کر ہلاکو کے پاس لے گیا کہ انہیں کوئی نقصان

نہیں پہنچے گا، لیکن وہاں لے جا کر سب کو قتل کروا دیا۔ مستعصم کو قتل کرنے کو ہلاکو خان نحس گمان کرتا تھا، تو نصیر الدین طوسی جو ایک غالی شیعہ تھا اس نے اسے یہ ترکیب بتائی کہ سلطان کو چٹائی یا قالین میں لپیٹ کر ڈنڈوں سے پیٹ دو، اس طرح اس کا خون نہیں بہے گا اور وہ مر جائے گا۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ واقعہ ۶۵۶ ہجری کا ہے۔ پھر بغداد میں چالیس دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ بچہ، بوڑھا، جوان، اور عورت کسی کو نہیں چھوڑا گیا۔ مسلمانوں پر تاتاریوں کی اس قدر ہیبت طاری تھی کہ ایک تاتاری سو سو مسلمانوں کو بڑے آرام سے قتل کر دیتا تھا یہاں تک کہ ان کی عورتیں بھی مسلمان مردوں اور عورتوں کو تہِ تیغ کرنے میں پیش پیش تھیں۔ بغداد کے تمام کتب خانے جلا دیے گئے اور بے شمار کتب کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ اٹھارہ لاکھ مسلمانوں کا خون کر کے تاتاریوں نے جشن منایا۔ عباسی خلافت کے خاتمے پر غدّار ابنِ علقمی نے علوی خلافت قائم کرنے کی کوشش کی، لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر وہ نمک حرام بھی مر کے واصل بہ جہنم ہو گیا۔

طارق بن زیاد نے اندلس کے ساحل پر قدم رکھا اور تمام کشتیاں جلا دیں۔ پھر ۲۷/ رمضان المبارک ۲۹/ ہجری مطابق ۱۱۷/ شمسی کو عیسائی فوجوں سے مقابلہ اور مسلمانوں کو ۵/ شوال ۹۲/ ہجری کو فتحِ مبین کا مژدہ ملا۔ بعد میں پورے اندلس پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی اور وہاں عدل و انصاف کا نظام قائم کر دیا گیا۔ کسی عیسائی یا کسی غیر مسلم کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

لیکن جب ۱۲/ جمادی الثانی ۸۹۶ ہجری کو سقوطِ اندلس ہوا، اور عیسائیوں سے پندرہ نکات پر مشتمل معاہدۂ امن ہوا، جس میں مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ تھا۔ عیسائیوں نے اس معاہدے کا قطعاً پاس نہیں کیا اور لاکھوں مسلمانوں کی تہِ تیغ کر ڈالا۔ بے شمار مسلمانوں کو بہ جبر عیسائی بنالیا۔ چناں چہ اس طرح تقریباً آٹھ سو سال حکومت کرنے کے بعد مسلمان اندلس سے یا تو بے دخل کر دیے گئے یا ہلاک ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

تاریخ کے بہت سے موڑ ایسے آئے جہاں مسلمانوں نے فتح پائی تو مفتوحہ علاقوں کے باشندوں نے ان کے سلوک کو اپنے لیے رحمت جانا، ہند و پاک میں اسلام اسی طرح پھیلا۔ لیکن جب ۱۹۴۷ء عیسوی میں پاکستان بنا تو ایک بار پھر فلک نے دیکھا کہ مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ لاکھوں بچے، بوڑھے، عورتیں محض مسلمان ہونے کی وجہ سے خاک و خون میں لتھیڑ دیے گئے۔

امریکہ نے پہلے ویت نام پر ظلم کے پہاڑ توڑے پاکستان کے ترقی پسند ادیبوں اور شعرا نے قلمی محاذ پر امریکہ کی بڑی مذمت کی۔ لیکن جب اسی امریکہ نے مسلم ممالک پر غاصبانہ قبضہ کر کے وہاں کی مسلم آبادی کو بموں سے اُڑایا تو بہت کم مسلم اہلِ قلم نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔

آج فلسطین میں امریکہ کی شہ پر اسرائیل نے جو قیامت برپا کر رکھی ہے اس پر مسلم دنیا کے حکمران خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ اور کوئی بھی مظلوم مسلمانوں کی مدد کو پہنچنے کے لیے تیار نہیں۔ بل کہ بعض نام نہاد مسلمان تو کھل کر اسرائیل کے ظالمانہ اقدامات کی حمایت کر رہے ہیں۔

ایسی صورت میں اہلِ قلم بھی حق گوئی کا فریضہ ادا کرنے میں ہچکچا رہے ہیں۔ ہمارا نام نہاد مذہبی طبقہ بھی محض زبانی جمع خرچ میں وقت صرف کر رہا ہے۔ نعت گو شعرا اور نعتیہ محافل کرنے والے طبقات روایتی نعتیں لکھنے، اور روایتی نعتیں سننے سنانے میں مصروف ہیں۔ فلسطینیوں کا دُکھ محسوس تو کر رہے ہیں لیکن اس کے لیے کچھ لکھنا لکھانا کسی کو گوارا نہیں۔ ایسی صورت میں شرف الدین شامی نے ''محاصرۃ'' کے نام سے فلسطینیوں سے یک جہتی کا مظاکرہ کر کے گویا پاکستان کے اہلِ قلم کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کرنے کی سعی کی ہے۔ اپنی کتاب میں شامی صاحب نے اہلِ غزہ کو ان کے عزمِ مصمم پر خراجِ تحسین بھی پیش کیا ہے۔ اور ان کے جذبے کو اسلامی حمیت کے تناظر میں بیان بھی کیا ہے۔ ذرا ملاحظہ ہو:

اہلِ عزیمت

(غزہ کے حلفِ جہاد کے تناظر میں)

یہ حلف اہلِ غزہ نے جو اَب اُٹھایا ہے
کہ وہ زمین کو اپنی کبھی نہ چھوڑیں گے
نہ جیتے جی وہ کبھی اس جگہ سے نکلیں گے
اِسی ارادے سے عرصہ گہِ شہادت میں
گر اپنی جاں سے گزر جائیں حکمِ ربّی سے
کبھی کریں گے نہ جبری مہاجرت کو قبول
مسلط اُن پہ کسی طور پر جو کی جائے
یہی معارکِ اسلام کا ہے اصل اصول
اس عہد نامے کا حامل یہ حکمِ ربّی ہے
کہ معرکہ حق و باطل کا گرم ہو جس دم

تو اہلِ حق کے لیے یہ اشد ضروری ہے　　جمے رہیں وہیں، ہرگز نہ پیٹھ موڑیں وہ
حیات و موت تو خالق کی دسترس میں ہے　　تمام قوت و طاقت اُسی کے بس میں ہے

ایک طرف تو اہلِ غزہ کی پامردی کے شواہد ہیں اور دوسری جانب مسلمان قوم کی بے حسی ہے۔شرف الدین شامی صاحب نے ان دونوں صورتوں کا موازنہ کیا ہے۔اہلِ رخصت کے عنوان سے مسلم حکمرانوں کے رویے کی کس طرح قلعی کھولی ہے ملاحظہ ہو:

''اہلِ رخصت''

(اکثر مسلم حکمرانوں کے عمومی رویے کے تناظر میں)

ہم اہلِ رخصت ہیں..........اہلِ رخصت کو سو بہانے..........جواز جتنے کہو، سو بنتے ہیں
سر بچانے کو اپنا اپنا..........محاذ کی ہو پکار کچھ بھی..........ہے بار اِن پر..........یہی سبب ہے
کہ دو ارب ہو کے بھی..........پرِ کاہ سے ہیں ہلکے..........یہ صرف ہم ہیں..........کہ مرتا
دیکھیں جہاں کسی کو..........تو سادہ لیتے ہیں دم بلا شک..........ہم اپنی آنکھیں ہی موند لیتے ہیں
بزدلی سے..........بجائے اس کے، کہ سب ہی مل کے..........قلم اُٹھاتے..........عدوئے
اسلام کو مٹانے کا عزم لے کر..........اکھٹے ہو کر محاذ اِک اور ہی بناتے..........مگر یہ سب اپنے
اپنے ذاتی مفاد..........اپنے ہی سود اپنے زیاں کے احوال دیکھتے ہی..........اسی تناظر میں
سوچتے ہیں..........کہ اپنے اپنے مفاد ہی کا کریں تحفظ..........کہ بڑھ کے ظالم کا ہاتھ روکیں
اِسی تذبذب کی تنگنائے میں تیرتے ہیں

شامی صاحب نے مسلم عوام کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی باتیں بھی کی ہیں۔

''مغضوبِ علیہم''

غزہ کے حق میں وہ آواز کیوں اُٹھائیں گے؟　　جہاں ضمیر پہ ہوں قفل حکمرانوں کے
ہزار خلقِ خدا میں تڑپ ہو ان کے لیے　　اثر نہیں کسی جذبے کا خستہ حالوں کے

اسی کے ساتھ انہوں نے رجز خوانی کا اہتمام بھی کیا ہے۔اور بڑے پُرسوز لہجے میں جہاد کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

''معرکۂ فلسطین کے حوالے سے''

حق و باطل کے معرکے ہیں یہ　　کیا دکھائی تمہیں نہیں دیتا
آ رہی ہے صدا جہاد جہاد　　کیا سنائی تمہیں نہیں دیتا

جو لوگ رسمی طور پر عیدِ میلا د النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم منانے میں مگن ہیں انہیں صرف حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اظہارِ محبت کا ایک ہی طریقہ آتا ہے۔ کہ وہاں آپ ﷺ کے جمالِ صوری کا ذکر کر کر کے جھومیں اور یہ تصور کر کے شاد ہو جائیں کہ ہماری محفل میں صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لائے ہوئے ہیں۔ یہ اظہارِ محبت اگر عمل میں ڈھل جاتا تو آج مسلم قوم کی تقدیر بدل چکی ہوتی۔

نعت گو شعرا کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے شعرا کو مشرکین کی ہجو گوئی کا جواب دینے کی ترغیب دی تھی۔ اور پھر اسی بنیاد پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا تھا۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شعر گوئی کی صلاحیت نہیں دی تھی۔ لیکن جنگِ حنین کے موقع پر آپ کی زبانِ حق ترجمان سے جو سجع نکلا تھا وہ شعری وزن و بحور کا پابند بھی تھا اور اسلامی شاعری کے لیے ایک رہنما اصول کا درجہ بھی رکھتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

انا　النبی　لاکذب　انا　ابن　عبد　المطلب

شامی صاحب نے بجا طور پر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آنے والے لمحات کا حوالہ دے کر مسلمانوں کو جفا کشی کی طرف دھیان دینے کی ترغیب دی ہے۔ شامی کے دکھ کو محسوس کرنے کی غرض سے میں اپنا ایک شعر نذر کرنے کی جسارت کر رہا ہوں:

ہم نے غزوات کو قصوں کی طرح پڑھ ڈالا　　اور اُمید ظفر صرف دُعا پر رکھی

''محاصرہ'' کی شاعری کے ذریعے شاعر نے مسلم قوم کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز کی طرح دبی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر و قیوم ہے۔ جب چاہے گا شامی کی نحیف آواز کو امتِ مسلمہ کے خوابیدہ ضمیر کو جگانے کے لیے از خود ایسا نظام برپا فرما دے گا کہ بقول شاعر:

دیکھنا زمانے میں کل زبان پر ہو گی　　ہم جو بات کرتے ہیں آج زیرِ لب تنہا

....

بدھ: ۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ　مطابق: مطابق: ۲۳؍ اکتوبر ۲۰۲۴ء

نعت کی تنقیدی و تحقیقی جہات !

ایک رجحان ساز کاوش !

نعتیہ شاعری تو اردو کی ابتدائی تخلیقات میں جلوہ آرا تھی لیکن اس شاعری کو ایک طویل عرصے تک علمی سطح پر پرکھنے اور اس کے شعری و شرعی ابعاد (Dimensions) پر تحقیقی و تنقیدی نظر ڈالنے کی نوبت بہت بعد میں آئی ۔ یہی وجہ تھی کہ اس صنف کو اردو کے ادبِ عالیہ میں وہ مقام نہیں مل سکا جو دوسری ہیئتی و موضوعاتی اصناف کو حاصل ہوا۔ اب تک یہ حال ہے کہ ''تنقید کی جمالیات'' کے عنوان سے دس جلدوں میں پروفیسر عتیق اللہ ، پروفیسر اردو، دہلی یونیورسٹی، (بھارت) نے انتقادی مضامین کا انتخاب شایع کیا ہے۔ لیکن نعت پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ حالا نکہ اس کتاب کے سنِ اشاعت 2018ء تک نعتیہ ادب میں تنقیدی سرگرمیاں شروع ہوئے مدت ہوگئی تھی ۔ نقدِ نعت کی متعدد کتب بھی منصۂ شہود پر آ گئی تھیں ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہمارے نقادوں کو نعتیہ متن میں کوئی ادبی خوبی نظر ہی نہیں آتی !

صبیح رحمانی نے اپریل ۱۹۹۵ء میں نعت رنگ کا پہلا شمارہ ''تنقید نمبر'' شایع کیا تھا۔ اس کے بعد اہلِ علم نے اس صنفِ شریف پر خصوصی توجہ دی۔ نتیجتاً نعت رنگ کے ۳۱ شماروں میں متعدد تنقیدی مضامین شایع ہوکر صاحبانِ بصیرت سے داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔ ان شماروں میں اِنڈو پاک کے اہلِ قلم نے بھر پور حصہ لیا۔ بھارت اور پاکستان کے شعرا نے نعتیں بہت لکھی ہیں۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز بھی نہیں رہا۔ سب نے ہی دل و جان سے حضورِ اکرم ﷺ کی مدحت نگاری میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا ہے۔ پھر جب نعتیہ شاعری کے حوالے سے علمی مباحث چھیڑنے اور اس پر انتقادی نظر ڈالنے کا مرحلہ آیا تو صبیح رحمانی نے دونوں ملکوں کے اہلِ قلم کو اس کاروانِ فکر وفن میں شامل کرلیا۔ نعت رنگ کی ہارڈ کاپی ، پاکستان میں تو ہر لکھاری اور نعت کے قاری تک پہنچتی رہی لیکن بالجوہ ، بھارت کے لکھاریوں تک نہیں پہنچی ۔ اس کا ازالہ pdf فراہم کر کے کیا جاتا رہا۔

بقول ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب، ''دبستانِ نعت'' کے اب تک سات شمارے

منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔اس مجلّے کی اشاعت کی کہانی انھوں نے اپنے پیش لفظ میں لکھ دی ہے۔ نعتیہ ادب کو ادبِ عالیہ کا قابلِ قدر حصہ بنانے کی جو خواہش مدیرِ نعت رنگ کے دل میں تھی، وہی آتشِ محبت امریکہ میں بیٹھے ہوئے جناب فیروز احمد سیفی کے دل میں بھڑکی اور انھوں نے ڈاکٹر سراج احمد قادری کے دل میں بھی اس حرارت کو منتقل کیا۔یہی وجہ ہے کہ ''دبستانِ نعت'' کے سات شماروں میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے تنقیدی و تحقیقی مضامین شایع ہوتے رہے۔ڈاکٹر سراج احمد قادری نے مضامین کے اس انتخاب کی غرض وغایت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

> ''دبستان نعت'' کے سات شماروں کے منظر عام پر آ جانے کے بعد ہم لوگوں سے غایت درجہ محبت فرمانے والے محسن و کرم نواز محترم جناب سید صبیح رحمانی صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ اگر ان سات شماروں میں شایع شدہ تحقیقی وتنقیدی مضامین کا ایک انتخاب پاکستان سے شایع ہو جاتا تو یہاں کے حلقۂ نعت سے وابستہ لوگ ہندوستان کے محققین و ناقدینِ نعت سے متعارف بھی ہو جاتے اور دنیائے نعت میں ''دبستان نعت'' کے نقوش واثرات کا تعین بھی ہو جاتا''۔

پیشِ نظر کتاب ''نعت کی تنقیدی و تحقیقی جہات!'' میں صبیح رحمانی کی تجویز کے مطابق صرف، بھارت کے اہلِ فکر ونظر کی تحریریں ہیں۔کیوں کہ پاکستان میں اس قسم کی کتب تو بہت شایع ہو چکی ہیں اور طباعت کا یہ سلسلہ جاری ہے،لیکن بھارت میں نقد ونظر اور تحقیق و تدقیق کے متون (Texts) ذرا کم کم طبع ہو سکے ہیں۔بھارت میں نعت پر علمی مباحث سے مملو تحریروں کی اشاعت کی رفتار بڑی سست رہی ہے۔برِصغیر میں نعتیہ ادب کا پہلا تحقیقی مقالہ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' جس پر، پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق مرحوم کو ۱۹۵۵ء میں ناگپور یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند ملی تھی وہ ۶۷ برس بعد ڈاکٹر سراج احمد قادری کی کوشش سے 2022ء میں شایع کیا جا سکا۔جب کہ یہی مقالہ پاکستان میں، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی کے زیرِ اہتمام ۱۹۷۶ء میں شایع ہو چکا تھا اور اب اس کی اشاعتِ ثانی بھی پاسبانِ حمد ونعت، کراچی کے زیرِ اہتمام 2023ء میں ہو چکی ہے۔

بھارت میں تقدیسی ادب کی اشاعت کی سست رفتاری کے تناظر میں، دبستانِ نعت جیسے مجلوں کی اشاعت اور ان میں انڈو پاک کے ناقدین اور محققین کی شمولیت بڑی خوش آئند ہے

زیرِ نظر کتاب، ایسی تحریروں کا انتخاب ہے جو'' دبستانِ نعت'' میں شایع ہوتی رہی ہیں۔ پاکستان میں بھارت کے ناقدین و محققین کا تعارف کروانے کی غرض سے اس کتاب میں صرف ہندوستان کے لکھاریوں کی تحریریں شامل کی گئی ہیں۔

ا نعتیہ ادب کے فروغ اور اس شعری سرمائے کو مختلف جامعات میں بطور نصاب شامل کرنے کی غرض سے، تحقیقی و تنقیدی تحریری سرمائے کی ضرورت ہے۔ یہ مضامین اور اس قبیل کی بیشتر کتب جو پاکستان اور بھارت میں اس سے قبل شایع ہو چکی ہیں، نعت پر کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہوں گی۔ تاہم جیسا کہ اقبال نے کہا ہے:

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں ہزار بادۂ نا خوردہ در رگِ تاک است

(یہ خیال نہ کیا جائے کہ شراب کشید کرنے کا کام مکمل ہو گیا۔ ابھی تو انگور کی بیلوں میں ایسی ڈھیر ساری شراب موجود ہے جس کو چکھا نہیں گیا...... یعنی ابھی بہت سے امکانات ہے)

بہر حال قطرہ قطرہ تالاب بنتا ہے۔ نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں مضامین کا یہ انتخاب ایک وقیع Contribution ہے۔

☆☆☆

حمدیہ، نعتیہ اور درودیہ قطعات کے رنگوں کی بہار!

میں نے کبھی آفتاب نقوی شہیدؒ کے مجلّے ''اوج'' (۱۹۹۲ء) میں قمر وارثی کا یہ بیان پڑھا تھا:

''یہ سرکار مدینہ کی خاص عنایت ہے کہ مدینہ منورہ میں حاضری کے دوران ہر مرتبہ کم از کم ایک نعت کہنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ میں نے جب بھی حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہوکر اس مقدس سرزمین پر نعت کہنے کی تمنا کا اظہار کیا، اللہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں میری اس دعا کو قبول فرمایا۔ گزشتہ سال ماہ ربیع الاول میں جب حاضری کا شرف حاصل ہوا، اور میں فجر کی نماز کے بعد حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا تو سلام و درود کے بعد حسب سابق نعت کہنے کی تمنا کا اظہار بھی کیا، پھر کچھ لمحے حضور ﷺ کے قدموں میں رہ کر جنت البقیع چلا گیا۔ ابھی میں حضرت عثمان غنیؓ کی قبر مبارک پر فاتحہ خوانی سے فارغ ہوا ہی تھا کہ نعت کا ایک مطلع ذہن کے پردے پر ابھر آیا۔ مطلع سے پیدا ہونے والی کیفیت کو لفظوں میں بیان ہی نہیں کرسکتا۔ نعت کا مطلع تھا:

اب کہاں جاؤں تڑپتے دل کی یہ خواہش نکال
اے مدینے کی زمیں، میری بھی گنجائش نکال

(عزیز احسن، نعت کے تنقیدی آفاق، ص۱۶۴)

اس اظہاریئے میں جو حقیقت آشکار ہوئی ہے وہ یہ کہ حبِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی برکتیں ہر محبّ کو بقدرِ ظرف ملتی رہتی ہیں۔ قمر وارثی کو شاعری کی شکل میں یہ برکتیں مسلسل حاصل ہورہی ہیں۔ انھوں نے طبع زاد نعتیں بھی کہی ہیں اور طرحی یا ردیفی طرحی مشاعروں میں شرکت کے لیے بھی توصیفِ نبی ﷺ کی ہے۔ الحمدللہ وہ برسوں سے نعتیہ شعری سرمائے میں اضافے کرتے آرہے ہیں۔

میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ قمر وارثی کی نعتیہ غزلیں بھی نظم کے فکری و معنوی ربط کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات کہ انھوں نے نظمیں نہیں کہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ جن اشعار

کا میں نے پہلے کہیں حوالہ دیا تھا ان میں بھی مضمون آفرینی کا فکری دائرہ دو دو اشعار میں مکمل ہو رہا ہے۔ یعنی ان نعتیہ غزلوں میں بھی متن کی شعری بنت میں قطعات کا رنگ جھلک رہا ہے۔ مثلاً درجِ ذیل اشعار جو نعتیہ غزلوں سے لیے گئے ہیں انھیں دو دو ابیات کی شکل میں الگ الگ کر کے پڑھا جائے تو وہ بھی معنوی اور ہیئتی اعتبار سے قطعات میں شمار ہو سکتے ہیں:

معلوم کہاں تھی مجھے قیمت اپنی　　طیبہ میں کھلی آ کے حقیقت اپنی
ہے پیش نظر گنبد خضرا جب سے　　سرچشمۂ حیرت ہے بصارت اپنی

☆

بابِ رحمت، گنبد خضرا سنہری جالیاں　　کیا نہیں ملتا تہی دامن کو باغ جود میں
اللہ اللہ کیا کرم ہے، ان کا در ہے اور میں　　جو سراپا جلوہ گر ہیں پردۂ محمود میں

☆

ساعتیں بھی ہیں کیا حضوری کی　　دل کو رہتی نہیں خبر کچھ اور
سوچنا ہے کچھ اور طیبہ کو　　بات ہوتی ہے دیکھ کر کچھ اور

یہ تمہید میں نے اس لیے باندھی ہے کہ مجھے آج قمر وارثی کے قطعات پر کچھ عرض کرنا ہے۔ ان قطعات کے تین رنگ ہیں...... پہلا رنگ، حمدیہ قطعات، دوسرا رنگ، نعتیہ قطعات، تیسرا رنگ درودیہ قطعات کا ہے۔

پہلے رنگ کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

ہے وہ اپنی حسیں صفات میں گم　　جو بھی یارب ہے تیری ذات میں گم
نام پر تیرے ہو گئی جو فنا　　ہر بلندی ہے اس حیات میں گم

اس قطعے میں ایک بہت لطیف نکتہ بیان ہو گیا ہے۔ جب بندہ، اللہ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے، جسے قرآن نے صبغۃ اللہ کہا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ج وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز (البقرۃ. آیت ۱۳۸)

''یہ اللہ کا رنگ ہے (اللہ کا رنگ اختیار کرو) اور بتلاؤ کہ اللہ سے بہتر کس کا رنگ دینا ہو سکتا ہے؟'' (ترجمہ: نور المبین، ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

اللہ کے رنگ میں بندہ اس وقت رنگا جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے خود کو

مزیّن کر کے ''تَخَلَّقُوْ ا بِاَخْلَاقِ الله''کا مظہر بن جاتا ہے۔اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے ایسے ہی شخص کو اقبال نے ''بندۂ مولا صفات'' کہا ہے۔وہ کہتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندہء مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں ، کارکشا کارساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز

(کلیاتِ اقبال اردو،ص ۳۸۹)

صِبْغَةَ اللّٰہِ اور اقبال کے اشعار کی روشنی میں قمر وارثی کے اس شعر کی تفہیم بہت آسان ہوجاتی ہے:

ہے وہ اپنی حسیں صفات میں گم جو بھی یارب ہے تیری ذات میں گم

قمر وارثی نے اللہ کی ذات کے جلوؤں میں کھو جانے والے شخص کی صفات کو حسین کہا ہے۔کیوں کہ اللہ کا رنگ اختیار کر کے اللہ کی صفات [اخلاق] سے خود کو آراستہ کرنے والے شخص پر سرشاری کا طاری ہونا یقینی امر ہے۔

شعری بنت میں ایجاز (چند لفظوں میں کثیر معانی کا ادا کرنا) دراصل شاعر کی قادرالکلامی کا اعجاز ہوتا ہے۔دیکھیے شاعر نے صبح وشب کی متضاد حالتوں کے بیان سے کیسا معنوی دائرہ بنایا ہے اور پھولوں کی نیرنگی کے حوالے سے،اللہ کی کرشمہ سازی کا کتنا خوبصورت اظہار کیا ہے۔ایجازِ بیاں کی خوبی یہ ہے کہ پورے قطعے میں ایک حرف بھی غیر ضروری نہیں ہے:

حیات افروز روئے صبحِ روشن لطافت آفریں رنگینیٔ شب
الگ ہے ہر گلِ تازہ کی خوشبو کرشمہ ہے تری قدرت کا یارب

اللہ تعالیٰ کی ذات ورالوریٰ ہے۔اس کی ذات وصفات کا ادراک کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔حمد میں ''تنزیہہ'' (اللہ تعالیٰ کا صفاتِ نقص یا صفاتِ ممکنات سے پاک ہونا) کی وادی میں قدم رکھنا پڑتا ہے۔یہ وادی بے کنار ہے۔اس لیے شاعر تخیل سے بھی ذاتِ باری تعالیٰ کا ادراک حاصل نہیں کرسکتا ہے۔لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ......(وہ ذات وصفات میں ایسا کامل ہے کہ) کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔(معارف القرآن)......(کوئی چیز ذات میں یا صفات میں اللہ تعالیٰ کی مانند نہیں ......ضیاء القرآن)۔جب کائنات کی کوئی شئے اس کی مثل نہیں،تو اس کا تصور بھی محال ہے۔

تیری قدرت کا اے خدا ادراک　　کون ہے جس کو ہو سکا ادراک
دل میں رکھے جو ڈر ترا پیہم　　مجھ کو یارب ہو وہ عطا ادراک

یہاں قمر وارثی نے اللہ کی قدرت کے ادراک کی نفی کرتے ہوئے اللہ کی عظمت اور اس کی جلالت سے دل میں خشیت، پیدا ہونے کی دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ الملک کی آیت ۱۲ میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ o (بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے......

عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''[جس کا ظہورِ کامل آخرت میں ہوگا] یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ...... یہی خشیتِ الٰہی ہی تو ہے جو انھیں ایمان وطاعت کی طرف لاتی ہے۔ بِالْغَیْبِ......ایمان بالغیب کی طرح یہ خشیت بالغیب کی بھی تصریح، اس امر کو ظاہر کر دیتی ہے کہ کسی کا مرتبۂ ایمان وخشیت، جس درجے کا بھی ہو، بہر حال کوئی نہ کوئی درجۂ غیب ان کے لیے بھی باقی رہے گا۔ یہ شہودِ کامل اِس عالمِ ناسوت میں بشر کے لیے ممکن نہیں'' ......تفسیرِ ماجدی)

توحیدی رنگ میں اللہ تعالیٰ کی یکتائی، اس کی رحمتوں کی وسعت، بیت اللہ کی زیارت کا احساساتی اور تاثراتی بیان، اللہ کی شان قدرت کے جلوؤں کا والہانہ انداز سے ذکر، اللہ سے کرم طلبی، سورۂ اخلاص کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف، صفاتِ رب میں کھو جانے والے بندے کی سرشاری کا احوال، اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا ذکر، اللہ تعالیٰ کی صنّاعی کے حوالے سے اس کی حمد کے متون (Texts) شامل ہیں: چند قطعات ملاحظہ ہوں:

جبینِ چرخ پر کیا کیا ٹنکے ہیں　　یہ مہر و ماہ یہ روشن ستارے
فروغِ چشمِ حیرت ہیں الٰہی　　تری صنّاعی کے شہکار سارے

اللہ تعالیٰ کی صنّاعی نے انسانی عقل کو حیرانی میں مبتلا کیا ہے۔ جوں جوں انسان کو بصیرت نصیب ہوتی جاتی ہے انسان کی حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہاں، فروغِ چشمِ حیرت کی ترکیب لاجواب ہے۔

یارب نفس کی آمد وشد تیرے دم سے ہے　　یہ سلسلہ تو تیرے ہی لطف وکرم سے ہے

میں کیا ہوں پھر بھی اے مرے مولا مرا بھرم　　　تیرے کرم سے رحمتِ شاہِؐ امم سے ہے

انسانی زندگی کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر منحصر ہے اور اللہ کی رحمت مجسم ہو کر نبی علیہ السلام کی ذات میں جلوہ آراء ہوگئی ہے۔ اس لیے حمد میں نعت کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

الٰہی چشمِ بینا سے جدھر دیکھا ، جہاں دیکھا
ترے ہونے کا ہم نے جا بہ جا روشن نشاں دیکھا
ترے محبوبؐ ہی کو یہ شرف حاصل ہے بس ورنہ
کسی نے کب تجھے اے مالکِ کون و مکاں دیکھا

شیفتہ نے کہا تھا:

یاں خاروخس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا　　　ہاں عالمِ شہود ہے آئینہ ذات کا

قمر وارثی نے بھی چشمِ بینا سے جدھر دیکھا اللہ کا جلوہ ہی نظر آیا۔

یہ جلوہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ہے۔ لیکن اللہ کی ذات کا نظارہ صرف اور صرف خیر البشر جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغامبر کو قیامت تک آنے والے انسانوں کو توحیدِ ربانی کی شہادت دینے والا بنا کر بھیجا تھا، اور شہادت کی شرط ''دیکھنے'' کے عمل سے پوری ہوتی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معراج کا اعزاز بخش کے اپنا دیدار کروا دیا۔ قمر وارثی نے یہ کہہ کر:

ترے محبوبؐ ہی کو یہ شرف حاصل ہے بس ورنہ
کسی نے کب تجھے اے مالکِ کون و مکاں دیکھا

معراج کی جانب تلمیحاتی اشارہ کرتے ہوئے رب کے دیدار کی نعمت سے سرفراز ہونے والی واحد ہستی کے طور پر نبی علیہ السلام کا تعارف کروایا ہے۔

روز و شب صبح و مسا درکار ہے　　　فضل اے مولا ترا درکار ہے
مجھ کو پہنچا دے جو تیرے قرب تک　　　وہ جنوں ، وہ راستہ درکار ہے

اللہ تعالیٰ کا قرب بغیر جنوں (عشق) حاصل نہیں ہوسکتا ہے اس لیے شاعر کہتا ہے کہ الٰہی مجھے ایسا جنوں اور ایسا راستہ دکھا دے جو تجھ تک مجھے پہنچا دے۔

یارب عطا ہوں وہ مجھے حرف ونوا کے پھول　　　جن سے مہک سکیں تری حمد وثنا کے پھول

بتلا دیا ہے آگ کو تُو نے بنا کے پھول
ہر زاویے سے قادرِ مطلق ہے تیری ذات

شاعر کی تمنا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے لیے حروف، الفاظ اور آواز کا مہکتا ہوا گلشن عطا ہو! حضرت ابراہیم کے لیے آگ کو پھولوں بھرے گلشن میں تبدیل کرنے والے معجزے کے تلمیحاتی اشارے سے، اللہ کے قادرِ مطلق ہونے کی دلیل بھی شعری پیکر میں ڈھل گئی!

حمدیہ شاعری میں جن معنوی خوبیوں کا احوال سمویا جا سکتا ہے وہ کسی نہ کسی طور قمر وارثی کے حمدیہ قطعات میں آ گئی ہیں۔ ان قطعات کی زبان سادہ ہے اور بیان میں صداقت کا عنصر نمایاں ہے۔

اس کتاب میں شامل قطعات کا دوسرا رنگ ''نعتیہ'' ہے۔ نعت کہنے میں شعرا کو ہمیشہ سے وہ سہولت میسر آتی ہے جو حمد کہنے میں حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ اللہ کی ذات کا تصور محال ہے جب کہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات و صفاتِ بشری و نبوی، دونوں کا ادراک ممکن ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کی شخصیت، آپ ﷺ کا جمالِ صوری اور جمالِ اسوہ مع جزئیات محفوظ ہیں، اس لیے نعت کہنا، بہ نسبت حمد کے آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقدیسی ادب میں، نعتیہ شاعری کی مقدار بہت زیادہ ہے۔

نعتیہ رنگ میں پہلا قطعہ ہی شاعر کی اُس سرشاری کا آئینہ دار ہے جو اسے توصیفِ شہِ ؐ کون و مکاں کے اظہار کی توفیقات میں میسر آتا ہے:

سارا ماحول عجب کیف میں ڈھل جاتا ہے
جب بھی کرتا ہے کرم لمحۂ توفیقِ ثنا

چہرۂ حرف گُلِ تر میں بدل جاتا ہے
لمسِ توصیفِ شہِ ؐ کون و مکاں پاتے ہی

شاعر کی اس کیفیت کو ہم ''حُبِّ رسول ﷺ'' کے اس مقام سے تعبیر کر سکتے ہیں جو نبی علیہ السلام کے جمالِ صوری اور جمالِ معنوی [اسوہ] کے ادراک سے حاصل ہوتا ہے۔ شاید یہ مقام اقبال نے بھی اس لمحے میں حاصل کر لیا تھا جب انھوں نے سرشاری کے عالم میں حضورِ اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا:

یا رسول ؐ اللہ! او پنہاں و تو پیدائے من
با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار

''یارسولؐ اللہ! میں تو اللہ سے بھی آپ ﷺ کے توسط سے بات کرتا ہوں اس لیے کہ وہ میری آنکھ سے پوشیدہ ہے اور آپ ﷺ میرے سامنے ظاہر ہیں''۔

قمر وارثی کا درجِ بالا قطعہ حضوری کی کیفیات کا مظہر ہے۔ درجِ ذیل دو قطعات بھی شاعر کی ایسی ہی کیفیات کا عکس لیے ہوئے ہیں:

شاخِ لب پر ہر ایک پہلو سے ۔۔۔ سلسلہ وار پھول کھلتے ہیں
بات کرتا ہوں میں بھی خوشبو سے ۔۔۔ لمحۂ ذکرِ مصطفےٰ ﷺ کے طفیل

یا

بہ فضلِ رب میں اس میں بہہ رہا ہوں ۔۔۔ جسے کہتے ہیں بحرِ عشقِ آقاؐ
سو میں نعتوں پہ نعتیں کہہ رہا ہوں ۔۔۔ مدد کرتے ہیں میری شاہِؐ والا

سرشاری میں نعتوں پر نعتیں کہتے رہنا اپنی جگہ، تاہم شاعر کو اس بات کا ادراک حاصل ہے کہ کارِ مدحت سرائی بڑا دشوار ہے۔ ہاں حضورِ اکرم ﷺ کے کرم کے سہارے ''شعرِ عقیدت'' کی بنت آسان ہوسکتی ہے:

مدحتِ محبوبؐ ربّ دوسرا آساں نہیں ۔۔۔ آشنا اس بات سے ہے فکر میری میرا فن
ہو کرم سرکارؐ کا شامل تو کیا آساں نہیں ۔۔۔ ہے مگر یہ بھی حقیقت ہر حوالے سے قمرؔ

شاعر اپنے شعری عمل (Poetic Work) کے ذریعے اپنے احساسات و احوال کی حکایت بھی بیان کرتا جاتا ہے۔ درجِ ذیل شعر سے قمر وارثی نے اپنی ہمہ وقتی کیفیت کے زیرِ اثر تخلیق ہونے والے کلام کا ذکر کیا ہے:

پاتے ہیں ذکرِ شاہِ امم سے قرار ہم ۔۔۔ ہوتے ہیں بے قرار جب اپنے تئیں کبھی
اللہ کے حبیبؐ سے کرتے ہیں پیار ہم ۔۔۔ دیکھے ہمارا حوصلہ کوئی ذرا قمرؔ

اس قطعے میں امیر مینائی کے اس متن کی تجدید بھی ہوگئی ہے جس میں انھوں نے بندوں کے حوصلے کی بات کی تھی:

بندوں کا بھی کیا حوصلہ اللہ غنی ہے ۔۔۔ اللہ کے محبوب سے ہے عشق کا دعویٰ

قمر وارثی کا عشق، ان کے قلب و روح کو ہمہ وقت گرما رہا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کے

نامِ پاک کے ذکر کی بدولت، ایک روشنی، اُن کے قلب سے روح تک چھن چھن کے آ رہی ہے:

بہ نامِ نبیؐ قلب سے روح تک — چھنی روشنی قلب سے روح تک
خیالِ درِ پاک سے چھا گئی — فضا کیف کی قلب سے روح تک

قرآنِ کریم میں انسان اور جنوں کی تخلیق کا مقصد محض ''اللہ کی عبادت'' بتایا گیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن(اَلذّٰرِیٰت. ۵۱، آیت ۵۶)

(اور نہیں پیدا کیا ہے میں نے جن و انس کو مگر محض اس غرض سے کہ میری عبادت کریں......ترجمہ: مولانا سید شبیر احمد)

اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا سلیقہ ہی اللہ کی عبادت ہے۔ یہ سلیقہ بھی اللہ نے نبی علیہ السلام کی سیرت میں رکھا ہے، اسی لیے فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

(یقیناً ہے تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ......ترجمہ: مولانا سید شبیر احمد)(الاحزاب ۳۳، آیت ۲۱)

اس حقیقت کا اظہار بھی قمر وارثی کے شعری عمل میں ملتا ہے:

بہ فیضِ سیرتِ شاہِؐ مدینہ — سلیقہ بندگی کا ہم نے پایا
حقیقت ہے انہیں کی زندگی سے — قرینہ زندگی کا ہم نے پایا

یا

قرینہ ملا زندگی کا ہمیں — حضورؐ آپ کے روز و شب کے سبب
کہاں تھی مگر جھوم اٹھی روشنی — ہر اک سمت ماہِ عرب کے سبب

حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت کے نقوش کی وسعتوں کا ذکر بھی عجب انداز سے ہوا ہے:

سب پر ہے فضلِ رب سے شہِؐ دیں کو اختیار — دنیا کی وسعتیں ہوں کہ عقبیٰ کی وسعتیں
فرشِ زمیں سے عرشِ بریں تک ہیں جلوہ گر — شاہِؐ امم کے نقشِ کفِ پا کی وسعتیں

انسان کا اشرف المخلوق ہونا بھی نبی علیہ السلام کے فیضان کا اثر ہے، لیکن ہر انسان یہ مرتبہ نہیں پاتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جسے ''احسن التقویم'' (بہترین ساخت) پر تخلیق فرمایا

تھا، وہ نورِ نبوت سے دور رہ کر ایسا ہو گیا جسے اللہ نے ''اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ'' (سب نیچوں سے نیچے...... پھینک دیا)۔ امتِ مسلمہ، خیر الامم بھی آپ ﷺ کی نسبت سے ہے۔ ورنہ یہ بھی اشرف المخلوق ہونے کے شرف سے محروم رہتی۔ اشرف المخلوق کا وظیفہ ''تلاشِ حق'' ہونا چاہیے، اور حصولِ ادراکِ حق بغیر اتباعِ نبی ﷺ ممکن نہیں۔ درج ذیل شعر میں نبی علیہ السلام کی عظمت اور نبوت ورسالت کی اہمیت کا بہترین اظہار ہوا ہے:

جو قربِ رب کی دکھاتا ہے بالیقیں منزل عمل بخیر وہ رستہ حضورؐ آپ کا ہے
تمام خلق میں ہم ہیں جو اشرف المخلوق یہ افتخار تو صدقہ حضور آپ کا ہے

درجِ بالا شعر میں فیضانِ نبوت کا ذکر کرکے شاعر نے درجِ ذیل شعر میں ''ظلمتوں'' سے نجات کے لیے ''اسوۂ نبی ﷺ'' اپنانے کی ترغیب دی ہے:

آمدِ سرکارؐ سے پھیلے اجالے اس قدر ظلمتوں نے دیکھتے ہی خود بہ خود پردہ کیا
زندگی میں پا گیا وہ منزلِ حق آگہی جس نے خود کو اسوۂ آقاؐ سے وابستہ کیا

نعتیہ شاعری میں سبز گنبد کا ذکر بھی آقا ﷺ کی محبت کے اظہار کا ایک قرینہ لیے ہوئے ہوتا ہے۔ جس نعت میں سبز گنبد کا ذکر ہو وہ بالواسطہ نعت ہوتی ہے۔ لیکن بیشتر شعرا، گنبد کو ایک علامت بنا کر ''خیر کی تقسیم'' کا واحد ذریعہ ظاہر کرنے کے بجائے صرف اسے دیکھتے رہنے اور اسے دیکھنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ بہت کم شعرا نے گنبدِ خضرا کو ایک بھرپور علامت کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ قمر وارثی نے گنبدِ اخضر کو خیر و فلاح کا منبع بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک گنبدِ خضرا، ایک علامت ہے جس کے سائے میں حیاتِ دنیوی میں عافیت، رنگ، نور اور حسن......سب کچھ میسر ہو سکتا ہے:

ممکن کہاں ہے اور کسی در کے سائے میں جو عافیت ہے روضۂ انور کے سائے میں
رنگِ حیات ، نورِ نظر ، حسنِ کائنات کیا کچھ نہیں ہے گنبدِ اخضر کے سائے میں

نبی علیہ السلام کی حیاتِ دنیوی میں بھی بعض شیطان کے چیلوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، صدیقِ اکبر نے ایسے مفسدین کا قلع قمع فرما دیا تھا۔ لیکن جھوٹے نبیوں کی شیطانی روش آج تک جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری میں ختمِ نبوت کا ذکر ضرور بہ ضرور کیا جاتا ہے۔ قمر وارثی نے بھی دوٹوک الفاظ میں اللہ کے ''ختمِ نبوت'' کے فیصلے کا ذکر کیا ہے:

بعد از حضورؐ آئے بھی کیسے کوئی نبیؐ   جب ہو چکا ہے ختمِ نبوّت کا فیصلہ
وہ دن تو ہے حضور کے دیدار کا بھی دن   جس روز ہو گا روزِ قیامت کا فیصلہ

یادِ رسول ﷺ امتی کو حضوری کی کیفیات سے ہم کنار کرتی ہے تو ہجر میں بھی وصال کا عالم پیدا ہو جاتا ہے:

ہے فیضِ یادِ شہؐ دوسرا کا یہ عالم   کہ ہجر میں بھی عجب سلسلہ وصال کا ہے
سمیٹتا ہے طلب سے بھی بڑھ کے بھیک وہی   درِ نبیؐ پہ سلیقہ جسے سوال کا ہے

مدینے سے واپسی پر زائرِ مدینہ کی جو کیفیت ہوتی ہے اس کا اظہار لفظوں میں ممکن نہیں۔شاعر صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنی آنکھیں وہاں چھوڑ آیا ہے:

چھوڑ آیا وہ آنکھیں ہی سرِ گنبدِ خضریٰ   جس پر بھی کھلی گنبدِ خضریٰ کی تجلی
اللہ رے صدیوں کے تغیر پہ بھی لیکن   قائم ہے وہی گنبدِ خضریٰ کی تجلی

اس قطعے میں بھی گنبدِ خضریٰ کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جہاں سے تجلیات (نورِ رسالت) کا ظہور ہو رہا ہے۔محبانِ رسول ﷺ کے لیے یہی تجلی ،روحانی ترفع (Spiritual sublimation) کا ذریعہ ہے۔

شفاعت طلبی کے اشعار تو تقریبا! ہر شاعر کے شعری عمل میں ملتے ہیں لیکن شفاعت کا استحقاق ''تعمیلِ حکمِ نبی ﷺ'' میں ہے، یہ بات اکثر شعرا بھول جاتے ہیں۔قمر وارثی نے شفاعت کے ذکر میں پیروی کی شرط لگا کر ایک عملی پیغام دیا ہے:

اسے کیا ہو پھر اور چاہت کسی کی   بسا لے جو دل میں محبت نبیؐ کی
جو مصروفِ تعمیلِ حکمِ نبیؐ ہے   سرِ حشر ہو گی شفاعت اسی کی

میں کہاں تک قطعات نقل کروں،تقریباً ہر قطعہ ہی لائق تحسین ہے۔رنگِ نعت میں کوچہء سرکار ﷺ کی رعنائیوں کا ذکر،عظمت رسول ﷺ کا احوال،شفاعت طلبی کے لونی عکس، مدینے میں سرور و کیف کے در کھلنے کا بیان، مدینے کی زمین کا ذرّے ذرّے کو رشکِ کیمیا جاننا، اشکِ ندامت کے سبب اطمینانِ قلب پانا،،آنسوؤں کی زبانی اپنی کیفیت کا اظہار، جیسے مضامین ضو ریز ہیں۔

اس کتاب میں تیسرا رنگ، رنگِ درود ہے۔صلوٰۃ علی النبی ﷺ ،قرآنِ پاک کی آیت

کی روشنی میں ہر امتی پر فرض ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

(اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اِس غیب بتانے والے [نبی] پر اے ایمان والو! اِن پر درود اور خوب سلام بھیجو!......الاحزاب ۳۳، آیت ۵۶۔ترجمہ کنزالقرآن)۔

اس آیتِ قرآنی کی روشنی میں امت کے صلحا نے ہمیشہ درود شریف کا ورد رکھا ہے۔ جن لوگوں نے درود کی کثرت کی ہے انھوں نے اس کی برکات بھی دیکھی ہیں۔قمر وارثی نے بھی درود خوانی کی برکات کے ذکر میں اپنی کیفیات اور روحانی واردات کے کچھ شعری نقوش بنائے ہیں۔اس باب میں، شعوری طور پر، درود شریف کی ترغیب دینے کی شعری کاوش نظر آتی ہے۔ قمر وارثی کہتے ہیں:

یہ بات ویسے تو بے شک عجیب لگتی ہے　　عمل کی رو سے حقیقت مگر ٹپکتی ہے
قمؔر! یہ قلب کا احساس دے رہا ہے خبر　　درودِ پاک پڑھیں تو زباں مہکتی ہے

ساتھ ہی قمر نے اپنے معمولات میں درود شریف کی کثرت کے ذریعے حضورِ اکرم ﷺ سے قلبی اور روحانی رابطے کی نشاندہی بھی کی ہے جو ایک مومن کے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔

یوں بھی مرے لبوں کا وطیرہ درود ہے　　سچ ہے کہ نیکیوں کا ذریعہ درود ہے
بے شک ہر اعتبار سے یہ بھی ہے سچ قمؔر!　　آقاؐ سے رابطے کا وسیلہ درود ہے

قمر وارثی نے درودِ پاک کی فضیلتوں اور برکات کے ضمن میں یہ نکتہ بھی سمجھایا ہے کہ دعا کی زود قبولیت کا وسیلہ درود ہی بنتا ہے:

کرے جس گھڑی جب کوئی نیک کام　　پڑھے ابتدا انتہا میں درود
وہ جس کو دعا میں اثر چاہیے　　تو شامل کرے اس دعا میں درود

''درود یہ رنگ'' کے ہر قطعے میں درود شریف کی برکات، درود خوانی کی ترغیب، درود خوانی سے حاصل ہونے والی قلبی کیفیات اور نبی علیہ السلام کی حیاتِ برزخی سے ربط کا کھل کر اظہار کیا گیا ہے۔

قمر وارثی نے نعتیہ شاعری کی تخلیق، تدوین اور ترغیب کے لیے اپنی تمام تر صلاحتیں وقف کر رکھی ہیں۔ مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کی ترویج اور تشویق کی ایک مہم ہے جو اِن کی مساعیء جمیلہ کے باعث عصری نعتیہ منظر نامے پر مہرِ درخشاں کی طرح روشنی بکھیر رہی ہے۔

میں نے کتاب میں شامل ''تحمیدی''، ''ثنائی'' اور ''درودی'' رنگوں کی دھنک دیکھ کر کچھ تاثرات پیش کر دیئے ہیں۔ امیدِ واثق ہے کہ قارئینِ کتاب، اِن قطعات میں بنائے ہوئے ملفوظی نقوش سے قلب و روح کو گرماتے رہیں گے!

....

جمعۃ المبارک: ۱۳؍ جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق: ۶؍ جنوری ۲۰۲۳ء

☆☆☆☆

عقیدت کے پھول

ایک سچا اظہارِ عقیدتِ رسول ﷺ

سنہ ۱۹۸۱ء میں، میں نے ایک نعتیہ انتخاب ''جواہر النعت'' مرتب کیا تو اس کا کوئی نسخہ ریڈیو پاکستان سے منسلک کچھ اہلِ علم تک بھی پہنچانا چاہا۔ ناصر زیدی مرحوم سے وہاں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میری اس کتاب کے لیے اپنے کلام کے ساتھ ساتھ اسلام آباد اور راولپنڈی کے کچھ شعرا کا کلام بھی فراہم کیا تھا۔ اس لیے میرے اُن سے مراسم ہو گئے تھے۔ ان ہی کی تحریک پر میں نے عالمی سروس کے پروڈیوسر شاہد لطیف کے پروگراموں میں شرکت کی، اور متعدد کتب پر تبصرے کیے۔ ۱۹۸۳ء میں میرا ریڈیو پاکستان زیادہ آنا جانا رہا۔ وہیں ایک دن محترم شکیل فاروقی صاحب سے ملاقات بھی ہوئی۔ وہ اُن دنوں منیجر ہندی سروس تھے۔ پہلی ہی ملاقات میں، میں نے اندازہ لگایا کہ شکیل صاحب میں ریڈیو پاکستان کے اکثر زعما کی طرح کا غرّہ نہیں ہے۔ وہ انتہائی منکسر المزاج شخصیت کے مالک ہیں۔ خلوص اُن کی گھٹی میں پڑا ہے۔ سادگی ان کا شعار ہے۔ رفتہ رفتہ اُن سے کئی ملاقاتیں ہوئیں، اور جو تاثر پہلی ملاقات میں قائم ہوا تھا وہ مزید نکھرتا گیا۔ اُن کے خلوص نے مجھے اپنا بندۂ بے دام بنالیا۔

۱۹۸۵ء میں ملازمت کے سلسلے میں اسلام آباد جانا پڑا۔ وہاں میری ادبی سرگرمیاں بہت کم ہو گئیں۔ کیوں کہ میں وہاں چھوٹے بچوں اور بیگم کے ساتھ تنہا تھا۔ گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ نوکری کی مصروفیت نے سر اُٹھانے کی فرصت ہی نہ دی۔ کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ شکیل صاحب ریڈیو پاکستان اسلام آباد کے اسٹیشن ڈائریکٹر ہو کر کراچی سے آ گئے ہیں۔ میں، ان سے فون پر رابطہ کر کے ملا۔ پھر کئی پروگراموں میں شرکت بھی کی۔ لیکن ملازمت اور گھریلو ذمہ داریوں کے باعث ان کے پروگراموں میں بھی شرکت بہت محدود رہی۔ ایک مدت بعد ان کا فون آیا، کہنے لگے 'میں کنٹرولر ریڈیو پاکستان کی حیثیت سے کراچی جا رہا ہوں، آپ نعت کہتے ہیں، اسلام آباد میں ایک بزم ہے ''محفلِ نعت'' اس کے سیکریٹری عرش ہاشمی ہیں۔ آپ ان سے ضرور

ملیے ،اور وقت نکال کر ان کے مشاعروں میں بھی شرکت کیجیے۔وہ ہر ماہ اسلام آباد میں کسی نہ کسی نئے میز بان کی میز بانی میں مشاعرہ کرواتے ہیں۔شکیل بھائی تو مجھے عرش ہاشمی کا نمبر دے کر کراچی آ گئے۔لیکن میں کئی ماہ تک عرش ہاشمی سے رابطہ نہیں کر سکا۔پھر ایک دن ان سے رابطہ کیا اور دفتری اوقات ہی میں ان سے ملاقات بھی کی۔ان دنوں وہ وزارتِ داخلہ میں سیکشن آفیسر تھے۔عرش ہاشمی سے ملنے کے بعد تو نعتیہ مشاعروں میں شرکت میرے لیے ناگزیر ہو گئی۔

شکیل فاروقی صاحب کراچی آ گئے اور میں ۱۹۹۲ء تک اسلام آباد میں رہا۔پھر کراچی آ گیا۔یہاں آ کر کسی وقت پھر ریڈیو پاکستان کا چکر لگایا۔شکیل صاحب سے ملاقات ہوئی۔اس وقت وہ کنٹرولر اور ضمیر علی بدایونی صاحب ڈپٹی کنٹرولر تھے۔کچھ ملاقاتیں رہیں ،ضمیر علی بدایونی بھی کچھ عرصے اسلام آباد ریڈیو اسٹیشن میں رہے تھے۔وہ راولپنڈی میں ایک گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھے۔میری رہائش بھی راولپنڈی میں تھی۔چناں چہ ان سے میرے مراسم پنڈی ہی میں مضبوط ہوئے۔

بہر حال قصۂ مختصر ،میں ۲۰۰۳ء میں ایک بار پھر اسلام آباد چلا گیا۔اور ۲۰۰۹ء میں وہیں سے ملازمت سے سبک دوش ہو کر کراچی لوٹ آیا۔یہاں آ کر میں اپنی مصروفیات میں رہا۔اور بہت سے احباب سے رابطہ نہیں کر سکا۔ایک مدت بعد شکیل فاروقی صاحب نے مجھے فون کیا اور ہمارا قلبی رابطہ بالمشافہ رابطے میں بدلا۔شکیل صاحب کی نوازشات بڑھتی رہیں انہوں نے متعدد بار اپنے کالم ''قلم برداشتہ'' (ایکسپریس اخبار کراچی) میں میرا ذکر کیا۔میری کتب ملاحظہ فرما کر میری حوصلہ افزائی کی۔

اب میرے پاس ان کے نعتیہ مجموعے کا لوازمہ ہے۔میں نے اسے دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا۔وہ ایک سچے مسلمان کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذاتِ والا صفات سے محبت کرتے ہیں۔ان کی محبت ریا کارانہ نہیں ہے۔وہ نہ صرف دل سے محبت کرتے ہیں بل کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اتباع کی حتی المقدور کوشش بھی کرتے ہیں۔ان کی نعتیہ شاعری میں ذاتی احساسِ ندامت حبِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تپش ،بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے جانے کی آرزو ،اور اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ترغیب شامل ہے۔شکیل صاحب کی نعتیہ شاعری پر اردو کلاسیکی شاعری کی بوطیقا کا پرتو ہے۔انہوں نے بڑی سادگی سے اپنے جذبات و

احساسات کا عکس قرطاس پر اتارا ہے۔

شکیل صاحب نے ہندی لب ولہجہ بھی اپنایا ہے مجھے اس وقت یہ بات یاد آ گئی کہ جب میں، اپنی انگریزی کتاب ''Excellence of Na'at, Conditions and Standards'' مرتب کر رہا تھا۔اس وقت میں نے شکیل صاحب سے درخواست کی کہ اپنی ایک انگریزی نعت مجھے عنایت فرمادیں تاکہ میں اس کتاب میں شامل کرسکوں۔انہوں نے فی البدیہہ ایک نعت کہی ،اور مجھے ارسال کردی۔ یہ نعت کیونکہ اس مجموعے میں شامل نہیں ہے اس لیے میں اس پوری نعت کا متن یہاں محفوظ کرنا چاہتا ہوں۔

Homage to the Holy Prophet()
OurHoly Prophet()is all time great,
Allah()blessed him()with a unique fate
The Holy Qur'an from Allah(),he ()brought
Peace and mercy he()always taught
Rose he ()gave in return for thorn
No one alike him ()will ever bron
His()life was simple, pious and plain
He()always shared a sufferer's pain
The world upholds him()as the noblest soul
As the last Prophet he() played his()role
Dearest to Allah()greatest guide
Ideal of angels, mankind's pride
Short or words, in homage I fall

Too great you()are, I'm so small!

اس نعتیہ نظم سے شکیل فاروقی صاحب کی شاعرانہ عبقریت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ان کی یہ انگریزی نظم سادہ بیانی کا نقش ہے،لیکن احساسات وجذبات کا ایک سمندر اس میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔عظمتِ سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا احساس کتنا شدید ہے،اس کا اندازہ نظم کی آخری سطر سے ہوسکتا ہے:

Too great you()are, I'm so small!

اردو حمدیہ اور نعتیہ شاعری تو اس کتاب کا حصّہ ہے ہی۔قارئین خود ملاحظہ فرماسکتے ہیں یہاں میں چند ایک اشعار نمونے کے طور پر پیش کر کے عقیدت کے پھولوں کی کچھ خوشبو قارئین تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

حمد کا ایک شعر دیکھیے:

تیری تعریف ماورائے بیاں تو ہی مجھ بے زباں کا مالک ہے

انسان بے زبان نہیں ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کچھ کہنے کا ارادہ ہو تو یقیناً وہ بے زبان ہی ہو جاتا ہے۔اس شعر میں ''بے زبان'' کی معنویت بہت بڑھ گئی ہے۔ایک ''حمد یہ نعت'' کا شعر بھی ملاحظہ ہو۔

واسطہ آپ (ﷺ)ہی کا ہوتا ہے ہاتھ اُٹھتے ہیں جب دُعا کے لیے

ہندی نعت کی کوملتا ملاحظہ ہو:

رب کے پیارے جگ کے موہن کملی والے تم ہی سوہن

داس شکیلؔ کو دوار بلالو دَیا کرو اور دے دو درشن

یہ ٹھیٹھ ہندی لہجہ اور ہندی لفظیات سے مرتب خیال،فکر اور جذبات کا نقش ہے۔اس کی لفظیات میں کومل جذبات کا سندر بیانیہ ہے پوری نعت میں خود سپردگی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عظمت کے اعتراف اور اعلان کا پرتو ہے۔تعلیماتِ نبوی کی جھلکیاں بھی ہیں۔

سیدھی سچی سیکھ تمہاری سب سے صاف اور ستھرا جیون

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا شکیل فاروقی صاحب صرف نعت کہتے ہی نہیں ہیں بل کہ اپنے ممدوح صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اتباع کی کوشش بھی کرتے ہیں۔چناں چہ انہیں اتباعِ سنتِ نبوی علی صاحبہا والصلوٰۃ والسلام سے من کی دولت بھی ملی اور شادکامی بھی۔وہ کہتے ہیں:

اتباعِ سنتِ نبوی سے یہ عقدہ کھلا من کی دولت کے علاوہ شادکامی مل گئی

شکیل فاروقی صاحب دہلوی ہونے کے ناتے زبان و بیان میں اردو کے خاص مزاج کا اہتمام کرتے ہیں۔دیکھیے انہوں نے ایک لفظ ''ایسا'' کو کس خوبصورتی سے معنوی وسعت دی ہے۔

نسخۂ عشقِ نبی کو آزما کر دیکھ لیں آپ کی ہر بات میں ایسا اثر ہو جائے گا

یہاں لفظ ''ایسا'' کی معنوی جہتوں کو جہاں تک وسعت دے سکیں دے دیں۔بیان کی ابہامی اور اشاراتی نہج سے سلیقۂ انتخابِ لفظ پر آپ کو حیرت آمیز مسرت ہوگی۔

نعت گو شعرا کا آج یہ بھی فرض ہے کہ وہ دنیا بھر میں اُٹھنے والے طوفانِ اہانتِ رسول

صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تخلیقی سطح پر جواب دیں۔اور تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے عملی اقدام کرنے کی اُمت کو ترغیب بھی دیں:

ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے ہم   گر جان بھی دیں دیں تو یہ نذرانہ بھی کم ہے

حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا خزانہ پوری دنیا، ہر عہد اور ہر قوم کے لیے ہے۔ یہ خزانہ ختم ہونے والا نہیں ہے:

جو کبھی ختم ہو نہیں سکتا   وہ خزانہ حضورِ پاک کا ہے

یہاں مجھے ایک حدیثِ پاک یاد آ گئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''انبیا علیہ السلام نے دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا بل کہ انہوں نے علم کا وارث بنایا، پس جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے وافر حصّہ پالیا''۔

(سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد سوم، ص ۴۳، حدیث نمبر ۳۱۵۷)

اس حدیث کی روشنی میں جب ہم شکیل فاروقی صاحب کا درج بالا شعر پڑھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خزانے کی وسعتوں کا ادراک ہونے لگتا ہے۔

ہر محبِّ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے مدینۂ پاک کی حاضری بڑی اہم اور وقت گزراں کا بہترین مصرف ہے، وہاں دعاؤں کی قبولیت کا در کس طرح کھلتا ہے؟ یہ وہاں کا زائر ہی جانتا ہے۔شکیل فاروقی صاحب نے بھی مدینۂ پاک میں مانگی جانے والی دُعا کی اثر پذیری کا تذکرہ کیا ہے:

دُعا کہیں بھی کریں رب کے پاس جاتی ہے   اثر پذیر ہے لیکن دُعا مدینے میں

نبی علیہ السلام کی یکتائی پر بہت سے شعرا نے خامہ فرسائی کی ہے۔اس کتاب میں بھی اس متن کے بہت سے اشعار ہیں۔ایک شعر ملاحظہ ہو:

ہوا ہے حسنِ دوعالم بس ایک تجھ پہ تمام   کہ کائنات کے دل پر لکھا ہوا تو ہے

اور

رسائی نہیں ہے جہاں تک کسی کی   ہے اُس انتہا پر مقامِ محمد ﷺ

اسلام کوئی عبادتی رسوم کا مذہب نہیں ہے۔یہ مکمل دین یعنی Code of Life ہے اس میں زندگی کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کا نسخہ موجود ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی نظام

اس کی حقانیت کے آگے ہیچ لگتا ہے۔تاہم اس حقیقت کو ابھی تک مسلمان بھی نہیں سمجھ سکے ہیں۔ورنہ کیا وجہ ہے کہ اب تک نظامِ اسلام،مسلمان ممالک کی اکثریت میں مکمل رائج نہیں ہو سکا۔شکیل فاروقی صاحب کہتے ہیں:

نظام اور دنیا کے سارے ادھورے — مکمل ہے بس اِک نظامِ محمد ﷺ

اس شعر میں لفظ''بس'' نظامِ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی انفرادیت،نوعِ انساں کے لیے خود مکتفیت(Self sufficiency)،اہمیت اور ناگزیریت پر دال ہے۔

اگلے دو شعار میں نعتیہ شاعری کے ملفوظی اظہار کے ساتھ ساتھ عملی طور پر حُبِّ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تقاضے پورے کرنے کی بات بڑی عمدگی سے بیان ہوئی ہے:

نبی سے عشق ہو مانا یہ بات لازم ہے — قدم قدم پہ مگر احتیاط لازم ہے

ادا ہوئی ہو جو لب سے وہ نعت اپنی جگہ — لکھی ہوئی ہے جو دل پر وہ نعت لازم ہے

یہ شعر شکیل فاروقی صاحب کی نعتیہ شاعری کا منشور بھی ہے،اور اس میں اُن کی عملی زندگی کا عکس بھی جھلک رہا ہے۔

میری دعا ہے کہ شکیل فاروقی صاحب کا یہ شعرِ عقیدت قبولیت کی سعادت سے ہمکنار ہو اور دنیا بھر میں نعتیہ ادب سے جڑے لوگوں میں قلم کی زبان کو عملی زبان کا داعیہ پیدا کرنے کا وسیلہ بنے!............جمعۃ المبارک ۲۹/ذوالحجہ ۱۴۴۳ھ مطابق:۲۹/جولائی ۲۰۲۲ء

☆☆☆

سید حامد یزدانی کی تضمینِ سلامِ رضا رحمۃ اللہ علیہ
تجدید متن کی عمدہ مثال

اعلیٰ حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری اسلوب اور متنی استنادی شان کے حوالے سے بے مثال ہے۔ یوں تو اُن کی تمام ہی نعتیہ شاعری لائقِ تحسین وتقلید ہے لیکن ان کا لکھا ''سلام'' ایک تخلیقی شہکار ہے۔

واضح رہے کہ نعتیہ شاعری میں اگر ردیف ''سلام'' ہو تو وہ نعتیہ کلام ''سلام'' کہلاتا ہے۔سلام کا عنوان، سلام کا قافیہ، یا سلام کی ردیف کسی تخلیقی متن میں نہ ہو تو جو کچھ بھی از قبیلِ نعت لکھا جاتا ہے اُسے صرف ''نعت'' کا عنوان دیا جاتا ہے۔نعتیہ مجموعوں اور دواوین میں بھی ''نعت'' اور ''سلام'' کا یہ امتیاز برقرار رکھا جاتا ہے۔

اسی اصول کے تحت ہر اس شاعری کو جو کسی بزرگ سے عقیدت کے اظہار کے لیے کی جائے اسے صرف ''منقبت'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس منقبت کو سلام صرف اُس صورت میں کہا جانا چاہیے، جب کہ نظم کا عنوان، قافیہ یا ردیف ''سلام'' ہو۔نہ جانے کیسے بعض اہلِ ادب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے والے شعری متون کو ''سلام'' کا نام دے دیا ہے۔یہ مناسب نہیں۔ردیف ''سلام'' نہ ہو تو عقیدت نگاری ''منقبت'' کھلائی جانی چاہیے، نعتیہ شاعری میں یہ فرق، از روزِ اوّل رکھا گیا ہے۔

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا اس وقت مجھے سید حامد یزدانی کی تضمین ''سلام رضا رحمۃ اللہ علیہ'' پر کچھ عرض کرنا ہے۔

سلامِ رضا کی تضامین کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے بے شمار شعرا نے یا تو پورے سلام کی تضامین لکھی ہیں، یا منتخب اشعار کی تضمین لکھ کر خود کو داخلِ حسنات کیا ہے۔

تضمین (فت ت ،سک ض، ی مع) کے معنیٰ ہیں ''جگہ دینا، ملانا ، شامل کرنا (معنیٰ بیان) کسی مشہور مضمون یا شعر کو اپنی نظم میں داخل یا چسپاں کرنا۔دوسرے کے شعر پر مصرعے یا بند

لگانا۔(اردو لُغت)

تضمینی عمل میں مجھے متن کی ہم رشتگی یا بین المتنیت (Inter.textuality) کا عمل بھر پور طریقے سے عمل آرا نظر آتا ہے۔کیوں کہ اس میں شعوری طور پر ماضی کے کسی شعری متن (Poetic Text) کی تجدید کی جاتی ہے۔تضمین نگار کسی اور شاعر کے کلام کو قاری اساس(Reader Oriented)بنیاد پر شعری متن کی تفہیم کے لیے اپنی رائے قائم کرتا ہے۔اور پھر اپنی سمجھ کے مطابق اس متن کی معنوی تعبیر کرتے ہوئے اس میں اپنی تخلیقی جبلت کے بل بوتے پر نئے شعری متن کا ہالا بنا دیتا ہے۔تضمین نگار کے تحت الشعور میں یہ بات ہوتی ہے کہ کسی شاعر کا تحریری متن تعبیر وتشریح وتفسیر کا متقاضی ہے۔ایک جذبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی معروف شاعر کے کلام کے ساتھ اپنی تخلیقی پرواز اور فکری اُڑان کا مظاہرہ کیا جائے۔تقدیسی ادب میں کسی مقبول کلام سے پیوستہ شعر گوئی کے باعث داخلِ حسنات ہونے کا جذبہ بھی ہوتا ہے۔سلامِ رضا کیوں کہ بہت مقبول ہے اس لیے اس کی تضامین بھی لاانتہا ہو چکی ہیں۔پیشِ نظر تضمین سلسلۂ تضامین میں ایک اضافہ ہے۔

سلامِ رضا ایک طویل تخلیق ہے اس کا آہنگ قصیدہ نما ہے۔لیکن اس میں قصیدے کے متعین اجزا،یعنی تشبیب،گریز، مدعا اور دعا کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔شروع سے آخر تک صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت ورسالت،محاسنِ اخلاق،رحمۃً للعالمینی کے اثرات،آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اصحاب،آل،ازواجِ مطہرات اور امت کے اولیاء کرام کا تذکرہ ہے۔جس میں شعری لطافت اور اظہاری قدرت کے جوہر دکھائے گئے ہیں اختتام پر دعائیہ اشعار ہیں۔پورا سلام مکمل طور پر تلمیحات سے لبریز ہے۔اس سلام کو سمجھنے کے لیے علمیت کی ضرورت ہے کیوں کہ اس میں بیشتر تلمیحاتی اشارے،معنوی گرہ کشائی کے متقاضی ہیں۔

تضمین کی کئی صورتیں ہوتی ہیں مثلاً کسی شاعر کے ایک شعر کے ایک مصرعے پر پوری نظم لکھنے کے بعد آخر میں اسی شاعر کا پورا شعر لکھ دینا۔جیسا اقبالؔ نے اپنی ایک نظم بہ عنوان ''خطاب بہ نوجوانانِ اسلام'' میں کیا ہے۔

کبھی اے نوجواں مسلم ! تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا ،تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا

اور یوں گیارہ اشعار کہنے کے بعد نظم کا اختتام غنی کاشمیری کے فارسی شعر پر کیا ہے:

غنؔی ! روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن　　　　که نورِ دیده اش روشن کند چشمِ زلیخا را

(اے غنی! حضرت یعقوب علیہ السلام کی محرومی کا عجیب نظارہ دیکھ۔ کہ اُن کی آنکھوں کا نور (زائل ہوکر) زلیخا کی آنکھوں کو روشنی بخش رہا ہے)

خوب ہے تجھ کو شعارِ صاحبِ یثرب کا پاس　　　　کہہ رہی ہے زندگی تجھ کو کہ تو مسلم نہیں

ایسے چھے اشعار کے بعد ابوطالب کلیم کا شعر نقل کر دیا ہے

سرکشی باہر کہ کر دی رام اُو باید شدن　　　　شعلہ ساں از ہر کجا بر خاستی آنجا نشیں

(تو نے جس سے سرکشی کی ہے اب ضروری ہے کہ تو پھر اُسی کا فرماں بردار بن جائے۔ جس مقام سے شعلے کی طرح اٹھا تھا پھر وہیں اپنا ٹھکانہ بنالے) (بانگِ درا)

اِکا دُکا شعر کی تضامین کی مثالیں بھی مختلف شعرا کے کلام میں مل جاتی ہیں۔ مثلاً! غالبؔ نے ناسخؔ کے مصرعے پر تضمین کی ہے:

غالبؔ ! اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخؔ　　　　''آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں''

یا سوداؔ نے خواجہ میر دردؔ کے مصرعے پر مصرع فراہم کیا ہے:

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سوداؔ بقولِ درد!

''جو کچھ کہ ہوں سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں''

تضمین کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی شاعر کے کسی ایک مصرعے پر ایک دو یا تین مصرے لگا کر آخر میں اسی شاعر کا پورا شعر نقل کر دیا جائے جیسا کہ پیشِ نظر تضمین میں ہوا ہے۔

شانِ ختمِ رسالت پہ لاکھوں سلام　　　　رب کے احسانِ نعمت پہ لاکھوں سلام

پیارے آقا کی عظمت پہ لاکھوں سلام　　　　''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام''

''شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام''

اس تضمین میں سید حامد یزدانی نے احمد رضا خان کے ہر شعر پر تخمیس کے اصول پر تین تین مصرعے کہہ کے پانچ مصرعوں کا یک بند تخلیق کیا ہے۔ اس تضمینی عمل سے یا تو سلامِ رضا کے متن کی تشریح ہو جاتی ہے یا اس متن کی معنیاتی وسعت ظاہر ہوتی ہے۔

درج بالا بند کے اصل شعر میں احمد رضا خان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو

''جانِ رحمت'' اور بزمِ ہدایت کی ''شمع'' کہہ کے قرآنی تلمیحات کی طرف محض اشارہ کیا تھا۔یعنی

(۱)وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ o......''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے'' (سورہ الانبیا۲۱، آیت ۱۰۷۔ کنز الایمان)

(۲)وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا o

''اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب (بنا کر بھیجا) (سورۃ الاحزاب ۳۳۔آیت ۴۶۔کنز الایمان)

تضمین نگار نے پہلے مصرعے میں ختمِ نبوت، دوسرے مصرعے میں اللہ تعالیٰ کے عظیم احسان کا ذکر کر کے قرآنی آیات کی طرف تلمیحی اشارہ کیا ہے۔

(۱)مَا کَانَ مُحَمَّدٌ'' اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط'' ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ہاں! اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔(الاحزاب ۴۰......کنز الایمان)

(۲)''لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ''۔

(بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا)(سورہ آلِ عمران ۳۔آیت ۱۶۴۔کنز الایمان)

تیسرے مصرعے میں ''پیارے آقا کی عظمت پہ لاکھوں سلام'' کہہ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عظمت کا ذکر کیا اور اس طرح سلامِ رضا کے ایک شعر کی معنیاتی توسیع کرتے ہوئے اپنے تخلیقی متن کو اعلیٰ حضرت کے تخلیقی متن سے پیوستہ کیا۔

اسی طرح سلامِ رضاؔ کے دیگر اشعار کی تضمین کی ہے۔

اُمّیِ جانِ حکمت پہ روشن درود   آسمانِ سخاوت پہ بے حد درود
اُمّیِ جانِ حکمت پہ روشن درود   آسمانِ سخاوت پہ بے حد درود
منبع و شانِ رحمت پہ روشن درود   ''مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود''
''گُلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام''

دوسرے بند میں ''اُمّیِ جانِ رحمت'' کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم، اُمّی (دنیاوی زندگی میں کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہ کرنے والے) ہو کر ہر قسم کی ''حکمت'' کی

جان ہیں۔ یہاں مجھے فیضی کا ایک شعر یاد آ گیا وہ کہتا ہے:

اُمّی و دقیقہ دانِ عالم بے سایہ و سائبانِ عالم

صرف ''اُمّی جانِ رحمت'' کہنے سے فیضی کے شعری متن کی تجدید بھی ہوگئی۔

تضمین نگار نے دوسرے اور تیسرے مصرعے میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سخاوت کا ذکر کیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رحمت کا منبع اور شان کہا ہے۔ یہ بھی شعرِ رضا کی معنوی توسیع کا ایک انداز ہے۔

اگلے بند میں قافیے کی مناسبت سے قوافی برتے ہیں۔ اور ''تاج دارِ حرم'' کو ردیف بنایا گیا ہے۔ اس تضمینی عمل میں تضمین نگار نے اصل شاعر کے شعری مزاج سے ہم آہنگ مصرعے لگا کر بند مکمل کیا ہے۔

آپ شاہِ اُمم تاج دارِ حرم ہیں کرم ہی کرم تاج دارِ حرم
عاصیوں کا بھرم تاج دارِ حرم '' شہرِ یارِ ارم تاج دارِ حرم ''
'' نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام ''

یہاں ملفوظی ترکیبیں بھی بڑے سلیقے سے تخلیقی عمل کا حصّہ بنی ہیں۔

لگے ہاتھوں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ ترکیب سازی کیا ہوتی ہے؟ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''دو غیر متعلق الفاظ کو زیر کے ذریعے سے جوڑ کر نیا لفظ بنا لینا استعارہ سازی کی مانند ترکیب تراشی بھی ذہن کی خلاقی کی مظہر ہوتی ہے۔ ترکیب کو رُخِ اسلوب کا غازہ سمجھنا چاہیے۔ بلند خیال، اعلیٰ تصور، اور ارفع تخیل کے کامیاب اظہار میں ترکیب ممد ثابت ہوتی ہے۔ اس سے ابلاغ میں دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ (تنقیدی اصلاحات، ص ۸۵)

اس تعریف کی روشنی میں جب ہم سید حامد یزدانی کی ترکیب سازی کا جائزہ لیتے ہیں تو اِن کی خلاقیت کی داد دینی پڑتی ہے۔ ان کی چند ترکیبیں ملاحظہ ہوں:

نازِ خیر البریہ......صاحبِ قربِ مولا......میہمانِ معلیٰ ......محیِ لطف و رافت......زاہد پاک فطرت......آفتابِ نبوت......کاشفِ رازِ وحدت......سببِ ابتدا......کافِ روزِ جزا......منبعِ

رحم وجود......قیّم ......حسنِ سیرت......شانِ اکلیلِ بعثت......وحیدِ فضیلت......جوہرِ فردِ عزت......
وصف مفتاحِ رحمت......معنیٔ بُعد وقربت......سرّ غیبِ ہدایت......اکرامِ خلق......ظلۂ قصرِ رحمت
......آفتابِ نوا......گریۂ ابرِ رحمت......تابشِ روئے رحمت......شوکتِ کوئے عظمت......دائمی
جوئے شفقت......اہلِ بیتِ مقدم(اس ترکیب پرمزید گفتگو ہونی ہے)......وغیرہ وغیرہ میں
ترکیب سازی کی تخلیقی ہنرمندی نظر آتی ہے۔ان تمام تراکیب میں دو یا دو سے زیادہ مختلف
خاندان کے الفاظ کو حروفِ عطف کے ساتھ جوڑنے سے معنیاتی ہالے میں بڑی وسعت اور طرفگی
پیدا ہوگئی ہے۔

دراصل ترکیب سازی کے عمل میں زبان کی صوتی اکائیوں کا تال میل ہوتا ہے۔بقول
قاضی افضال حسین:

''زبان کی صوتی اکائیاں ایک دوسرے سے اپنے ربط کی ایک نئی ترتیب تشکیل
دیتی ہیں جسے ہم Signifiers نوعیت کے حوالے سے بنیادی متن کی تعبیر کہہ سکتے
ہیں۔اور یہ نیا متن خود اپنی ایک نئی تعبیر کے لیے اپنے نئے روابط میں فعال (Active)
ہوجاتا ہے......''زبان ایک طرف تو معنیٰ کی تشکیل کا فریضہ انجام دیتی ہے۔اور دوسری
طرف اپنے اجزا کے باہم ارتباط کے ذریعے''معنیٰ'' کے''التوا'' کی وہ صورت پیدا کرتی
ہے جو متن کی توسیع اوراس میں کثرتِ معنیٰ کا بنیادی سبب ہے''۔(قاضی افضال
حسین،اساسِ تنقید،تنقید کی جمالیات،جلد ۶،مرتبہ:پروفیسر عتیق اللہ،فکشن ہاؤس
لاہور،ص۳۷۰)

سید حامد یزدانی نے اس تضمین میں جہاں جہاں ترکیب سازی کی ہے اس میں معنی کی
تکثیریت کی خوبی پیدا ہوگئی ہے۔اس شعری عمل سے ظاہر ہوتا ہے احمد رضا خان کے اصل متن کو
''معنی کے التوا'' کا سامنا تھا جسے تجدیدی عمل سے پورا کیا گیا۔

بلاشبہ سید حامد یزدانی کی ترکیب تراشی ، شاعرانہ تمثیل نگاری کی ایک اچھی مثال
ہے۔صرف ایک ترکیب''اہلِ بیتِ مقدم'' کا تلمیحاتی اور معنیاتی پھلاؤ دیکھیے:

اہلِ بیتِ مقدّم پہ اکثر درود بھیـــــجیـــــے اُن پہ بہتر سے بہتر درود

''جلوہ گیاںِ بیت الشرف پر درود'' طاہرانِ مقدس پہ اطہر درود
''پردِگیّانِ عفّت پہ لاکھوں سلام''

اس شعر میں شاعر نے امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہنّ کے ذکر میں ''اہلِ بیتِ مقدم'' کہہ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں جن اہلِ بیت کا ذکر پاتے ہیں وہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہنّ ہیں۔اس لیے اوّلیں اہلِ بیت کی مصداق وہی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دعا کے ذریعے جن مقدس ہستیوں کو اہلِ بیت میں شامل فرمایا تھا وہ بھی اہلِ بیت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں صرف حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواج کو مخاطب فرمایا ہے۔

اس تشریح کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ بعض بد بخت نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو اہلِ بیت میں شامل کرنے سے کتراتے ہیں۔

کلامِ رضا کے شارح الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری نے اعلیٰ حضرت کے مذکورہ اشعار کی تشریح کرتے ہوئے بجا طور پر وضاحت کی ہے کہ:

''اہلِ بیت کا غلط مفہوم بیان کر کے جن نفوسِ قدسیہ کو ہی اہلِ بیت قرار دیا جاتا ہے وہ تو ایک بار کملی کی چھاؤں میں آئے ،مگر ازواجِ مطہرات تو ساری زندگی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بستر اور گھر کی زینت بنی رہیں۔ بھلا بیوی اگر گھر والوں میں نہ ہوگی تو اور کون ہوگا؟۔ یہ لُغت کا ہی نہیں محاورے کا بھی مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔

لوگ کہتے ہیں ایک بیوی قریب آئی تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پیچھے ہٹا دیا کہ خبردار قریب نہ آنا۔اللہ کا نبی ایسی بولی نہیں بولتا۔اس کا بولنا خدا کا بولنا ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرمایا تھا ''انت علیٰ خیر''۔تو تو پہلے ہی خیر یعنی اہلِ بیت میں شامل ہے۔میں تو علی اور اس کے بچوں کو بھی اہلِ بیت میں شامل کر رہا ہوں۔تمہیں تو نہیں نکال رہا''۔(شرح کلام رضا ص ۱۰۵۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اہلِ سنت و جماعت کا نظریہ اور اس نظریے کی خود حضرتِ علیؓ کے اقوال سے سند لا کر جو شعری متن اعلیٰ حضرت نے تخلیق کیا تھا اس کی تضمین میں حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کرنے کے بعد وہ شعر نقل کیا گیا ہے جن میں اہلِ رفض اور اہل خروج

کا دفیعہ خود حضرت علیؓ سے منسوب ہے۔

پرچمِ نورِ دیں کو وہ بخشا عروج — تھرتھرانے لگے ظلمتوں کے بروج
آیا جو بھی مقابل گرا مثلِ عوج — ''اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج''
''چار می رکنِ ملّت پہ لاکھوں سلام''

اعلیٰ حضرت کے اس شعر کی تشریح فرماتے ہوئے شارح کلامِ رضا نے لکھا ہے:

''سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے رافضیوں اور خارجیوں (دشمنانِ صحابہ واہلِ بیت) کے ساتھ باقاعدہ جنگ کر کے اُن کے فتنوں کا قلعہ قمع فرمایا اور ملتِ اسلامیہ کے چوتھے خلیفۂ راشد اور دین کا مضبوط ستون بن کر مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور بڑی جرأت سے ساری عمر فتنوں کا مقابلہ فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان پر کروڑوں سلام ہوں''۔ (شرحِ کلامِ رضا، ص۱۰۴۹)

تضمین نگار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا نقشہ کھینچ کر اصل شعر کی معنوی توسیع کی کوشش کی ہے۔

جس کی ہیبت سے لرزاں جفا کے بروج — جس کا پیغام ہے خواہشوں کو نہ پوج
جس کا منشا ہے دینِ خدا کا عروج — ''ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خراج''
''حامیِ دین و سنّت پہ لاکھوں سلام''

اس بند میں حضرت علیؓ کی شجاعت کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کا منشا دین اللہ کا عروج دیکھنا تھا اسی لیے آپ نے اپنے عمل سے یہ پیغام دیا کہ اپنی خواہشوں کی پوجا نہ کی جائے۔ شارحِ کلامِ رضا نے لکھا:

''رافضیت اور خارجیت چاہے وہ ناصبیت کی شکل میں ہو یا تفضیلیت کی شکل میں، ان تمام بدعقیدگیوں کا خاتمہ کر کے آپ دینِ اسلام اور سنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حمایت کرنے والے مولا علی پہ لاکھوں سلام ہوں۔......آپ نے فرمایا جو ''مجھے ابوبکر صدیق پہ فضیلت دیتا ہوا نظر آئے گا میں اُس بہتان تراش کو سخت سزا دوں گا''۔ (بحوالہ: **الصواعقِ المحرقہ**)

ایک شخص (ابوزناد) نے کہا:

''آپ کے ہوتے ہوئے لوگوں نے مہاجرین وصحابہ نے ابوبکرؓ کو کیسے خلیفہ بنا لیا؟''

آپ نے فرمایا:

''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو ناجائز بات سے بچالیتا ہے (یعنی اگر تو کلمہ گو نہ ہوتا) تو میں تجھے قتل کر دیتا''۔ (بحوالہ: کنز العمال، شرح، ص۱۰۷)

اعلیٰ حضرت نے اصحاب، ازواج، اہل بیت، اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے لیے بھی منقبتی اشعار اپنے سلام میں لکھے ہیں تو تضمین نگار نے بہت سے اشعار میں بزرگانِ دین کے اسمائے گرامی بھی لکھ دیے ہیں تا کہ اصل شعر میں آنے والے اشاروں کی وضاحت ہو جائے، مثلاً

شانِ آبا و اجدادِ نوری نہاد پیارے آقا کی اولادِ نوری نہار
یعنی مولانا حدّاد نوری نہاد '' زیبِ سجادہ سجاد نوری نہاد ''
'' احمدِ نور طینت پہ لاکھوں سلام ''

حضرت عبد العلیم عالمِ لا جواب شیخِ کامل حبیبِ ولایت مآب
ذکر جن کا سدا وجہِ خیر و ثواب ''بے عذاب وعتاب وحساب وکتاب''
''تا ابد اہلِ سنّت پہ لاکھوں سلام''

نقشبند و مجدد کا رنگِ عطا پیر ارچی مبارک کا حسنِ دُعا
میرے مرشد میاں صاحبِ با صفا ''تیرے اِن دوستوں کے طفیل اے خدا!''
'' بندۂ ننگِ خلقت پہ لاکھوں سلام ''

ان تینوں بندوں میں اصل اشعار پر جو مصرعے لگائے ہیں ان میں مولانا حدّاد، عبد العلیم، حبیب، پیر ارچی، اور اپنے مرشد میاں صاحب کے اسمائے گرامی لکھ کر منقبت کی مستحق ہستیوں کی تعیین بھی کر دی گئی ہے۔

سلاست کی مثال ملاحظہ ہو:

وہ شہِ خشک و تر جس کے شاہد حجر خشک پیڑوں کی شاخیں ہوئیں با ثمر
اِک اشارے پہ چلنے لگے تھے شجر '' صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر''
'' نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام ''

اصل شعر میں اضافتوں کی وجہ سے کچھ ثقالت آ گئی ہے لیکن تضمینی مصرعوں میں سلاست کا اچھا التزام کیا ہے۔ان تینوں مصرعوں میں تلمیحاتی اشاروں کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ قاری کا ذہن از خود ان تلمیحات کی طرف چلا جاتا ہے۔

میں نے یہ تضمین لوح سے تمت تک مکمل پڑھی ہے۔اور بلا تردُّد کہہ سکتا ہوں کہ الحمد اللہ تضمین نگار نے سلامِ رضا کی تضمین کرتے ہوئے کہیں توضیحی اور کہیں معنیاتی توضیح کے ساتھ ساتھ تجدیدِ متن کا حق بھی ادا کیا ہے۔زبان سادہ اور بیان میں دلکشی کا پہلو نمایاں ہے۔اس تضمین کی اشاعت پر میں تضمین نگار کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔دعا گو ہوں کہ اعلیٰ حضرت کے کلام سے منسلک یہ تضمینی کاوش مقبولِ عام ہو۔

......جمعۃ المبارک،۲۱رشوال المکرّم ۱۴۴۴ھ.....مطابق:۱۲رمئی ۲۰۲۳ء

☆☆☆

''مدحتِ خاتم الانبیا''

احساسات و کیفیات کا فنکارانہ اظہار

راقم الحروف ایک مدت سے محافل میں شرکت سے گریزاں ہے۔لیکن کہیں کہیں دل و جان سے شرکت کرنی پڑتی ہے پچھلے دنوں میرے استاد بھائی ،معراج جامی کی دعوت پر اپنے بیٹے فاروق عزیز خان کے ایک دوست فرقان میاں کے دولت کدے پر نعتیہ نشست ہوئی۔جس کی صدارت بھی خاکسار نے کی۔وہیں ایک صاحب نظر آئے جو اپنی ہیئت کذائی سے قطعی شاعر نہیں لگتے تھے۔لیکن جب انہوں نے کلام پڑھا تو محفل پر چھا گئے۔معلوم ہوا کہ حضرت باکسر (Boxer) ہیں لیکن شاعری کا نہ صرف ذوق رکھتے ہیں بل کہ اتنی شاعری کر چکے ہیں کہ اب ان کا مجموعۂ کلام شایع ہو رہا ہے۔وہیں انہوں نے اپنا مسودہ مجھے عنایت فرمایا۔اور مجھ سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی۔

آج وہی مسودہ میرے پیشِ نظر ہے۔

شاعری ،احساسات و جذبات کا فنکارانہ اظہار ہوتی ہے۔یہاں خیال ،احساس، اور جذبہ جب الفاظ کی گرفت میں آتے ہیں تو معانی کا ایک ہالہ بن جاتا ہے۔فن پارے کی ہیئت میں الفاظ کی ہم صوتی صباحت اور معنوی ربط کسی بھی شعری پیکر کو حسن عطا کر دیتا ہے۔

تقدیسی شاعری میں شاعر کا احساساتی ہالہ اس کے عقائد اور دینی اقدار سے جڑے جذبے کی لمعات سے تشکیل پاتا ہے۔

کریم بلال عظیمی صاحب پشتینی باکسر ہیں۔ان کی زبان بلوچی ہے۔بظاہر باکسنگ کا تعلق فنونِ لطیفہ سے نہیں ہے،لیکن بعض شخصیات اپنی ذاتی کوشش، رجحان،اور افتادِ طبع کے باعث مختلف الجہات سرگرمیوں میں حصّہ لیتی نظر آتی ہیں۔کچھ کو کامیابی ہو جاتی ہے کچھ کو نہیں ہوتی۔

کریم بلال صاحب کو خالص جسمانی زور آزمائی کے فن کے ساتھ ساتھ قلبی و ذہنی زور آزمائی کا ملکہ حاصل ہے۔اس لیے انہوں نے اُردو میں حمد و نعت اور منقبت کہہ کر نہ صرف اپنی ریاضت کا مرقع پیش کیا ہے، بل کہ اپنے ستھرے اور لطیف جذبات کے نکھار (Catharsis)

کی راہ بھی نکالی ہے۔

دبستانِ وارثیہ میں برسوں سے ایک ردیفی سلسلہ چل رہا ہے جس میں شعرا کو صرف ردیف دے کر غزل کی ہیئت میں بحر، قافیہ، منتخب کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ یہ ردیفی مشاعرے ماہانہ بنیادوں پر مسلسل ہوتے رہے ہیں۔ ان مشاعروں میں ردیف نبھانے کے حوالے سے بہت کم شعرا کامیاب نظر آتے ہیں۔ لیکن ہر کلیے میں **اثتثنیات** (Exceptions) ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان مشاعروں میں بھی بعض شعرا اپنے اشعار میں ٹھکی ہوئی ردیفیں نبھاتے ہوئے نظر آتے ہیں جن میں کریم بلال صاحب بھی ہیں۔ مجھے ان کے کلام میں ردیف نباہنے کے کچھ انداز بھی اچھے لگے۔ اور ان کی طبع زاد بحروں میں نعتیہ متون بھی خاصے بہتر نظر آئے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جو بھی وابستہ ہوا ہے آپ سے　　سرخ رو وہ حشر میں ہوگا بلالؔ!
شاد رہتے ہیں وہی شام و سحر　　سائے میں حُبِّ نبی کے جو رہیں
شرط ہے طاعتِ خاتم الانبیا　　بالیقیں خلد کے در سبھی ہوں گے وا
نعت گوئی کی پونجی مگر ہے بہت　　اور تو کوئی بخشش کا ساماں نہیں

آپ بنائے کائنات، آپ کی ہے عظیم ذات
آپ جہاں کی جان ہیں، آپ سے یہ جہان ہے

اس شعر میں شاہ احمد رضا کے ایک شعر کی بین متنیت یا متنی ہم رشتگی (Inter.textuality) نظر آرہی ہے۔ عام شاعری میں بھی ماقبل شعرا کی متون کی تجدید ہوتی رہتی ہے۔ یہاں بھی تجدید متن ہوئی ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ پرانا متن نئے قالب میں کیسا ڈھلا ہے۔ مجھے تجدید متن کی یہ کوشش کامیاب نظر آتی ہے۔ اب اعلیٰ حضرت کا شعر ملاحظہ ہو:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

کچھ اور اشعار دیکھیے:

ذکرِ آقا میں ہیں راحتیں بے حساب　　غم کے سائے چھٹے میرے سر سے بلال
سخت تر ہو گئیں زیست کی ساعتیں　　ڈس رہا ہے ہمیں ہجرِ طیبہ کا غم

بلالؔ! اُسوہ نبی کا اب ہے میری زیست کا مقصد

یہی عقبیٰ کی ہے دولت، بہ ہر صورت بہر عنواں

اسمِ احمد توشۂ دیں ہے بلالؔ! ورد حسب ِاستطاعت کیجیے

جان کے دشمن ہوئے شیر و شکر جب ہوئے نورِ خدا سے فیض یاب

زندگی کی آبرو تھی جہل کی ظلمت میں گُم آپ آئے لوٹ آئی زندگی کی آبرو

یہ اور اس قبیل کے بیشتر اشعار میں ردیف نباہنے کا عمل بڑا ستھرا اور پاکیزہ ہے۔ خیال کی راست بنت میں احساس کی لہروں کے رنگ بھر کے شعری لطف پیدا کرنا فن کی ریاضت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس مجموعے میں طبع زاد بحروں میں کہے اشعار بھی شاعر کی مشق سخن کے غماز ہیں

یہ دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ کریم بلال صاحب نے نہ صرف غزل کی تنگنائے کو بخوبی برتا ہے بل کہ آزاد نظم میں بھی اپنے خیال کی رو کو احساسات و جذبات کے لونی عکس (Shades) دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ جدید لب و لہجے میں بھی فنی تقاضے نباہ سکتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو مجھے ان کی آزاد نظم میں فکری رو اور احساسات کی دھنک سے ترتیب پانے والا متن (Text) بہت اچھا لگا۔

ایک نظم میں غزوۂ بدر کا تاریخی واقعہ، مستند روایات کی روشنی میں آزاد نظم کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ اس میں صرف ماضی کا احوال نہیں ہے بل کہ اس نظم کی اختتامی سطور میں انہوں نے بڑی رجائیت سے مسلم معاشرے کی بہتری اور دینی وقار کی سربلندی کی اُمیدیں رقم کی ہیں۔ چند لائنیں ملاحظہ ہوں:

اے بلالؔ!......ایسا ایمان افروز تھا...........غزوۂ بدر جس میں...........ہزیمت ہوئی
کفر کو............اور پرچم رہا اوج پر............حق پرستوں کا...........کچھ اس طرح جس
سے...........پھیلا ہے خوف و ہراس اس قدر...........نسلِ شیطان میں...........آج
تک.........اُن کو نامِ جہاد ایک عفریت لگتا ہے...........وہ اس لیے...........آئے دن اہل
ِایمان کو...........دامِ تزویر میں...........پھانسنے کے لیے...........کر رہے ہیں جتن
اہلِ حق پر اگر چہ...........وہن کا اثر ہے...........مگر رب سے امید ہے...........ایک دن حق
پرستوں کا...........پرچم ہی رب کی اعانت سے...........ایماں کی قوت سے...........دنیا کے
ہر ملک میں...........اوجِ گردوں کی مانند...........لہرائے گا!...........وقت، واللہ!

ایسا ضرور آئے گا!.............بدر میں جس طرح کفر.............کوزک ہوئی.............آج بھی زک اُٹھائے گا.............باطل یونہی!.............دور وہ دن نہیں.............حق ضرور آئے گا.............

حق کا پرچم زمانے میں لہرائے گا!

نظم کی شعری بنت میں شاعر کے فکری میلانات، جذباتی تموج، اور احساساتی وفور نے ایک فنی پیکر تراش لیا ہے۔ میں چاہوں گا کہ کریم بلال آزاد نظم کی طرف زیادہ توجہ فرمائیں۔ان کی تخلیقی دانش اس صنفِ سخن میں زیادہ خوبصورتی سے اُجاگر ہوتی ہے۔

جاپانی صنفِ سخن ''ہائیکو'' میں اردو کے شعرا نے خوب طبع آزمائی کی ہے۔نعتیہ شعری دنیا میں قدم رکھنے والے ایسے شعرا جو اس صنف شریف کو جدید ادبی معیارات کی روشنی میں لکھتے ہیں، ان میں کریم بلال صاحب بھی ہیں۔ان کی چند حمدیہ ہائیکو ملاحظہ ہوں:

تو داتا کرتار.............لافانی ہے تیری ذات.............فانی ہے سنسار

درج ذیل حمدیہ ہائیکو میں تبلیغی فکر کی جلوہ گری بھی ہے، یقیناً یہ روش شاعری کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

من اندر کر دھیان.............وہ بھی تجھ میں ہی بستا ہے.............رب کو تو پہچان

بے جانا تے توڑ.............چند دنوں کی دنیا ہے.............رب سے رشتہ جوڑ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم کی آیت نمبر ۹۶ رمیں ارشاد فرمایا:

''بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، عنقریب اُن کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا''۔(ترجمہ: کنزالایمان)

یعنی مسلمانوں میں جو بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ کی روشنی اپناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے عام لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتا ہے۔قرآنِ کریم میں جن ہستیوں کی محبت عام کرنے کا ذکر ہے، ان کی محبت اور عقیدت کے مظاہر ہمیں عملی زندگی میں بھی نظر آتے ہیں، اور شعری دنیا میں مناقب کی صورت میں بھی ملتے ہیں۔تقدیسی شاعری کے ذیل میں ایک موضوعاتی صنف ''منقبت'' کے نام سے لکھی جاتی ہے۔جو کسی بزرگ کی سیرت اور ان کی تعلیمات سے متاثر ہو کر شاعر کے نوکِ قلم پر آجاتی ہے۔

کریم بلال صاحب نے بھی اپنے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب، اور

اُن کے مرشد حضرت قلندر بابا اولیا کے مناقب لکھے ہیں۔ موصوف عظیمی سلسلے کے متوسلین میں ہیں راقم الحروف نے بھی حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی دامت برکاتہم العالیہ سے کسبِ فیض کیا ہے۔ حضرت سے ملاقات کا شرف ۱۹۶۹ء میں پہلی بار رہوا تھا۔ جب ان کا قیام ناظم آباد میں تھا۔ آپ کے موجودہ آستانے پر حاضری کا شرف صرف ایک بار حاصل ہوا۔ جب انہوں نے نعتیہ مشاعرے کا اہتمام فرمایا۔ اور خاکسار کو اس کی نظامت کا اعزاز بخشا تھا۔ پھر برسوں اسلام آباد میں قیام کے باعث میں واپس آیا تو ان کی زیارت سے محروم رہا۔ ۲۰۰۹ء میں کراچی واپس آیا تو حضرت کے ایک مرید جناب عزیز سولنگی عظیمی سے ملاقات ہوگئی۔ اب انہیں کی ذریعے خواجہ صاحب کی طرف اپنا سلام و پیام پہنچا دیتا ہوں۔ حضرت شفقت فرماتے ہوئے اپنی تصانیف مجھے عزیز صاحب کے ہاتھ بھجوا دیتے ہیں۔ قلندر بابا اولیاء کے حوالے سے ایک مضمون بھی عزیز صاحب نے اصرار کر کے مجھ سے لکھوایا تھا۔ جو ماہانہ روحانی ڈائجسٹ کراچی کے شمارے بابت جنوری ۲۰۱۹ء میں شایع ہوا۔ ڈاکٹر وقار عظیمی صاحب سے بھی کبھی کسی محفل میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ اللہ ان کے سلسلے کی فیض رسانی جاری رکھے۔ (آمین)

خیر! یہ تو ایک طویل جملۂ معترضہ درمیان میں آ گیا۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ کریم بلال عظیمی صاحب نے بڑے خلوص سے مناقب لکھے ہیں یہ مناقب بزرگوں سے اُن کی سچی ارادت کے آئینہ دار ہیں۔ دیکھیے! کس والہانہ انداز سے وہ اپنے مرشدِ کریم کا تذکرہ کرتے ہیں:

چلیں اُن آنکھوں کو دیکھ آئیں .... بدلتی ہے جن سے دل کی قسمت
کبھی جو اُن کا مزاج بدلے .... تو زندگی کا نظام بدلے

انہیں کے قدموں .... یہ سر کو رکھ دیں .... پھر اپنے رب سے
قرار مانگیں، سکون مانگیں .... خزاں رسیدہ یہ زندگی ہے .... بہار مانگیں

مجھے امید ہے کہ کریم بلال صاحب کا کلام ''مدحتِ خاتم الانبیا'' شایع ہو کر تقدیسی ادب کے قارئین کے لیے باعثِ کشش ہوگا۔

میں کتاب کی اشاعت پر انہیں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

ہفتہ: ۸/رجب المرجب۔ ۱۴۴۵ھ..... مطابق: مطابق: ۲۰/جنوری ۲۰۲۴ء

☆☆☆

سچے جذبوں کا شعری عکس...... ''سائبانِ کرم''

''سائبانِ کرم'' اگر چہ کتاب کا نام ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ صرف کتاب کا نام نہیں بل کہ کرۂ ارض پر بسنے والے ہر باشندے کی ضرورت ہے۔ابھی ساری دنیا کو تو اس حقیقت کا ادراک نہیں ہوسکا کہ اسے کس سائبانِ کرم سے فیض پہنچ رہا ہے۔لیکن مسلم معاشرے کے ہر متقی اور گنہگار فرد کو یہ معلوم بھی ہے اور اس کا یہ ایمان بھی ہے کہ وہ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ''سائبانِ کرم'' کے سائے میں ہے۔مسلمان کا یہ بھی ایمان ہے کہ دین و دنیا میں فلاح و کامیابی اور چین اور سکون سے دنیا کی عارضی اور آخرت کی دوامی حیات گزارنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سائبانِ کرم ہی کی ضرورت ہے۔سمیعہ ناز صاحبہ نے اپنی نعتیہ تخلیقات کو مدون کیا تو انہوں نے بڑی دانش و بصیرت سے کتاب کے نام کو ہمارے دینی شعور کی روشنی میں پھلنے پھولنے والی شعری روایت کو سامنے رکھا۔فیضی نے کہا تھا:

اُمی و دقیقہ دانِ عالم　　　بے سایہ و سائبانِ عالم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذاتِ گرامی نے دنیا میں کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا لیکن آپ تمام عالم کی فکری،نظری،اور علمی جہتوں کے نکات سے آشنا ہیں۔فارسی میں ''دقیقہ شناس'' کسی ایسی شخصیت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو گہری نظر رکھنے والی ہو۔باریک بین ہو اور دقتِ نظر سے ہر شے کو دیکھنے والی ہو۔

فیضی نے حصر کے ساتھ یہ وصفِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں بتایا ہے یہی سچ ہے فارسی میں علامہ اقبال نے بھی اسی سچائی کو شعری متن بنا کر پیش کیا ہے:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　　اگر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی است

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی کے سائبانِ کرم میں آجاؤ،کیوں کہ ان کے سائبانِ کرم کے سائے ہی میں مکمل دین ہے اس کے علاوہ دنیا میں سوائے کفر کے دھرا ہی کیا ہے؟۔

حضرت فدؔا خالدی فرماتے ہیں:

ہشیار ! کہ چُھٹ جائے نہ دامانِ محمد　　　اِس راہ میں بھٹکا تو نہ دنیا کا نہ دیں کا

فیضی، اقبال، اور فدا خالدی، کے فکری نکات پر مبنی، شعری اظہاریے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ کے اجتماعی شعور اور لاشعور میں یہ بات پیوست ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ہی ''سائبانِ کرم'' ہے۔

یہاں تک تو سمیعہ ناز صاحبہ کی کتاب کے صرف نام کی بات ہوئی۔ لیکن جب ہم کتاب کھولتے ہیں تو ہمیں شاعرہ کے جذبوں کی سچائی کی چکاچوند اور خلوصِ اظہار کی تاب وتب نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی تحریر کے عنوان ہی میں ''سچے جذبوں کا شعری عکس'' کی عبارت نمایاں کی ہے۔ واضح رہے کہ میں نے بہت عجلت میں کتاب کا مسودہ پڑھا اور ''خذ ما صفا'' کے اصول پر چند نکات پیش کرنے تک خود کو محدود رکھا ہے۔

پہلا نکتہ جو اس کتاب سے متبادر ہوا وہ یہ ہے کہ شاعرہ نے اپنی عملی زندگی میں حبِّ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنا شعار بنایا ہے۔ مثلاً وہ کہتی ہیں:

لمحہ لمحہ میں خیالِ شہِ بطحا میں رہوں　　　دل مِرا اُن کی حسیں یاد کا مسکن ٹھہرے

سبز گنبد ہے سوچ کا محور　　　پاک منظر نظر میں رکھا ہے

مدحت کی سجائی ہے محبت سے یہ محفل　　　برسی ہے خوشا رحمتِ سلطانِ مدینہ

محو رہتی ہوں خیالِ سرورِ کونین میں　　　یاالٰہی ! شکر تیرا اُن کی نسبت مل گئی

میں روز و شب بھیجتی رہی ہوں ، درود اُن پر سلام اُن پر

خوشا مقدر کہ دل کے آنگن ، میں بزمِ اُلفت سجی ہوئی ہے

اِن اشعار سے شاعرہ کا عشقِ نبوی ﷺ جھلک رہا ہے۔ جو بقول سید سلمان ندوی ''دردِ معاصی کی دوا ہے''۔

اس کتاب میں شعری اظہاریے صرف حبِّ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک ہی محدود نہیں ہیں بل کہ اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تشویق کو عام کرنے کے جذبے اور خود اُسوۂ سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنانے کا عزم شعری پیکر میں منعکس ہے وہ بجا طور پر کہتی ہیں:

اُن کی سنّت ہی سے کردار سنوارا اپنا　　　اُسوۂ سیدِ والا سے محبت کی ہے

کردار میں ہو حسنِ عمل حسنِ بصیرت　　　ہو جادہ مِرا سیرتِ سلطانِ مدینہ

''زندگی کا فلسفہ کھل کر عیاں ہونے لگا'' اُسوۂ سرکار کی جب سے ملی ہے روشنی
میرے کردار سے گفتار سے خوشبو آئی اُن کی سیرت کے چمن زار نے بخشی وہ مہک

اور یقیناً حبِّ نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ساتھ، اُسوۂ نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنانے کی خواہش اور اس کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کرنے کی کوشش ہی کا یہ فیضان ہے کہ شاعرہ کو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی زیارت کا شرف بھی بخشا......

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

وہ کہتی ہیں:

دیکھی تھیں خواب میں وہ رحمت بھری نگاہیں
اے کاش پھر سے دیکھوں آقا کی پیاری آنکھیں

آکاش سے برسے تھے گلاب اور زیادہ لب پر تھا مِرے اسمِ نبی خواب میں جس دم
مرحبا ! میں خوش مقدر ہو گئی ہو گئی اُن کی زیارت خواب میں
لبوں پہ آئی تھی بے اختیار بسم اللہ رُخِ نبی کی ہوئی تھی مجھے زیارت جب

(بسم اللہ کا مفہوم تو ''اللہ کے نام سے شروع'' ہی ہے لیکن پنجاب میں ''بسم اللہ'' کو خوش آمدید، کسی کے استقبال، اور کسی خوش نظر شے کی دل سے قبولیت کے اظہار کے لیے بھی بولتے ہیں۔ سمیعہ ناز صاحبہ نے ''بسم اللہ'' انہی معنٰی میں استعمال کیا ہے)

رُخِ انورِ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھ کر خواب نگر سے لوٹنے والوں کی ہمیشہ تمنّا رہی ہے کہ یہ نعمت یہ سعادت اور یہ نظارہ انہیں بار بار میسر ہو۔ سمیعہ ناز بھی یہی تمنّا رکھتی ہیں۔

کاش دیدار ہو بار بار آپ کا قلبِ مضطر کی ہے بس یہی آرزو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نوریں پیکر جب شعری اظہار کا جزو بنتا ہے تو شاعرہ کا تخیل کائنات کے ذرّے ذرّے میں وہی نور دیکھتا ہے اور پھر وہ اسی کو اپنے بیانیے کا حصّہ بنا لیتی ہے۔ سمیعہ ناز صاحبہ نے جمالِ مصطفوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف اشارے کیے ہیں:

گلوں میں نکہتِ سرور رچی بسی ہوئی ہے نجوم وشمس و قمر میں بھی نور ہے اُن کا

سمیعہ ناز نے حُبِّ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تقاضے پورے کرنے کے لیے عملی راہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اُسوۂ مبارک کی روشنی سے منور کی ہیں۔ اور تحدیثِ

نعمت کے لیے درود شریف کا ورد بھی جاری رکھا ہے۔

چھٹی ہے رنج و الم درد و غم کی تاریکی
درود پڑھ کے مِرے دل میں روشنی ہوئی ہے

ساتھ ہی ساتھ شاعرہ اپنے تجربات کی روشنی میں ترغیبی لہجہ اپناتے ہوئے درودخوانی کا عمل عام کرنے کا مشورہ بھی دیتی ہیں:

صد بار نطق و صوت سجا کر سنوار کر　　پڑھ کر درود ، اُن پہ زباں مشک بار کر

سائبانِ کرم کی شاعرہ نے تمنائی آہنگ میں بھی درود شریف کے ذریعے برکت کے حصول کی بات کی ہے:

جب جب درود بھیجوں سرکارِ دو جہاں پر　　ہو جائے درد مرہم ، پرودگارِ عالم

حاضری کے بعد کے احساسات کو بھی نعتیہ شاعری میں اکثر شعرا نے متنِ شعر بنایا ہے۔سمیعہ ناز صاحبہ نے بھی اپنا احساسِ تشنگی شعری زبان میں منعکس کیا ہے:

سکوں کے پل وہی تھے جو گزارے تھے مدینے میں
مجھے شام و سحر مولا ! مدینہ یاد آتا ہے

مدینہ یاد آنا تو ہر مسلمان زائر کی قلبی کیفیات کا تقاضا ہے۔لیکن گنبدِ خضرا دیکھنے کے بعد جو برکات حاصل ہوئیں شاعرہ نے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے:

آیا ہے نظر جب سے مجھے گنبدِ خضرا　　ہر لمحہ مِرے قلب پہ بارانِ کرم ہے
کھلتے ہیں جہاں پھول عطاؤں کے ہمیشہ　　کیا خوب شہا ! تیرا گلستانِ کرم ہے

عصرِ حاضر میں مسلمانانِ عالم کے لیے اپنا ایمان بچانا اور شرارِ بولہبی کی مضرتوں سے دور رہنا مشکل ہی نہیں بل کہ ناممکن سا ہو گیا ہے۔وہ لوگ جو اسلامی معاشروں سے کسی مجبوری کے باعث کٹ گئے ہیں انہیں نظری طور پر دین کی مبادیات کا تحفظ کرنا بھی دشوار نظر آتا ہے۔سمیعہ ناز صاحبہ ایسے ملک میں رہتی ہیں جس میں مسلمانوں کے خلاف فتنے برپا ہوتے رہتے ہیں۔ختمِ نبوت کے نظریے پر ڈاکا ڈالنے کے لیے انگریز نے ہندوستان میں ایک کاذب نبی پیدا کر دیا تھا۔ ہندوستان کے بٹوارے کے بعد وہ فتنہ پوری دنیا میں پھیل گیا،اور برطانیہ میں اس دجال کاذب نبی کے پیروکاروں کو بڑا تحفظ حاصل ہے۔یہی وجہ ہے کہ شعرا و ادبا نے اکثر اپنی نعتیہ نگارشات

اور نثری ادب میں ختمِ نبوت کا نظریہ اجاگر کرنے کی روش اپنائی ہے۔ سمیعہ ناز صاحبہ نے بھی یہ متن اپنایا ہے۔

کتابِ آخری لے کر سند ختمِ نبوت کی مِرے آقا امام الانبیا تشریف لے آئے

عصرِ حاضر کے فتنوں سے فکری طور پر نمٹنے کی مساعی اپنی جگہ لیکن بعض جاں بازوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ناموس کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر خود کو امر کر لیا ہے۔ درج ذیل شعر جاں سپاری کے جذبے کو ابھارنے کے لیے کہا گیا ہے:

حضور! محشر میں ان کو بھر بھر کے جام کوثر عطا کریں گے
خوشی خوشی جو نبی کی حرمت پہ جان اپنی لٹا گئے ہیں

سائبانِ کرم کی شاعرہ نے اپنی ثنا خوانی کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کرمِ خاص سے منسوب کیا ہے:

ثنا کے پھول اُسی کے کرم سے کھلتے ہیں وگرنہ کون سا ایسا کمال ہے مجھ میں

میں ہوں نازؔ! اِس پہ نازاں، مرا بخت ہے درخشاں
کہ نبی کے واصفوں میں مِرا نام آ گیا ہے

اختتام پر چند اور اشعار ملاحظہ ہوں:

اُن کے دم سے بہار باقی ہے اِس جہاں کا وقار باقی ہے
روزِ نشور بخت کھلیں گے عجب طرح ''رحمت مچل پڑے گی گنہگار دیکھ کر''

آخری شعر کا دوسرا مصرع واوین کی وجہ سے اس بات کا غماز ہے کہ یہ مصرع کسی اور شاعر کا ہے لیکن اس مصرعے پر جو پہلا مصرع لگایا گیا ہے اس میں تضمین نگاری کا جوہر ضو ریز ہے۔ تضمین نگاری کے اور بھی کچھ اچھے نمونے اس کتاب کی زینت بنے ہیں۔ مثلاً:

فیضانِ مدحِ شاہِ مدینہ نے دہر میں ''اِس بے ہنر کو صاحبِ دیوان کر دیا''

یا وہ شعر جو پہلے بھی آ چکا ہے:

اُسوۂ سرکار کی جب سے ملی ہے روشنی ''زندگی کا فلسفہ کھل کر عیاں ہونے لگا''

درج ذیل اشعار بھی لائقِ تحسین ہیں:

مدّاحِ پیمبر کی ہر اِک گام ہے توقیر یوں اِس کے لیے وَا درِ فیضانِ کرم ہے

سانس لوں میں بھی مدینے کی ہواؤں میں کبھی
ہو مری زیست بھی ہم رنگِ بہاراں اِک روز

آمدِ آقا ہوئی جب دہر میں — مشعلِ ایماں منور ہو گئی
کھلنے لگیں گلاب ، بہاریں اُمڈ پڑیں — ہو جائے گر نگاہِ عنایت حضور کی

میں نے جس اصول کے تحت ''سائبانِ کرم'' کا مطالعہ کیا وہ ''خذ ما صفا'' کا اصول ہے لہٰذا میرے معروضات کو اسی نکتے کی روشنی میں پڑھا جائے۔

میں سمیعہ ناز صاحبہ کو ان کے شعری جمال کے نقش ثانی کی آمد پر مبارک باد پیش کرتا ہوں امید کرتا ہوں کہ ان کا اگلا قدم فن کے آفاق کی بلندیوں پر ہوگا ان شاء اللہ!

☆☆☆

حرفِ ثنا کا جذبۂ اظہار

حمد اللہ کی تعریف کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات سے انسان کو معلوم ہوا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی حمد کر رہا ہے۔ یہ الگ بات کہ اشیائے کائنات کی حمد وثنا انسان نہ تو سن سکتا ہے اور نہ ہی اُس کا ادراک کر سکتا ہے۔ لیکن انسان بہر حال اختیاری طور پر اللہ کی حمد وثنا کا پرچم بلند کرتا رہتا ہے۔ شعرا اس عمل میں پیش پیش رہتے ہیں۔ پہلے چند قرآنی آیات دیکھتے چلیے تا کہ اشیائے کائنات کی تسبیح کا علم ہو سکے۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج

"اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں،"

(سورہ الحدید ۵۷، آیت ۱)

سَبَّحَ لِلّٰہِ! یہ تسبیح ہر ہر مخلوق کی اس کے اپنے مرتبہ، وجود کی مناسب زبان میں ہوتی ہے۔ انسانوں کے لیے کسی کی زبان، زبانِ قال ہے اور کسی کی زبانِ حال (تفسیر ماجدی) قرآن کریم میں سَبَّحَ لِلّٰہِ! کے حوالے سے بعینہٖ یہی الفاظ سورہ الحشر (۵۹) اور سورہ الصّف (۶۱) کی پہلی آیات میں آئے ہیں. یُسَبِّحُ کے الفاظ سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۲۴ میں آئے ہیں یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض (اُسی کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں بھی آسمان اور زمین میں ہیں)۔ ان آیات کلام اللہ سے کائنات کی ہر شے کی تسبیح کا احوال معلوم ہوتا ہے۔ یہ تسبیح تکوینی ہے اور ہر شے کی ساخت یا فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔ لیکن انسان کو فطری طور پر حمد کا خُوگر نہیں بنایا گیا۔ اُسے اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف کروانے کے بعد اس کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ چاہے وہ اللہ کا شکر گزار بندہ بنے یا کفر کرنے والا بن جائے۔

''ہم نے دکھا دیا ہے اسے راستہ، اب چاہے بن جائے شکر کرنے والا یا کفر کرنے والا"۔

(سورہ الدھر ۷۶، آیت ۵)

دُنیا میں اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان اس دُنیا میں آکر اپنے وجود کے خالق کی جستجو کرتا ہے انسانی تجسّس (curiosity/ inquisitiveness) کے ضمن میں، قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تجسّس کا احوال بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک تارا، پھر چاند اور

سورج دیکھ کران کی چمک دمک سے متاثر ہوکر، پہلے انہیں اپنا رب جانا، پھر جب وہ غروب ہو گئے تو فرمایا:

" نہیں پسند کرتا میں ڈوب جانے والوں کو......اور......اے میری قوم! بے شک میں بیزار ہوں اُن سب سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو! اللہ کا"۔

(سورہ الانعام ٦، آیات ٧٨,٧٩)

دُنیا کی مختلف تہذیبوں میں انسانی تجسّس نے یا تو خود ساختہ مذاہب ایجاد کیے یا انبیاء کے لائے ہوئے ادیان کی پیروی کی لیکن جلد ہی انبیاء کی تعلیمات بھی مسخ کر دی گئیں۔ اسلام نے اسی لیے سابقہ ادیان کو منسوخ کر دیا۔

اس تمہید سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دُنیا میں جہاں بھی انسان نے اپنے سے برتر ہستی (اپنے خالق) کی جستجو کی ہے وہیں اپنے لیے پیکرِ محسوس کی علامت کے طور پر پتھر کے اصنام یا مظاہر کائنات کی پرستش شروع کی، اور جب انسان کو زبان کے استعمال کا ملکہ حاصل ہوا تو اپنے اپنے معبودوں کی کسی نہ کسی طرح تعریف کی۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا بھر کی شاعری میں مذہبی متون (texts) زیادہ پائے جاتے ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک گڈریے کا قصہ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام نے ایک چرواہے کو یہ کہتے سنا کہ اے کریم! اور الٰہ! تو کہاں ہے؟ تا کہ میں تیرا نوکر بنوں۔ تیرا جوتا سی دُوں، تیرے سر میں کنگھی کروں، تو کہاں ہے؟ تا کہ میں تیری خدمتیں کروں، تیرا کپڑا سی دوں، اور بخیہ کر دوں، تیرے کپڑے دھودُوں، تیری جوئیں مار دوں......اے معزز! تیرے سامنے دُودھ پیش کر دوں۔ اگر تجھے بیماری لاحق ہو، اپنے کی طرح میں تیرا غم خوار بنوں تیرے پیارے ہاتھ چوموں، تیرے نازک پیر دباؤں، سونے کا وقت آئے تو بستر صاف کر دوں، اے میرے خُدا! تجھ پر میری جان قربان، تمام اولاد، اور میرا گھر بار، اگر مجھے تیرے گھر کا پتا مل جائے تو میں ہمیشہ صبح و شام دودھ اور گھی تیرے لیے لاؤں، پنیر بھی اور روغنی روٹیاں بھی، دہی کی مٹکیاں، اے نازنین! تیار کروں اور صبح و شام تیرے سامنے لاؤں، میرا لانا ہو، تیرا کھانا ہو، اے (وہ ذات) کہ تیری یاد میں میری آہ و زاری ہے......حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اس سے دریافت کیا، تو کس سے مخاطب ہے؟ اس نے کہا اس ذات سے ہم کلام ہوں جس نے ہمیں پیدا

کیا ہے۔ یہ زمین آسمان جس (کے پیدا کرنے) سے ظاہر ہوا ہے۔'' (حضرت موسیٰ نے) فرمایا ''افسوس! تو پاگل ہوگیا ہے۔ مسلمان نہ ہوا بل کہ کافر ہوگیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اور بھی زیادہ الفاظ میں اس کی سرزنش کی۔ چرواہے نے، موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سنیں تو گرم آہ کی، کپڑے پھاڑے اور جنگل کی طرف نکل گیا...... تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ! تو نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کر دیا......''

تو برائے وصل کردن آمدی　　　نے برائے فصل کردن آمدی

"تو (بندوں کو ہم سے) ملانے کے لیے آیا ہے۔ جُدا کرنے کے لیے نہیں آیا۔''

(مثنوی مولانا روم، دفتر دوم، ص ۱۸۵)

رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے کا جذبہ جہاں بھی ظاہر ہو، وہاں مجھے گڈریے اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں، میں کمزور کلام کی بھی کچھ تحسین کر دیتا ہوں۔ اس وقت جمال احمد جمال کے حمدیہ مجموعے کا مسودہ ''حرف ثناء'' پیشِ نظر ہے۔ اس میں شاعر نے بڑی کاوش سے ثنائے کردگار کی ہے۔ میں نے لوح سے تمت تک جمال احمد جمال کا کلام دیکھا ہے اور محسوس کیا ہے کہ جذبہ راست ہے۔ بیان میں ندرت پیدا کرنے کی کوشش بھی ہے۔ بعض اشعار میں قرآنی مضامین کا عکس بھی ہے اس لیے خذ ما صفا کے اصول پر میں نے چند اشعار منتخب کیے ہیں۔ وہ حاضر ہیں:

تو کائنات کا خالق، خُدائے عز وجل　　　ہر ایک شے میں ہے، تیری نمود کا اعلان

نہ ابتدا کی کوئی ہے، نہ انتہا کی خبر　　　ہمیں نفس بہ نفس اُس کی ہے رضا مقصود

اس شعر میں شاد عظیم آبادی کے متن کی تجدید ہوگئی ہے:

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سُنی　　　نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم!

☆

نور یقیں سے مٹ گئی، جہل گماں کی تیرگی　　　گردشِ روز و شب میں ہے، فہم و خرد کا امتحاں

گمان کو شاعر نے جہل سے تعبیر کیا ہے، جسے نور یقین سے مٹایا جاسکتا ہے، اور یقین صرف پیغام وحی کو قبول کرنے، سمجھنے اور اس پیغام کو عمل میں ڈھالنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اختلاف لیل و نہار میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں رکھی ہیں۔ (القرآن ۲:۱۶۴)

درج بالا شعر میں متن کا معنیاتی زاویہ عقل و خرد کی جانب متوجہ کرتا ہے۔

عشق کا رنگ ہی فقط وجہ بنائے کائنات اور خمار عشق ہے، حاصل بزمِ دو جہاں

سرِ دِلبراں میں لکھا ہے کہ حُبِّ ظہور سے کائنات کا آغاز ہوا، مدارج اور اسی حب کی آخر تک فرماں روائی رہے گی۔

محبت مختلف مدارج میں مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ غیر ذی روح مادی ذرات میں اسے کشش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ذی رُوح ہستیوں میں اس کشش کا نام محبت ہو جاتا ہے۔ ارفع واعلیٰ ہستیوں میں جب محبت بھی اپنی ارفع واعلیٰ شان میں نمایاں ہوتی ہے تو اُسے عشق کہتے ہیں محبت کے انتہائی مرتبے کا نام عشق ہے۔ (سر دلبراں، ص ۲۵۵)

عشق کی نوعیت سمجھنے کے بعد درج بالا شعر پڑھتے ہیں، تو شاعر کے فہم عشق کا کچھ عکس متن شعر پر محسوس ہوتا ہے اور شعری بنت میں ملفوف عشق کا رنگ کھلنے لگتا ہے۔

تیرے ہیں یہ چاند تارے، یہ زمین و آسماں
تیری صنّاعی کے ہیں ہر سمت یہ نقش و نگار
ہر طرف ہے تو ہی تو، ہر شے میں ہے تیرا جمال
ذرّے ذرّے سے ہے اک تیری ہی قدرت آشکار
وہ ذات کہ حاضر بھی ہے، غائب بھی ہے لیکن
ہر چیز میں موجود علامت ہے اُسی کی
نمازوں میں مِرے آگے، دمِ سجدہ ہے موجود
مِرے احساس کو یہ خُوئے فطرت تُو نے دی ہے
عکس قدرت کا نِہاں اک سلسلہ رکھا گیا
(آئینے کے سامنے جب آئینہ رکھا گیا)
مصرعہ طرح پر گرہ لگائی گئی ہے
تو نے فرمایا ہے، سجدوں میں قریں ذات تری
قرب تیرا ہی جمالِ دِلِ شیدائی ہے

اللہ تعالیٰ نے سورہ اقرا میں ارشاد فرمایا ہے کہ سجدہ کرو اور قرب حاصل کرلو۔ اس شعر میں اسی

ارشادِ ربّانی کا عکس ہے۔

بندگی میں ہے جمال اس کی نہاں، دل کا سُرور
اور عبادت اُس کی، ہے نذرانۂ حرف ونو

دمِ سجدہ ہر اک انساں کے تُو ہی رُو بہ رُو ہے
خموشی کی زباں میں، دل کی تجھ سے گفتگو ہے

ترا اِک تحفہء عالی، نمازِ پنج گانہ
طہارت قلب کی، احساس باطن کا وضو ہے

تو مختارِ کُل واقف حال ہے
میں پھر کیوں کہوں، اور کیا چاہیے

شکر لازم ہے، ہر اک ذی رُوح پر اللہ کا
کیسے انعامات کی بارش ہے سب پر بے حساب

ذکر سے تیرے پلکوں پہ موتی سجے
ہے تڑپ کس قدر، قلب سے رُوح تک

بخش دیتا ہے تو خطا سب کی
کیوں کہ سنتا ہے تو دُعا سب کی

ہوں مرض جس قدر بھی پیچیدہ
ہے ترے پاس ہی دوا سب کی

لبوں پر روز وشب حمد و ثنا ہے
ہر اک انداز میں ذکرِ خُدا ہے

مرکز عشق سب جہانوں میں
مرکز عشق گھر اُسی کا ہے

مقصدِ تخلیقِ انساں، شرحِ قرآں سے کُھلا
ذات باری کا تصّور، دل پہ ایماں سے کُھلا

قرآن کریم میں، انسان کی تخلیق کا مقصد محض عبادتِ رب تعالیٰ بتایا گیا ہے۔

(سورہ الذریت ۵۱، آیت ۵۶)

ذات باری کی عظمتیں ایمان کے بغیر انسان کے حیطہء خیال میں نہیں آسکتیں۔ اس حقیقت کے شعور نے شاعر سے درج بالا شعر کہلوایا ہے۔

ہر کوششِ پیہم کا صلہ رکھا ہے اس نے
بے جہد نہیں کھلتے ہیں اسرارِ حقیقت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور وہ لوگ جو جد و جہد کرتے ہیں ہماری خاطر، تو ہم ضرور دکھائیں گے انہیں اپنے راستے'' (سورۃ العنکبوت ۲۹، آیت ۶۹)۔ قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں شاعر کے اس قول کی گرہ کشائی ممکن ہے:

''بے جہد نہیں کھلتے ہیں اسرار حقیقت''۔

کوئی اُس کا نہ ثانی ہے نہ ہمسر
وہ سب کے درمیاں، سب سے جُدا ہے

اس شعر میں سورۃ اخلاص کے الفاظ ''کُفُوًا اَحَدٌ'' ۝ (اس کا ہمسر بھی کوئی نہیں ہے) کی گونج صاف سنائی دیتی ہے۔ ''حرفِ ثنا'' کی حمدیہ شاعری میں حمد کے مختلف لونی عکس

(shades) پائے جاتے ہیں کہیں کائنات کے مظاہر کی روشنی میں بات کی گئی ہے۔ کہیں مقصدِ حیات کا ذکر ہے۔ کہیں قرآنی آیات کا معنوی رنگ ہے۔ کہیں التماس ہے، کہیں مناجاتی پہلو ہے۔ لیکن حمد کے حوالے سے عبدالقادر بیدل کا یہ احساس ہمیشہ باقی رہے گا کہ حمد باری تعالیٰ کا مرحلہ بہت دُور ہے۔ اس لیے اس خیال سے خاموشی اختیار کرنے میں عافیت ہے کہ اس ضمن میں، سارے بیانات وہم کے صحرا میں آوارہ پھرنے کے مانند ہوتے ہیں:

بیدل رہِ حمد از تو بصد مرحلہ دور است   خاموش کہ آوارۂ و ہم اند بیاں ہا

ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد نے بیدل کے اس شعر کا منظوم ترجمہ کیا ہے:

بصد مراحل ہے دور بیدل، مقام حمدِ غفور بیدل
خموشی اُس کے حضور بیدل، کمال نطق و سخن کا حاصل

میں نے شاعر کا کلام پڑھ کے کچھ اچھے، ستھرے اور نسبتاً متنی (Textual) اور اسلوبی (Stylistic) اعتبار سے بہتر اشعار کے نمونے پیش کر دیے ہیں۔ ہر شعر کی تشریح ضروری نہیں۔ میرے انتخاب کردہ اشعار پڑھ کے قارئین خُود ہی شعری قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان چند اشعار کی گرہ کشائی سے، شاعر کی قرآن فہمی مترشح ہے لیکن قافیہ پیمائی اور ردیف کی نادرہ کاری کے شوق میں کہیں کہیں معانی کا گنجلک پن اور اَن مل بے جوڑ الفاظ کی کھتونی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور گڈریے کا قصہ رقم کر کے، یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ شاعر نے ایک بڑی مشہور کہاوت ''باخُدا دیوانہ باش'' پر عمل کیا ہے۔ اس لیے مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں ان اشعار کے حوالے سے کچھ لکھ کر شاعر کے لاشعور (Unconscious) میں پوشیدہ معنی کے آبگینوں کو ٹھیس پہنچاؤں۔

تقدیسی ادب میں حمدیہ شاعری کو Poetic license کی روشنی میں پرکھ سکتے ہیں۔ اسی لیے ''حرفِ ثنا'' کے لیے میں نے ''خذ ما صفا'' کا طریقہ اپنایا ہے۔ تاہم مجھے خوشی ہے کہ اسی کلام سے میں نے چند آب دار موتی چن کر پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل کر لی۔

☆☆☆

''مدیحِ مجسم'' (فلیپ)

ادب کی دو قسمیں ہیں ۔[۱] معلوماتی ادب (Literature of Knowledge) اور [۲] مؤثر ادب (Literature of Power)۔ قسمِ اول کا ادب بدلتا رہتا ہے۔لیکن دوسری قسم کا ادب متنی (Textually) صورت میں محفوظ رہتا ہے۔تمام تخلیقی ادب ،مؤثر ادب ہوتا ہے،لیکن شعرِ عقیدت ،معلوماتی اور مؤثر ادب کا مرکب ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا متن قرآنی مطالب، تفسیری ، سیرتی اور تاریخی ادب کی روشنی میں، ارتسام پذیر (Impressional) رنگوں میں جلوہ آراء ہوتا ہے......نعتیہ شاعری، اسی لیے نازک شاعری ہے کہ اس میں ''حقائق'' کی آ گہی کے ساتھ تخلیقی رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہاں اگر نری معلومات کی بھر مار ہوتو وہ بے مزہ ہوجاتی ہے اور اگر صرف شعری جمال ہو اور حقائق کے اظہار میں کجی رہ جائے تو اعلیٰ اسلوب کا شعر بھی ،متنی کمزوری کی وجہ سے لائقِ اعتنا نہیں رہتا۔

علامہ ڈاکٹر شہزاد مجددی، متنی استناد اور شعری جمالیات کی بھرپور آ گاہی رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کا شعرِ عقیدت شعری اور شرعی اعتبارات سے لائق تحسین ہوتا ہے۔تقدیسی اصنافِ سخن کے تینوں اہم رنگ (حمد،نعت،منقبت) علامہ کی تخلیقی دانش کے عکس لیے ہوئے ہوتے ہیں ۔موصوف کے کئی نعتیہ مجموعے اور حمد ونعت ومناقب کی کلیات منصۂ شہود پر آ چکی ہے۔پیش نظر مجموعے، ''مدیحِ مجسم'' میں بھی نعتیہ شعری روایت کی بازیافت، عصری حسیت کا عکس، عقیدے کی پختگی کے نقوش اور قدرتِ کلام کے شواہد پائے جاتے ہیں۔علامہ کی فکری تازگی اور ندرت بیانی کے مظاہر بھی پُرکشش تخلیقی جوہر رکھتے ہیں۔ مجھے اس مجموعے میں، درجِ ذیل اشعار، روایت اور تازگیٔ اظہار کی تینوں تقدیسی شعری جہتوں (حمد،نعت،منقبت) کے عکاس نظر آئے:

ریگزاروں کو وہ دیتا ہے صبا کی تھپکی — برگِ بے آب کو شبنم بھی وہی دیتا ہے (حمد)

اُن کے حضور ، جملہ فرائض فروع ہیں — شہزاد فیصلہ ہے یہ اہلِ اصول کا (نعت)

منقبت خواں ہوں ہر صحابیؓ کا — اور مداح تیری عترت کا'' (منقبت)

میں علامہ شہزاد مجددی کو ''مدحِ مجسم'' کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں یہ تخلیقی کاوش بھی مقبولیت کی سند حاصل کر لے۔ (آمین)!

☆☆

پیر: ۱۴؍رجب ۱۴۴۴ھ مطابق: ۶؍فروری ۲۰۲۳ء

ماہرؔ القادری

ماہر القادری کا اصل نام منظور حسین اور تخلص ماہر ہے۔ سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے، اس لیے قادری بھی تخلص کا حصہ بن گیا۔ ۳۰؍جولائی ۱۹۰۶ء مطابق ۸؍جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ کو ضلع بلند شہر کے ایک قصبے کسیر کلاں میں پیدا ہوئے۔

ماہر القادری نے قرآنِ کریم اور اردو کی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ نو سال کی عمر میں ۱۹۱۵ء میں کبیر مڈل اسکول، ڈبائی میں داخل ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ماہر، دوستوں کے مشورے سے ۱۹۴۴ء میں فلمی دنیا سے وابستہ ہوگئے اور گیت نگار کی حیثیت سے شہرت پائی۔ پھر ایک مغنیہ جدن بائی کی بیٹی، فلمی دنیا کی معروف اداکارہ نرگس نے ماہر القادری میں دلچسپی لی تو ماہر القادری نے فلمی دنیا سے راہِ فرار اختیار کی۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں انھوں نے پاکستان ہجرت کی اور ۱۹۴۹ء میں ماہنامہ ''فاران'' کا اجراء کیا۔

ماہر القادری کی زبان و بیان پر گرفت کا یہ عالم تھا کہ جس کتاب پر بھی تبصرہ کرتے اس کے محاسن اور معائب بڑے کھل کر پیش کرتے تھے۔ سید مقدس علی درست لکھتے ہیں کہ:

''فاران'' اور ''ادارۂ تعمیرِ ادب'' ماہر القادری صاحب کی شناخت ہیں۔ فاران نے ماہر صاحب کا ہی ادبی مقام متعین نہیں کیا، بڑے بڑوں کو آئینہ دکھایا اور ان کی قدر و قیمت متعین کی۔ ایک جانب لغات، فرہنگِ الفاظ و معانی اور لہجہ و بیان کے عقدے حل کیے گئے تو دوسری جانب عقیدہ و اقدار کی بھی آبیاری کی گئی'' (کلیاتِ ماہر القادری، ص ۳۴)

سید مقدس علی کے اس بیان کا ثبوت یہ ہے کہ جوش ملیح آبادی تک ماہر القادری سے اس درجہ مرعوب تھے کہ انھوں نے جب اپنی کتاب ''یادوں کی برات'' فاران میں تبصرے کے لیے بھجوائی تو لکھا ''مولانا، بکرا حاضر ہے ذبح کیجیے''۔ اور واقعی مولانا نے اس بکرے پر خوب خوب چھری چلائی۔

ماہر القادری کا نعتیہ کلام ''ذکرِ جمیل'' کے عنوان سے ۱۹۴۴ء میں شایع کیا گیا تھا، جس

میں انھوں نے کچھ تنقیدی اشارے بھی کیے تھے۔ بعد ازاں جب انھوں نے جولائی ۱۹۵۴ء میں حج کیا تو اس کی روداد'' کاروانِ حجاز'' کے نام سے ایک کتاب میں رقم کردی۔ نعتیہ شاعری کے حوالے سے ان کے تنقیدی خیالات کا عکس ان کی اس کتاب میں بھی ظاہر ہوا۔ انھوں نے لکھا:

''نعت ومنقبت کی شاعری کا کتنا حصہّ ایسا ہے جس نے مسلمانوں کو عجمی تصورات اور شاعرانہ تخیلات کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ اس پر تنقید کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ شاعری کی زبان ہے۔ یہ میدان ہی دوسرا ہے، یہاں شریعت کا قانون نہیں چلتا۔ یہ ذوق وشوق اور عشق ومحبت کی باتیں ہیں! حالاں کہ اللہ کا دین انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے۔ شعروادب کو دین کے دائرے سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ شاعر اور افسانہ نگار بھی خدا کے یہاں اتنا ہی جواب دہ ہے جتنا ایک فقیہ اور فلسفی ہے!

معراج شریف کا واقعہ شاعری میں آکر شوخیٔ فکر وخیال کی اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ:۔

''اللہ تعالیٰ سے چوں کہ بارِ جدائی اٹھایا نہ جاسکا۔ اس لیے اپنے محبوب کو اپنے پاس بلالیا''۔

یہ سب شطحیات اور ہفوات ہیں! مگر ہم مسلمانوں کی میلاد اور قوالی کی محفلیں اسی قسم کے شعروں سے گونجتی ہیں۔ اور جب تک اس طرح کے شاعرانہ نکتے بیان نہ کیے جائیں سننے والوں کو لطف نہیں آتا''۔(۱)

نعتیہ شاعری کے لیے ماہرالقادری کے یہ تنقیدی خیالات، ان کے مذہبی رجحان اور دینی حمیت کے آئینہ دار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ حضورﷺ کی محبت میں غلو اس قدر بڑھ جائے کہ مسلمہ عقائد کی فصیل میں ہی دراڑ پڑ جائے۔

ماہرالقادری کی نعتیہ شاعری خاصی حد تک بے داغ ہے۔ ان کی شاعری میں اسلوب کی سادگی، متن کی استنادی شان اور اظہار کی برجستگی نظر آتی ہے۔ ان کی بعض نعتیں اور ان کا لکھا ہوا سلام تو آج بھی زباں زدِ خاص وعام ہے۔ مثلاً

ابھی جبریلؑ بھی اترے نہ تھے کعبے کے منبر سے
کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے
مبارک ہو شہِ ہر دوسراﷺ تشریف لے آئے

مبارک ہو محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لے آئے (۲)

اور سلام کے اشعار ملاحظہ ہوں:

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر جو دنیا کے لیے رحمت ہی رحمت ہے
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخرِ آدمیت ہے(۳)

ماہرالقادری نے اردو شاعری اور نثری ادب میں اسلامی فکر کے عنصر کو ہمیشہ غالب رکھا۔ ان کی شاعری پر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے بجا طور پر اختر شیرانی کی رومانیت، جوش کی انقلابیت، حفیظ کی نغمگی اور اقبال کی مقصدیت کی جھلکیاں دیکھی ہیں۔(۴)

ماہرالقادری کی خوش بختی کہ جب انھوں نے آخری بار عمرہ کی سعادت پائی تو، اسی رات، ۱۲ مئی ۱۹۷۸ء کو جدہ میں ایک مشاعرے میں بیٹھے بیٹھے حرکتِ قلب بند ہونے کے باعث انتقال فرمایا، دوسرے دن بعد نمازِ جمعہ، حرمِ کعبہ میں ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور جنت المعلیٰ میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اب ماہرالقادری کے چند نعتیہ اشعار پیش کر کے رخصت چاہوں گا:

جہاں میں کس پہ مری چشمِ انتخاب نہیں — محمدِ عربی ﷺ کا مگر جواب نہیں (۵)
تو نے بخشا لطف سے بے تاب روحوں کو سکوں — تو نے اطمینان سے بدلا دلوں کا اضطراب (۶)
کفر کی شام صبحِ یقیں بن گئی — آپ ﷺ آئے تو دنیا حسیں بن گئی (۷)
پہلے نورِ محمد ﷺ کو پیدا کیا — آسماں بن گیا، پھر زمیں بن گئی (۸)
وہ آئے اور آئے بھی قرآں لیے ہوئے — تنظیمِ کائنات کا ساماں لیے ہوئے (۹)

ہوئی تیری آمد آمد، تو برائے خیر مقدم کہیں کھل گئے گلستاں، کہیں ہو گیا چراغاں
ہے جہانِ آب و ِگل میں ترے دم قدم سے رونق
تو فروغِ بزمِ ہستی، تُو بہارِ باغِ امکاں (۱۰)
انسان کو شائستہ و خوددار بنایا تہذیب و تمدن ترے شرمندۂ احساں (۱۱)

حوالہ جات:

ا۔ ماہر القادری، کاروانِ حجاز، مکتبہ ماہنامہ فاران، کراچی، بارِسوم ۱۹۶۵ء، صفحہ نمبر ۲۳۹............۲۔ کلیاتِ ماہر القادری، رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۲۳ء، ظہورِ قدسی، ص ۸۷............۳۔ کلیاتِ ماہر القادری، ص ۹۳۔

(۴) کلیاتِ ماہر القادری، ص ۴۷۔............(۵) ایضاً ص ۱۳۳............(۶) ایضاً ۱۳۲............

(۷) ایضاً ۱۶۳............(۸) ایضاً ۱۶۳............(۹) ایضاً ۱۶۶

............(۱۰) ایضاً ۱۶۹............(۱۱) ایضاً ۱۷۰۔

بابا ذہین شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ

ذہین شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام محمد طاسین تھا۔آپؒ بھارت کی ریاست جے پور، راجھستان کے مضافاتی قصبے ''جھنجھنو'' میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔آپ فاروقی النسل، مسلکاً چشتی تھے۔ان کے جدِ امجد خواجہ حمید الدین ناگوری تھے۔ پاکستان بنا تو یہاں ہجرت کی اور تاحیات روحانی و علمی فیض رسانی کا ذریعہ بنے رہے۔حضرت بابا یوسف شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین تھے۔آپ نے اپنی خانقاہ میں منقبتی مشاعروں میں کراچی کے نامی گرامی شعرا کو شرکت کا موقع دیا۔ جامعہ کراچی کے کئی اساتذہ بھی آپؒ کی محافل میں شریک ہو کر تصوف کی علمی گفتگوؤں سے استفادہ کرتے رہے۔

اردو کے تقدیسی ادب میں متصوفانہ تحریروں کا جب بھی ذکر ہوگا، حضرت ذہین شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ کا نام ضرور لیا جائے گا۔ کیوں کہ انھوں نے شیخِ اکبر محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کی مشکل کتب ''فتوحاتِ مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' کے نہ صرف تراجم کیے بل کہ اپنی خانقاہ میں ان موضوعات پر دروس کا بندوبست بھی کیا۔سلیم احمد نے ایک بار بتایا تھا کہ انھوں نے ذہین شاہ تاجیؒ سے ''فصوص الحکم'' سبقاً سبقاً پڑھی تھی۔یہی نہیں بل کہ اس عہد کے بیشتر اہلِ علم جیسے ماہر القادری، پروفیسر اے بی حلیم، پروفیسر کرار حسین، مولانا کوثر نیازی، حسرت کاسگنجوی، جون ایلیا، فیض احمد فیض، احمد فراز، راغب مراد آبادی، الیاس عشقی، پروفیسر سید محمد ابوالخیر کشفی، جوش ملیح آبادی، رئیس امروہوی، سید محمد تقی، علامہ رزی جے پوری، اطہر نفیس، سلیم احمد اور مولانا اصلح الحسینی جیسی شخصیات ان محافل میں شریک ہوتی رہیں۔

حضرت ذہین شاہ تاجی نے حسین بن منصور حلاج کی ''کتاب الطّواسین'' کا ترجمہ بھی اردو میں کیا تھا۔موصوف کو شاعری اور نثر نگاری پر پورا عبور حاصل تھا۔''آیاتِ جمال''، ''لمعاتِ جمال'' اور ''اجمالِ جمال'' آپ کی شاعری کی کتابیں ہیں۔حضرت بابا تاج الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح بھی آپؒ نے ''تاج الاولیاء'' کے زیرِ عنوان لکھی۔

آپ کی خانقاہ سے ماہنامہ تاج بڑی باقاعدگی سے نکلتا رہا، جس میں آپؒ کے کیے ہوئے تراجم، آپؒ کی شاعری اور مختلف موضوعات پر آپ کے مضامین شایع ہوتے رہے۔

ذہین شاہؒ کی متصوفانہ شاعری میں وحدت الوجودی فکر کے متون جگہ پاتے تھے۔نعتیہ متون آپؒ کے شعری اندوختے میں برائے نام ہیں۔آپ کی ایک بہت زیادہ معروف غزل پیشِ خدمت ہے:

جو بہار آئی مرے گلشنِ جاں سے آئی — خاک کے ڈھیر میں یہ بات کہاں سے آئی
وہ نظر ہے جو مشرف ہے رُخِ ساقی سے — وہ خبر ہے جو درِ پیرِ مغاں سے آئی
عشق منزل پہ فقط راہِ یقیں سے پہنچا — عقل ، ناکام رہِ وہم و گماں سے آئی
عشقِ غم اور خوشی ایک سمجھ بیٹھا ہے — تیرے ہنسنے کی جو آواز فغاں سے آئی
رنگ و بو حسن و جوانی میں ہے عالم سرشار — تیرے آنے کی خبر کون و مکاں سے آئی

خاک ہوں پاک ہوں ادنیٰ بھی ہوں اعلیٰ بھی ذہینؔ!
خود پہنچ جائے گی جو چیز جہاں سے آئی

(انٹرنیٹ)

تلاشِ بسیار کے بعد ذہین شاہ تاجی کی ایک نعت بھی ملی ہے:

تعبیرِ شبِ غیب شبستانِ محمدؐ — ''والفجر'' طلوعِ رُخِ تابانِ محمدؐ
ہے کوئی جو دیکھے رُخِ تابانِ محمدؐ — ہر دم نگہِ حق ہے نگہبانِ محمدؐ
یہ مشک فشاں ، پیکرِ جاں خلد بداماں — اللہ رے گلہائے گلستانِ محمدؐ

☆

یہ عالمِ ارواح ، یہ برزخ، یہ شہادت — کچھ بھی نہیں جز حسنِ خرامانِ محمدؐ
ہر آن نئی شان میں اللہ نمایاں — ہر شان ہے اللہ کی شایانِ محمدؐ

☆

گُل ہو کہ ثمن ہو کہ وہ خوشبوئے جناں ہو — منت کش یک جنبشِ دامانِ محمدؐ

☆

اللہ نے کیا کیا ہمیں جلوے نہ دکھائے — ہر جلوہ نمایاں تھا بعنوانِ محمدؐ
یہ وسعتِ کونین مری طرح ذہینؔ آج — حاضر ہے تہِ گوشۂ دامانِ محمدؐ

(ارمغانِ نعت، مرتبہ شفیق بریلوی، ص ۲۸۸......☆ یہ اشعار انٹرنیٹ سے ملے)

بابا ذہین شاہ تاجیؒ کی ایک فارسی رباعی میں حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا متن ملاحظہ ہو:

من حُسنِ تو مطلق و مقید دیدم　　　　درفنا دارِ فنا بہارِ سرمد دیدم
ہر لحظہ صلوٰۃ بر جمالِ پاک　　　　در ہر چہ دیدم تُرا محمد ﷺ دیدم

(ماھنامہ تاج، کراچی، فروری ۱۹۶۰ء، ص ۲۳)

(ترجمہ: میں آپ ﷺ کا حسن، مطلق اور مقید دیکھتا ہوں۔ فنا میں، فنا کا گھر [اور] بہار کی ہمیشگی دیکھتا ہوں۔ یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کے پاک حُسن پر ہر وقت درود بھیجتا ہوں اور جو کچھ بھی دیکھتا ہوں [اس میں] آپ ہی کا جلوہ دیکھتا ہوں)

حضرت ذہین شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ کی ادارت میں ایک طویل مدت تک ماہنامہ ''تاج'' شایع ہوتا رہا۔ میرے کتب خانے میں جنوری تا دسمبر ۱۹۶۰ء کی مکمل فائل ہے۔ اس میں ، مدیرِ اعلیٰ ''باب ذہین شاہ تاجی، ادارۂ تحریر میں ڈاکٹر محمد محمود احمد، پی ایچ ڈی، سید رفیق عزیزی اور عبید اللہ قدسی کے نام ہیں۔ نومبر دسمبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں سید ظہور الحسنین شاہ یوسفی، ایم اے ایل ایل بی [علیگ] کا نام بھی شامل کر دیا گیا۔ جب کہ آپؒ کے مضامین پہلے بھی شاملِ اشاعت ہوتے رہے تھے۔

منوّر بدایونی

منور بدایونی کا اصلی نام ثقلین احمد اور تخلص منور بدایونی تھا۔آپ ۱۹۰۸ء میں بھارت کے مردم خیز خطے بدایوں میں پیدا ہوئے۔عیش مینائی کے شاگرد تھے۔پاکستان ہجرت کی تو اس وقت آپ کی عمر ۴۳ سال تھی۔۱۴؍اپریل ۱۹۸۴ء کو کراچی میں انتقال فرمایا۔

منور بدایونی کی نعتیں،نعتیہ محافل میں بہت زیادہ پڑھی جاتی رہی ہیں۔خاص طور سے آپ کی نعتِ ع یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے جب سے ریڈیو پر ناصر جہاں نے پڑھی، اس نعت کی وجہ سے منور بدایونی کی شہرت کو پر لگ گئے۔

راقم الحروف نے ۱۹۸۱ء میں ایک نعتیہ مجموعہ ''جواہر النعت'' مرتب کیا تو اس میں منور بدایونی کی نعت شامل کرنے کے لیے، اُن سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔انھوں نے اپنے ہاتھ سے ایک نعت لکھ کر عنایت فرمائی تھی:

دیکھنے کو تو کیا کیا نہ دیکھا تجھ کو دیکھا تو تجھ سا نہ دیکھا
در ہی جب مصطفیٰؐ کا نہ دیکھا سب برابر ہے دیکھا نہ دیکھا
ان کو پایا تو کیا کیا نہ پایا اُن کو دیکھا تو کیا کیا نہ دیکھا
اُن کے پردوں کے جلوے تو دیکھے اُن کے جلووں کا پردا نہ دیکھا
پانے والوں کے دامن بھرے ہیں دینے والے کو دیتا نہ دیکھا
بے طلب مل رہی ہیں مرادیں مانگتے اُن کا منگتا نہ دیکھا
نیّتیں سب کی بھر دی گئی ہیں اِس قدر دینے والا نہ دیکھا
جس کے سائے میں دیکھی ہے دنیا اُس کا دنیا میں سایا یہ دیکھا
سامنے ہے وہ جلوہ منوّر دیکھ لے پھر نہ کہنا ، نہ دیکھا

(عزیز[صابری]احسن، جواہر النعت ، بزمِ یوسفی، کراچی ۱۹۸۱ء،ص۹۴)

ایک اور نعت ملاحظہ ہو:

چاند سورج نور کے ہیں، سب ستارے نور کے

عکس ہیں یا مصطفیٰؐ ! سارے تمہارے نور کے
عرش پر جڑوا کے آئینے تمہارے نور کے
چشمِ رحمت آپ کرتی ہے نظارے نور کے
عرش پر جاکر کیے تم نے نظارے نور کے
دونوں عالم ہوگئے قائل تمہارے نور کے
روضۂ اقدس پہ کر اے دل نظارے نور کے
نور کے گھر میں درودیوار سارے نور کے
نور کے شانے سے کیا گیسو سنوارے نور کے
اے سراپا نور، دل صدقے تمہارے نور کے
اک ترے پرتو سے چمکے سب شرارے نور کے
دونوں عالم جگمگا اٹھّے ہیں مارے نور کے
میں سراپا معصیت،تم اک ستارے نور کے
اِس طرف بھی اک نگاہِ نور، پیارے نور کے
دل میں ہیں یا مصطفیٰؐ جلوے تمہارے نور کے
بزمِ نوری میں منوّر ہیں ستارے نور کے
(نعت کائنات،مرتبہ: راجا رشید محمود،ص ۲۹۵)

اس نعت میں ہر شعر ایک مطلع ہے۔زبان سادہ اور عام فہم ہے۔سہلِ ممتنع اسی کو کہتے ہیں۔

ماجدؔ خلیل

ماجد خلیل کے شعری مجموعے ''روشنی ہی روشنی'' پر ''ایک معتبر شاعر'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہوئے کلیم عاجز نے بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ کہتے ہیں:

''بقول انگریزی نقاد، 'کولرج' کہ 'شاعری یہ نہیں کہ کیا کہا گیا ہے، شاعری یہ ہے کہ کیسے کہا گیا ہے'۔ میں نے اس قول کو بہت فراخ دلی سے جانچا پرکھا اور تجربے نے یہی کہا کہ بات سچ ہے۔ اگر صرف اونچی بات ہی شاعری کہلاتی تو اونچی باتیں تو تھوڑی ہی ہیں۔ زندگی کی حقیقتیں اور سچائیاں تو شمار میں آسکتی ہیں لیکن اچھی شاعری کا شمار مشکل ہے...... ماجد صاحب کے یہاں بھی کہنے کا انفرادی ڈھنگ و آہنگ ہے۔ جس نے ان کی شاعری کو پسندیدہ، دلکش اور دل پسند بنا دیا ہے''۔

کلیم عاجز کی اس رائے کی روشنی میں ماجد خلیل کی یہ نعت ملاحظہ ہو:

ایک وہ شب تھی کہ ہونا پڑا دہلیز بدر	ایک یہ دن ہے کہ دنیا تری دہلیز پہ ہے
لفظ 'ہے' کا ہے سزوار یقیناً جب تک	کرۂ ارض کا ماتھا تری دہلیز پہ ہے
جب بھی تڑپا ہے حضوری کی طلب میں ماجدؔ!	دیکھنے والوں نے دیکھا تری دہلیز پہ ہے

☆

سبز گنبد سنہری جالی کو	اور ترسیں کے چشم و لب کب تک
عقل ، دل ، روح جسم و فکر و نظر	دیکھو ہوتے ہیں ان کے سب کب تک

اِن اشعار میں بیان کی ندرت نے نعتیہ شاعری کے مروجہ مضامین کو نیا بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلیم عاجزؔ کی تنقیدی رائے سے نہ صرف اتفاق کرنے کو جی چاہتا ہے بل کہ ان کی نکتہ رسی کی داد بھی دینی پڑتی ہے''۔

نعت رنگ کا شمارہ ۲۴ دیکھ کر ماجد بھائی نے صبیح رحمانی کو خط لکھا تھا جس کی چند سطور درج کر رہا ہوں:

''محترم صبیح رحمانی صاحب السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ!

''اُمید کہ مزاج گرامی مع الخیر ہوگا۔ خاکسار کے حضرتِ دل ان دنوں دھڑ کنے کے علاوہ دوسری اٹھکھیلیاں بھی کر رہے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ موصوف راہِ راست پر آ جائیں۔نعت رنگ کا شمارہ ۲۴ بدست قمر وارثی موصول ہوا۔ ہمیشہ کی طرح جملہ صفات سے مزین اور معلومات میں اضافوں کا ذریعہ۔سبحان اللہ سبحان اللہ۔تمام مشمولاتِ نثر و نظم بہترین بالخصوص ''ابتدائیہ''۔

جنوری ۲۰۱۵ء میں ڈاکٹر ستیہ پال آنند، کینیڈا سے کراچی آئے تو ان کی نعت گوئی کے ذوق کے پیشِ نظر میں نے انھیں یکم فروری کو اپنے غریب خانے پر نعتیہ مشاعرے میں مہمانِ اعزازی کے طور پر بلایا۔ ماجد بھائی کو صدارت کے لیے کہا۔ان دنوں ان کی طبیعت ناساز تھی پھر بھی انھوں نے میری دعوت فوراً قبول فرمالی۔ چناں چہ وہ یادگار مشاعرہ بھی انھی کی صدارت میں ہوا۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ماجد بھائی نے میرے غریب خانے پر ہفتہ، ۲۵ شعبان ۱۴۳۶ھ مطابق: ۱۳/جون ۲۰۱۵ء کو آخری نعتیہ نشست کی صدارت کی تھی۔

ایک مرتبہ، احمد جاوید صاحب لاہور سے کراچی تشریف لائے تو ایک محفل میں ان سے ملاقات ہوئی۔انیق احمد صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ماجد بھائی کا ذکر نکلا۔ان دنوں وہ بہت زیادہ علیل تھے۔

انیق صاحب نے ان کے حوالے سے بتایا......''ایک زمانہ تھا کہ ماجد بھائی سعودی ایئر لائن میں ایڈمنسٹریٹر تھے اور پاکستان سے جانے والے احباب کی بڑی خاطر مدارات فرماتے تھے۔ ان دنوں ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب بھی نعت کہتے فوراً مدینہ منورہ حاضر ہوکر دربارِ رسول ﷺ میں نعت پیش کرتے تھے۔ پھر وہ رٹائر ہوکر کراچی آ گئے۔ یہاں سے بھی اکثر ان کا آنا جانا رہا۔ جب ان کے دل کا آپریشن ہوا تو خون کی ضرورت پڑی۔ ماجد بھائی نے کہا ہم بازاری خون نہیں لیں گے۔کیا معلوم جس آدمی کا خون ہمیں دیا جائے اس نے حلال کا لقمہ کھایا ہو یا حرام کا؟''......یہ بات بتاتے ہوئے انیق احمد صاحب پر رقت طاری ہوگئی......واقعی آج کل اس قدر احتیاط برتنے کا خیال بھی کسی کو نہیں ہوسکتا ہے۔اس سے ماجد بھائی کی نیک نفسی، حرام حلال کی تمیز اور آخرت کی جوابدہی کا احساس مترشح ہے۔اب ایسی مثالیں کہاں ملیں گی؟

ماجد بھائی سے آخری ملاقات ان کے صاحبزادے کی دعوتِ ولیمہ میں، اتوار: ۸/ربیع

الاول ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۰/دسمبر ۲۰۱۵ء کو ہوئی۔ ماجد بھائی پہیوں والی کرسی پر بیٹھے تھے۔ میں نے ان کا چہرہ دیکھا تو بڑا دکھ ہوا۔ اُن کا گلاب سا چہرہ کُملا چکا تھا۔ حلقوم میں ایک نلکی لگی ہوئی تھی جس کی مدد سے وہ بہت دھیمی آواز میں باتیں کررہے تھے۔ مجھے محسن بھوپالی مرحوم یاد آ گئے۔ ان کے گلے میں بھی اسی طرح کی نلکی لگ گئی تھی جو آخری دم تک ان کے گلے میں اٹکی رہی۔ سردی بھی تھی، لیکن ماجد بھائی احباب کی خاطر خاصی دیر تک وہاں موجود رہے۔

ماجد بھائی کی خوبی تھی کہ سب سے یکساں محبت فرماتے تھے۔

سرور بارہ بنکوی نے کہا تھا

آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں   جن سے مل کر زندگی سے پیار ہو جائے وہ لوگ

لیکن اب یہ کیفیت ہے کہ مجھے اپنا ہی ایک شعر یاد آرہا ہے:

نگاہ ڈھونڈتی پھرتی ہے باکمالوں کو   یہ کیا ہوا کہ فقط تذکروں میں ملتے ہیں

ظاہر ہے ماجد بھائی بھی اب تذکروں ہی میں ملیں گے ناں؟

بدھ: ۱۶/ربیع الاول ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۷/جنوری ۲۰۱۶ء کو ان کی وفات نے ان سے محبت کرنے والوں کو سوگوار کردیا۔

☆☆☆

اعجاؔز رحمانی

اعجاز رحمانی ۱۶ رفروری ۱۹۳۶ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔

اعجاز رحمانی ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ان کے متعدد شعری مجموعے منصہء شہود پر آ چکے ہیں جن میں شعر عقیدت کے نمونے زیادہ ہیں۔''اعجاز مصطفیٰ ﷺ''، ''پہلی کرن آخری روشنی''، ''افکار کی خوشبو'' اور ''چراغ مدحت'' شاعری کے ایسے مجموعے ہیں جن میں سیرت رسول اکرم ﷺ کی خوشبو رچی بسی ہے۔اعجاز رحمانی کی شاعری سادہ زبان اور پیغام کے براہ راست ابلاغ کے حوالے سے انفرادیت کی حامل ہے:

رہنما ہے آپ ﷺ کا کردار بھی اور ذات بھی راستے کا راستہ ہے، روشنی کی روشنی!
جتنا ہوتا جائے گا انساں تمدن آشنا پھیلتی جائے گی تعلیم نبی ﷺ کی روشنی
یہ دنیا اسوۂ خیر البشر ﷺ سے تمدن آشنا ہوتی رہے گی
اسوۂ مصطفیٰ ﷺ بتائے گا کون ہے دوست کون دشمن ہے
وہ اجالوں کے ہیں سفیر کہ جو اتباعِ رسول ﷺ کرتے ہیں

''آسمان رحمت'' اعجاز رحمانی کا پانچواں مجموعہء نعت ہے۔نعتیہ شاعری میں انہوں نے عظمت مصطفیٰ ﷺ کے اظہار کے لیے جمالِ صوری کو بھی وسیلہ بنایا ہے لیکن بیشتر اسوۂ سرکا ﷺ پر نظر مرکوز رکھی ہے۔کیوں کہ یہی انسانیت کی رہنمائی کے لیے ضروری بھی ہے اور آج کی ضرورت بھی۔

بے مثال صورت ہے لاجواب سیرت ہے

اعجاؔز رحمانی نے قرآن کریم کے مطالعے اور احادیث وسیر و آثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو، شعری متون (Texts) کی بنت کے ہنگام پیش نظر رکھا ہے۔تب ہی انہیں ایسے ایسے اشعار کہنے کی توفیق میسر آئی ہے جن کی معنوی وسعت بے پناہ ہے مثلاً

اللہ نے دیئے ہیں اسباب زندگی کے سرکارؐ نے سکھائے آداب زندگی کے

اس شعر میں آیہء قرآنی ''لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ''

(یقیناً ہے تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ۔آیت ۲۱،سورہ احزاب۔۳۳) کے مفہوم کو صاف محسوس کیا جا سکتا ہے۔یا یہ شعر:

مانو نبیؐ کی بات کسی عذر کے بغیر محکم یقیں وہی ہے کہ جو بے گمان ہے

یہ شعر سورہ حشر کی آیت ۷ کی تفسیر معلوم ہوتا ہے ''وما آتٰکم الرسول فخذوہ و ما نھٰکم عنہ فانتھوا'' (اور جو کچھ دے تمہیں رسولؐ سوا سے لے لو اور جس سے روک دے تم کو رسولؐ، پس رک جاؤ (اس سے))''

اعجاز رحمانی کے شعر عقیدت کی پہچان ان کے بیان کی سادگی ہے۔وہ علامتی اور استعاراتی زبان کے منت کش ہوئے بغیر سیدھی سچی بات کہہ دیتے ہیں اور اس انداز سے کہ دل میں ترازو ہو جائے،مثلاً:

ہے دیار رحمۃ للعالمینؐ میں کیا کشش آدمی اک بار جائے،عمر بھر جاتا ہے دل
جذبۂ حب نبیؐ کی پرورش کرتے رہو آدمی زندہ نہیں رہتا جو مر جاتا ہے دل
سوئے خیرالبشر آدمی کا سفر زندگی کی طرف زندگی کا سفر

اعجاز رحمانی کی شاعری میں وہی جذبہ کارفرما ہے جو اقبال کے اس مصرع سے جھلک رہا ہے۔ع بھٹکے ہوئے راہی کو پھر سوئے حرم لے چل

اعجاز رحمانی کی تاریخِ وفات ۲۶/اکتوبر ۲۰۱۹ء ہے۔

☆☆

اقبال عظیم

اقبال عظیم نے اپنی تاریخِ پیدائش ۸؍جولائی ۱۹۱۳ء بتائی تھی۔ میرٹھ ان کی جائے پیدائش تھی اور قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپوران کا آبائی وطن تھا۔لکھنؤ یونی ورسٹی سے انھوں نے ۱۹۳۴ء میں بی اے، اورآگرہ یونی ورسٹی سے ۱۹۴۳ء میں ایم اے اردو کیا۔بحیثیت معلم، سرکاری ملازمت کی مدت ۱۹۳۹ء تا ۱۹۵۰ء رہی۔ سابق مشرقی پاکستان میں اُن کا زیادہ وقت گزرا، پھر فروری ۱۹۷۰ء میں لاہور اور جولائی ۱۹۷۰ء کو کراچی آ گئے۔

اقبال عظیم غزل کے کلاسیکی مزاج کے شاعر تھے۔ ان کی غزل میں غمِ دوراں کی احساساتی لہریں بڑی واضح ہیں اور دریائے فکر میں تغیانی کے آثار بھی نمایاں ہیں:

نقاب پوشوں کو پہچان لو، سرِ محفل — ہم آج ساری نقابیں اٹھائے دیتے ہیں
یہ لوگ لُوٹ بھی سکتے ہیں راستے میں تمھیں — قدم قدم پہ جو آنکھیں بچھائے دیتے ہیں
یہ کون لوگ ہیں جو شوقِ سرفروشی میں — لہو لہو ہیں، مگر مسکرائے دیتے ہیں
یہ کیسے لوگ ہیں، عقلوں کو کیا ہوا ان کی؟ — جو روشنی کے لیے گھر جلائے دیتے ہیں
سحر کے دھوکے میں کچھ سادہ لوح تیرہ نصیب — چراغ گھر کے ابھی سے بجھائے دیتے ہیں
یہ کس کے ہاتھ ہیں، تم توڑ کیوں نہیں دیتے — جو شہر بھر کی فصیلیں گرائے دیتے ہیں
ہمارے سامنے کل تک جو طفلِ مکتب تھے — خدا کی شان وہ اب ہم کو رائے دیتے ہیں

(ماحَصَل، اقبال عظیم، ص۳۲۹)

منصب تو ہمیں بھی مل سکتے تھے، لیکن شرط حضوری تھی
یہ شرط ہمیں منظور نہ تھی، بس اتنی سی مجبوری تھی
کہتے ہیں کہیں اک نگری تھی، سلطان جہاں کا جابر تھا
اور جبر کا اذنِ عام بھی تھا، یہ رسم وہاں جمہوری تھی
ہم ٹھوکر کھا کر جب بھی گرے، رہ گیروں کو آواز نہ دی
وہ آنکھوں کی معذوری تھی، یہ غیرت کی مجبوری تھی

(ایضاً ص۳۶۲)

اپنے ماضی سے جو ورثے میں ملے ہیں ہم کو ان اُصولوں کی تجارت نہیں ہوگی ہم سے
عہدِ حاضر کی ہر اک بات ہمیں دل سے قبول صرف توہینِ روایت نہیں ہوگی ہم سے

(ایضاً ص ۳۶۹)

غزل کی اس روایت سے برسوں منسلک رہنے اور ریاضِ فن میں روز وشب محور رہنے کے بعد جب وہ نعتیہ شاعری کی طرف آئے تو بلا مبالغہ دنیائے نعت پر حکمرانی کرنے لگے۔ ان کی لکھی ہوئی نعتیں معروف نعت خوانوں نے محفل محفل پہنچائیں تو زباں زدِ خاص وعام ہوگئیں:

کعبے سے اٹھیں جھوم کے رحمت کی گھٹائیں مقبول ہوئیں تشنہ نصیبوں کی دعائیں
والنجم کے پرتو سے چراغاں ہے فلک پر والشّمس کے جلوؤں سے منور ہیں فضائیں
لولاک کے نغموں سے فضا گونج رہی ہے واللّیل کی خوشبو سے معطر ہیں ہوائیں
اک مہرِ جہاں تاب ابھرتا ہے حرم سے اب جھوٹے خدا اپنے چراغوں کو بجھائیں
ہم حلقہ بگوشانِ درِ مصطفوی ﷺ ہیں ہم اور کسی در پہ جبیں کیسے جھکائیں
بس خاکِ کفِ پائے محمد ﷺ کی طلب ہے اقبال کا مقصود دوائیں نہ دعائیں

(ارمغانِ نعت، شفیق بریلوی، ص ۲۶۰)

نعتیہ شاعری میں اقبال عظیم، اظہاری احتیاط کے قائل تھے، اسی لیے فرماتے ہیں:

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثنا سے پہلے
نور کا نام نہ تھا عالمِ امکاں میں کہیں جلوۂ صاحبِ لولاکَ لما سے پہلے
میری آنکھیں مرا رستہ جو نہ روکیں اقبالؔ! میں مدینے میں ملوں، راہ نما سے پہلے

(شہزاد احمد، ڈاکٹر، اردو نعت پاکستان میں، حمد و نعت ریسرچ فاؤنڈیشن، کراچی، ۲۰۱۴ء، ص ۲۰۶)

اقبال عظیم کی وفات کراچی میں سن ۲۰۰۰ء میں ہوئی۔

☆☆

ادیب رائے پوری

ادیب رائے پوری نے تا حیات نعتیہ ادب کی خدمت کی۔ نعت خوانی، نعت نگاری، نعتیہ ادب میں تنقیدی و تحقیقی رجحانات کی آبیاری، کونسا گوشہ ہے جو ان کی توجہ کا مرکز نہیں بنا۔ ان کی نعتوں کا پہلا مجموعہ ''اُس قدم کے نشاں'' ۱۹۷۷ء میں شایع ہوا تو نعتیہ ادب کے حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ نعت خوانوں نے ان کی نعتوں سے محفلوں کو گرمایا۔ قوالوں نے ان کے کلام کو خوب گایا۔ خود انھوں نے بھی نعتیہ محافل کو نعت خوانی سے رونق بخشی۔

''تصویرِ کمالِ محبت'' بھی ان کا نعتیہ مجموعہ تھا جو ۱۹۷۹ء زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ راجا رشید محمود نے اپنے انتخاب ''نعت کائنات'' میں ان کی ایک مثنوی دی ہے۔ چند ابیات ملاحظہ ہوں

جہل و باطل کے اندھیروں میں حقیقت کی ضیا　　　دستِ حق، رحمتِ کُل، خیرِ بشر، نورِ خدا
وہ فرشتوں میں مکرّم، وہ رسولوں میں اتم　　　سید و سرورو مولیٰ و مددگارِ اُمم
جس نے دنیائے تمدن کے سجائے در و بام　　　جس پہ تہذیب نے بھیجا ہے درود اور سلام
ہمہ اوصافِ خدا، صورتِ زیبا جس کی　　　سُرمہء نورِ بصر، خاکِ کفِ پا جس کی

☆

نقطہء نور، خطِ نور، سرِ خامہء نور
جس نے بخشا ہے اندھیروں کو اُجالے کا شعور
جس کے احساس کی خوشبو سے مہک جائیں دماغ
جس کو آواز دو ظلمت میں تو جَل جائیں چراغ

ایک امی نے دیا اہلِ جہاں کو کیا کیا　　　ظلم کو موت کا پیغام، محبت کو بقا

(نعت کائنات، ص ۶۵۱)

☆☆☆

علامہ مولانا سید محمد ریاض الدین سہروردی

علامہ مولانا سید محمد ریاض الدین سہروردی ایک خانقاہی بزرگ تھے۔ نعتیہ محافل کے انعقاد میں بڑی سرگرمی دکھاتے تھے۔ آپ کی صحبت میں بار پانے والے بہت سارے مبتدی، منجھے ہوئے نعت خواں بن گئے۔

علامہ کی نعتیہ شاعری میں تنوع ہے۔ آپ عربی، فارسی، اردو، پنجابی اور انگریزی میں اشعار کہہ لیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر شہزاد احمد نے ریاض سہروردی کی ساڑھے گیارہ سو صفحات پر مشتمل، کلیات مرتب کی ہے۔ علامہ کا بیشتر کلام غزل کی فارم میں ہے۔ اُن کی بیشتر شاعری سہلِ ممتنع میں ہے، مثلاً:

اُن کے ذکرِ جمیل کی صورت — ہے رضائے جلیل کی صورت
صاف ہے جس کے دل کا آئینہ — کیوں کرے مکر و حیل کی صورت
ہے مرا قصۂ فراق ریاضؔ! — داستانِ طویل کی صورت

(کلیاتِ ریاض سہروردی، ص ۳۸۸)

☆

دل مقامِ رسول ہو جائے — ایک غنچہ ہے پھول ہوجائے
چھیڑ دو ذکرِ سیدِ عالم — رحمتوں کا نزول ہوجائے
چشمِ رحمت اِدھر رسولِ کریم — شاد قلبِ ملول ہوجائے (ایضاً ص ۵۱۲)

☆

عشقِ نبی اگر نہیں، زندگی ، زندگی نہیں — رُوح میں تازگی نہیں قلب میں روشنی نہیں
تذکرہ اُن کے نور کا جس نے کبھی نہیں کیا — اُس کے دل و نگاہ کو کوئی جِلا ملی نہیں
نورو بشر کا امتیاز اُس کی نظر نہ کرسکی — جس کی نظر کے نور میں نورِ دلِ ولی نہیں
اُن کا خیال ہی تو ہے، جوہرِ بندگی ریاضؔ! — اُن کے خیال کے بغیر بندگی ، بندگی نہیں

(ایضاً ص ۵۷۸)

علامہ ریاض کے شعرِ عقیدت پر ان کے قلبی احوال اور کیفیتِ حضوری کا عکس پڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

نوٹ: یہ مقالہ، آرٹس کونسل پاکستان، کراچی، عالمی اردو کانفرنس میں بروز جمعہ، ۳ ر جمادی الآخر ۱۴۴۶ھ، مطابق: ۶ ر دسمبر ۲۰۲۴ء کو پڑھا گیا۔

☆☆

حنیفؔ اسعدی......ادب شناس نعت نگار!

ستّر کے عشرے میں اقبال صفی پوری نے ناظم آباد، کراچی، میں کل پاکستان نعتیہ مشاعروں کا انعقاد کیا تھا جو ہر سال منعقد ہوتے تھے۔ان مشاعروں میں ملک بھر کے شعرا آتے تھے۔ یہ سلسلہ چند سال بڑے شاندار طریقے سے جاری رہا۔میں ان مشاعروں کے سامعین میں شامل ہوتا رہا۔ ایک شب جب مشاعرہ اپنے عروج پر تھا اور رات بھیگ چلی تھی، تو ایک شاعر جن کی داڑھی سنت کے مطابق اور زلفیں بڑی بڑی تھیں، مائک پر تشریف لائے اور تحت اللفظ کلام پڑھنا شروع کر دیا:

شرحِ ام الکتاب......راستی کے نصاب......کذب کے سدِّ باب......دفترِ اکتساب ......سارے نبیوں کے خواب......آپ اپنا جواب......رحمتِ بے حساب......اے درِ مستجاب...... اے رسالت مآب......تم پہ لکھوں سلام

شاعر کے لہجے کی گونج، پڑھنے کا پُر وقار انداز، اور الفاظ کی نغمگی و سلاست۔محفل میں سما بندھ گیا۔ ہر مصرعے پر سبحان اللہ کی فلک شگاف صدائیں بلند ہوتی رہیں۔رات کے پچھلے پہر نے ان صداؤں کو سرمدی نواؤں سے ہم آہنگ کر دیا۔اختتامِ کلام پر ایک صاحب نے، اپنی نشست سے اٹھ کر، اظہارِ پسندیدگی کے طور پر انھیں نذرانہ بھی پیش کر دیا۔اُس مشاعرے میں سب سے زیادہ داد پانے والے وہ شاعر حنیف اسعدی تھے۔

راقم الحروف نے، وہاں انھیں، پہلی بار دیکھا تھا۔ بعدازاں ایک منقبتی مشاعرہ بھی اُن کی صدارت میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ پھر ۱۹۸۱ء میں جب میں نے نعتیہ انتخاب ''جواہر النعت'' مرتب کیا تو اُن کا کلام حاصل کرنے کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا ! انھوں نے اپنا کلام مرحمت فرماتے ہوئے نصیحت کی کہ ختمِ نبوت کے منکرین کی کوئی نعت مجموعے میں شامل نہیں ہونی چاہیے۔اُن کی اس نصیحت سے ان کے راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کا پکا ثبوت ملا۔ اپریل ۱۹۹۵ء میں صبیح رحمانی نے ''نعت رنگ'' کا پہلا شمارہ شایع کیا تو اس میں حنیف اسعدی نے چند کتابوں پر تبصرہ کیا تھا۔ ان تبصروں میں جہاں انھوں نے کلام کے محاسن کا کھلے دل سے

اعتراف کیا، وہیں معنوی سطح پر محسوس کی جانے والی بے احتیاطیوں کی طرف بھی اشارے کر دیئے۔ مثلاً

اختر لکھنوی کی کتاب ''سرکار ﷺ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''اختر لکھنوی کا شمار غزل کے اچھے شاعروں میں ہوتا ہے۔ غزل کی مشق کے بعد جب وہ نعت کی طرف آئے تو ان کی عقیدت خلوص اور لگن نے ان کے نعتیہ کلام کو زیادہ وقیع، معتبر اور پُر تاثیر بنا دیا............آگے لکھتے ہیں ''اختر لکھنوی بڑی احتیاط اور ادب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ احتیاط کے باوجود چند مصرعے ایسے نظر سے گزرے جن پر نظرِ ثانی کر لی جاتی تو ایک اچھے گلدستے میں چند ناپسندیدہ پھولوں کی موجودگی سے جو کوتاہی محسوس ہوتی ہے، اس کا آسانی سے ازالہ ہو سکتا ہے'' (نعت رنگ، ۱، ص ۲۶۹)

اس تبصرے سے حنیف اسعدی کا منہجِ تنقید، تقدیسی شاعری کے تقاضوں کی جانکاری اور شعری و شرعی اقدار و معیار کی بصیرت کا ادراک ہوتا ہے۔ اظہار کی بے باکی بھی جھلکتی ہے۔ نعت رنگ میں ان کا کلام بھی شایع ہوتا رہا۔ راقم الحروف کی، گاہے بہ گاہے ان سے ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔ نعتیہ شاعری کے لیے جس ادبی اسلوب اور فنی سبھاؤ کی ضرورت ہے وہ تو ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ وہ صرف گفتار کے غازی نہ تھے، بل کہ نعت میں حُبِّ رسول ﷺ کا اظہار کرتے تھے تو اس کا گہرا پرتو، ان کے شب و روز کے اعمال پر محسوس بھی ہوتا تھا۔

حنیف اسعدی کا اصل نام حنیف احمد تھا، انھوں نے اپنے والدِ گرامی (محمد صدیق حسن اسعد شاہ جہاں پوری) سے فیضِ سخن پایا تو نام کے ساتھ ''اسعدی'' کا لاحقہ لگا لیا۔ بھارت کے شہر شاہجہاں پور میں ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے بی اے۔ تک تعلیم حاصل کی۔ پاکستان نیوی میں ملازمت کی اور وہاں سے فراغت کے بعد ہومیو پیتھک کا کلینک چلایا۔ پہلا نعتیہ مجموعہ ''ذکرِ خیر الانام'' اور دوسرا ''آپ ﷺ'' کے نام سے شایع ہوا۔ نعتیہ شاعری میں ''تو''، ''تم''، ''تیری''، ''تیرے'' جیسے الفاظ سے قصداً گریز کرتے تھے، انھوں نے اس حوالے سے ایک تحریک بھی چلائی۔ لیکن بعض اہلِ علم نے شاعری میں ان الفاظ کو قرینے سے برتنے کو معیوب نہیں جانا۔ اس موضوع پر نعت رنگ میں کچھ مضامین بھی شایع ہوئے۔

شاعری میں فنی پختگی، شرعی بصیرت، اظہار کی سلاست اور خیال کی پاکیزگی، کے

باعث، حنیف اسعدی، نعت گو شعرا میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ ویسے تو انھوں نے ہر ہیئتی صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی، لیکن نعتیہ متن (Text) کچھ اس انداز سے شعری قالب میں ڈھالا کہ یہی صنفِ مقدس ان کی پہچان بن گئی۔

چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اُمّی لقب پہ ختم ہوئی آگہی تمام ــــ سب کو بقدرِ ظرف ملا ہے شعورِ ذات

(ذکرِ خیرالانام)

ختم الرُّسل امام، نبیؐ مقتدی تمام ــــ اِس منزلت پہ مسجدِ اقصیٰ بھی ہے گواہ

ختم نبوت کے مثبتی رنگ حنیف اسعدی کے نگارخانۂ فن میں زیادہ نظر آتے ہیں:

کوئی ہادی اب نہ آئے گا نہ اُترے گی کتاب
حشر تک کے واسطے فرمانِ پائندہ ہیں آپؐ

اُن پر ہوا ہے سلسلۂ رہبری تمام ــــ وہ آخری سفیر ہیں دینِ حنیف کے

کوئی ان کے بعد نبیؐ ہوا، نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
کہ خدا نے خود بھی تو کہہ دیا، نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
وہ قدم اُٹھے تو بیک قدم ہمہ کائنات تھی زیرِ پا
یہ بلندیاں کوئی چھو سکا، نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

بعض اشعار تو ایسے ہیں کہ بیان کی سلاست اور معنوی حسن کے باعث زباں زدِ خاص وعام ہو گئے ہیں۔ مثلاً

حضور آپؐ نہ ہوتے تو ہم کہیں کے نہ تھے ــــ گماں تھے ایسے کہ آثار تک یقیں کے نہ تھے

(ذکرِ خیرالانام)

کیا ہے آپؐ نے ایسے بتوں کو بھی پامال ــــ جو نیتّوں میں چھپے تھے، جو آستیں کے نہ تھے
یارب یہ تمنا ہے کہ نازل ہو وہ ہم پر ــــ جو نعت ابھی قرض ہے قرطاس وقلم پر
نگاہِ حق میں مقامِ محمدی کیا ہے ــــ یہ روشنی ہی سے پوچھو کہ روشنی کیا ہے؟
عین مدحت ہے محمدؐ کہنا ــــ نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے

حنیف اسعدی، اپنی شعری صداقت، لہجے کی انفرادیت اور جذبے کی پاکیزگی کے

باعث آج بھی اپنی لازوال شاعری کی وساطت سے سوشل میڈیا پر چھائے ہوئے ہیں۔اپنی ایک نظم میں وہ اہلِ وطن کو، حصولِ وطن کے لیے کیے جانے والا''عہد'' یاد دلاتے ہیں۔ان کی اس نظم کا پس منظر تاریخی ہے،لیکن اس میں،پیش منظر کی طرف بھی واضح اشارے موجود ہیں۔نظم کا متن عمومی (General) ہے لیکن اس پر اسلامی فکر کی گہری چھاپ ہے:

وفا کے خوگر وفا کریں گے یہ طے ہوا تھا
وطن کی خاطر جیے ،مریں گے ،یہ طے ہوا تھا
بوقتِ ہجرت ،قدم اٹھیں گے جو سوئے منزل
تو بیچ رستے میں دم نہ لیں گے ،یہ طے ہوا تھا

چہار جانب بہار آئی ہوئی تھی لیکن
بہار کو اعتبار دیں گے، یہ طے ہوا تھا
تمام دیرینہ نسبتوں سے گریز کرکے
نئے وطن کو وطن کہیں گے، یہ طے ہوا تھا
خدا کے بندے، خدا کی بستی بسانے والے
خدا کے احکام پر چلیں گے، یہ طے ہوا تھا
بغیرِ تخصیصِ پست و بالا ، ہر اک مکاں میں
دیئے مساوات کے جلیں گے، یہ طے ہوا تھا
کسی بھی الجھن میں رہبروں کی رضا سے پہلے
عوام سے اِذنِ عام لیں گے، یہ طے ہوا تھا

تمام تر حل طلب مسائل کا حل کریں گے
جو طے نہیں ہے، وہ طے کریں گے، یہ طے ہوا تھا

نعتیہ شاعری ،حُبِّ رسول ﷺ عام کرنے کا ذریعہ بھی ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے احیاء کا وسیلہ بھی۔ملت کی بیداری کے لیے اٹھنے والی ہر صدا، دراصل ''اذان'' کا درجہ رکھتی ہے۔حنیف اسعدی نے اس نظم میں ابنائے وطن کو''خدا کے احکام'' پر چلنے اور ''مُساوات'' قائم کرنے کا وعدہ یاد دلایا جو اسلامی تعلیم کا طرّہ ٔامتیاز ہے۔ان اشعار میں تذکیر کا پہلو،قرآنِ کریم کی اس آیت کی ترجمانی کا عکاس ہے:

وَّ ذَکِّرۡ فَاِنَّ الذِّکۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ......(الذّٰریٰت ۵۱، آیت ۵۵) (اور سمجھاؤ، کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے......(ترجمہ: کنزالایمان)

اس نظم میں بالواسطہ نصیحت ہے، لیکن مکمل ادبی خوبی، شعری جمال اور لہجے کی انفرادیت کے ساتھ۔یہ براہِ راست نعت نہیں ہے لیکن اس میں مذہبی حسیت کی روح جاری و ساری ہے۔

حنیف اسعدی ،ایک قادرالکلام شاعر تھے۔مختلف ہیئتی اصنافِ سخن میں ان کی مشق استادانہ تھی۔تاہم انھوں نے غزل کی ہیئت میں جونعتیہ اشعار کہے وہ رسول ﷺ مرکزیت کا پرتو لیے ہوئے ہیں۔انسانیت کوشعورِ تمدن نصیب ہونا،شریعت وطریقت کے رموز سے آشنائی،حضور ﷺ کا رحمتِ بے پایاں ہونا، آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر انسان کے لیے عملی رہبری کے لیے نمونہ ہونا۔سب کچھ ان کے اشعار کے متون (Texts) میں آ گیا ہے:

کسے شعورِ تمد ن تھا آپؐ سے پہلے
نہ زندگی کی خبر تھی کہ زندگی کیا ہے

خدا گواہ، خدا کی کتاب کی صورت
حیاتِ پاک نمونہ ہے زندگی کے لیے

شریعت ، ضابطہ اُن کے عمل کا
طریقت ، رابطہ سینہ بہ سینہ

پتا خدا کا خدا کے نبیؐ سے ملتا ہے
یہ راستہ بھی انھی کی گلی سے ملتا ہے

گُنجِ حیات ، قعرِ جہنم سے کم نہ تھا
آپ آئے، زندگی پہ کھلا در بہشت کا

منشورِ زندگی ہو کہ دستورِ بندگی
عنواں ہیں آپؐ ہی تو ہراک سرنوشت کا

روح بن کر وسعتِ کونین میں زندہ ہیں آپؐ
صرف ماضی ہی نہیں ہیں، حال و آئندہ ہیں آپؐ

آپؐ کی ذات ہے وہ دائرۂ وصف و کمال
جو تصور میں سمائے ، نہ گماں میں آئے

بنا لیا ہے اُسے زندگی نے اپنا شعار
جہاں کہیں بھی وہ نقشِ قدم نظر آیا

ہم کو یہ سوچنا ہے کہ نزدیک ہیں کہ دور
اُنؐ کے لیے تو ایک سے ہیں اُمّتی تمام

اُس وقت درسِ امرو نہی آپؐ نے دیا
دنیا کو جب شعور نہ تھا ،خوب و زِشت کا

ان اشعار میں رسالت کی اہمیت، آپ ﷺ کی رفعتِ شان، آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کی دعوت کے مضامین بڑے فنی سلیقے سے شعری بنت میں آئے ہیں۔ حنیف اسعدی نے نہ صرف طبع زاد شاعری کی ،بل کہ دوسرے شعرا کی شعری تصاویر میں بھی تضامین کی شکل میں رنگ بھرے۔انھوں نے بڑی فراغ دلی سے اپنے معاصرین شعرا مثلاً شبنم رومانی، شاعر لکھنوی، راغب مرادآبادی وغیرہم کے کلام کی تضامین لکھیں۔راغب مرادآبادی کے ایک شعر کی تضمین ملاحظہ ہو:

وہ دعا تھی حنیف کی راغبؔ!   آپ سے خوش رہیں نبیؐ راغبؔ!
آپ کی بات بن گئی راغبؔ!   وہ کہیں اپنا امّتی راغبؔ!

اللہ اللہ عزت افزائی''

(راغب مراد آبادی)(ایضاً)

شبنم رومانی کے شعر پر تضمین اس طرح کی:

خیر ہیں خیر کی آخری حد بھی ہیں   باعثِ کُن بھی ہیں، کُن کا مقصد بھی ہیں
خود بھی حامد ہیں، ممدوحِ سرمد بھی ہیں   ''آپؐ احمد بھی ہیں اور محمدؐ بھی ہیں

حمد ہے لازمی جزوِ نام آپؐ کا

(شبنم رومانی)(ایضاً)

شاعر لکھنوی کے شعر کی تضمین دیکھیے!

اُن کی نبیوں میں پہچان، سب سے الگ   اُن کے امت پہ احسان سب سے الگ
قول، پیغام، فرمان، سب سے الگ   ''میرے آقاؐ کی ہے شان سب سے الگ

جیسے رُتبے میں قرآن سب سے الگ

(شاعر لکھنوی)(ایضاً)

قادر الکلام ہونے کے باوجود نعتیہ شاعری کرتے ہوئے حنیف اسعدی نے خود کو عاجز پایا اور برملا اعتراف کیا:

لاکھ کوشش کے باوجود حنیفؔ!   اُنؐ کی مدحت رقم نہیں ہوتی
مگر اک تازہ نعت لکھنے کی   دل سے حسرت بھی کم نہیں ہوتی
نُطق پر اختیار کے باوصف   فکر لفظوں میں ضم نہیں ہوتی
اُس طرف کا اگر اشارہ نہ ہو   طبع موزوں بہم نہیں ہوتی
دل خشیت سے کانپ اٹھتا ہے   عاجزی بھی رقم نہیں ہوتی
جب تلک وہ نگاہِ لطف آمیز   مائلِ صد کرم نہیں ہوتی
جب تلک دل سُلگ نہیں اُٹھتا   جب تلک آنکھ نم نہیں ہوتی
لاکھ کوشش کے باوجود حنیفؔ!   اُن کی مدحت رقم نہیں ہوتی

(آپ ﷺ)

حنیف اسعدی نے نگار فاروقی کے حمدیہ کلام [اللہُ الصمد] پر لکھتے ہوئے، شعری محاسن کا ذکر، اس طرح کیا تھا:

''عقیدت کو اچھی زبان اور مناسب طرزِ بیان نصیب ہو جائے تو بات تاثیر کی حدوں کو چھو لیتی ہے''...... تقدیسی شاعری کے یہ اوصاف خود حنیف اسعدی کے اسلوب میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

ان کے شعرِ عقیدت کو سراہنے والوں میں پروفیسر محمد منور، سلیم احمد، شبنم رومانی اور پروفیسر سحر انصاری جیسے ادب کے نباض لکھاریوں کے نام آتے ہیں۔

☆☆

نوٹ: یہ مضمون سولھویں عالمی اردو کانفرنس (آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی) میں بروز جمعہ: یکم دسمبر ۲۰۲۳ء کو پڑھا گیا۔

☆☆☆

تعارف: ڈاکٹر عزیزؔ احسن

نام: عبدالعزیز خان ولد عبدالحمید خان (یوسف زئی پٹھان)

قلمی نام: عزیزؔ احسن

پیدائش: ۱۴رشوال المکرّم ۱۳۶۶ھ مطابق ۳۱راگست ۱۹۴۷ء (جے پور، بھارت)

پاکستان آمد: مئی ۱۹۴۸ء

تعلیم: میٹرک (1966)، بی۔کام، سٹی کالج، کراچی (1970)، (زبانوں کی تحصیل کے شوق میں بی کام کے بعد، فاضل اُردو 1971ء اور فاضل فارسی 1974ء کی اسناد بھی حاصل کیں)، ایل، ایل، بی (1978) اسلامیہ لا کالج کراچی، ایم۔اے (تاریخ اسلام) جامعہ کراچی (1985)، ایم۔فل (اقبالیات)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد (2008ء)، پی۔ایچ۔ڈی (اُردو) جامعہ کراچی۔ (2012)

<u>تصانیف:</u>

۱۔ اُردو نعت اور جدید اسالیب (تنقید) ۱۹۹۸ء

۲۔ تیرے ہی خواب میں رہنا (شعری مجموعہ) ۲۰۰۰ء

۳۔ نعت کی تخلیقی سچائیاں (تنقید) ۲۰۰۳ء،

۴۔ کرم و نجات کا سلسلہ (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۵ء

۵۔ ہُنر نازک ہے (تنقید) ۲۰۰۷ء

۶۔ شہپرِ توفیق (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۹ء

۷۔ نعت کے تنقیدی آفاق (تنقید) ۲۰۱۰ء

۸۔ رموزِ بیخودی کا فنی و فکری جائزہ (مقالہ: ایم۔فل [اقبالیات]) ۲۰۱۱ء

۹۔ اُمیدِ طیبہ رسی (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۱۲ء

۱۰۔ ''اُردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ'' (مقالہ، پی۔ایچ۔ڈی) ۲۰۱۳ء

۱۱۔ پاکستان میں اُردو نعت کا ادبی سفر، جولائی ۲۰۱۴ء

۱۲۔ تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم (کتابچہ) دسمبر ۲۰۱۴ء

۱۳۔ نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، (تنقیدی مضامین) مرتبہ: ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، ۲۰۱۵ء

۱۴۔ حمد و نعت کے معنیاتی زاویے (تنقیدی مضامین) فروری 2018ء

۱۵۔ تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم (کتابچہ) اشاعتِ دوم: ستمبر ۲۰۱۸ء

۱۶۔ نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے۔ جون ۲۰۱۹ء [اشاعتِ دوم]

۱۷۔ حمدیہ شاعری کی متنی وسعتیں۔ ستمبر ۲۰۲۰ء

۱۸۔ Excellence of Naat: Conditions and Standards 2021

۱۹۔ THE CREATIVE AESTHETICS OF NA'AT,2022

۲۰۔ اردو ادب کا تنقیدی و تحقیقی تناظر...... ستمبر ۲۰۲۳ء

۲۱۔ Longing to Pay Homage (A Collection of Translated Hymns and Devotional Poems in Honor of the Holy Prophet Muhammad ﷺ)

۲۲۔ معاصر تقدیسی ادب اور تنقیدی منشور............

(Contemporary Sacred Literature and Critical Prism)

ڈاکٹر عزیز احسن کی کتب جو اہلِ علم نے مرتب کیں:

۱۔ ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعاتِ حمد و نعت...... مرتبہ: صبیح رحمانی 2015ء

۲۔ ڈاکٹر عزیز احسن کی ادبی تحریریں، مرتبہ: ڈاکٹر شمع افروز 2016ء

۳۔ کلیاتِ عزیز احسن...... مرتبہ: صبیح رحمانی 2017ء

۴۔ ڈاکٹر عزیز احسن اور اُردو کا ادبی تناظر.....مرتبہ: ڈاکٹر شمع افروز، مارچ ۲۰۲۰ء

۵۔ ڈاکٹر عزیز احسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظر: مرتبہ: ڈاکٹر داؤد عثمانی، فروری ۲۰۲۱ء

۶۔ حمد و نعت کی تنقیدی و تحقیقی جہات (انتخاب مضامینِ ڈاکٹر عزیز احسن) مرتبہ: شاعر علی شاعر ۲۰۲۲ء

۷۔ درد کی آغوش وا ہے (شاعری).....مرتبہ: شاعر علی شاعر

۸۔ طلوعِ سحر.....ڈاکٹر عزیز احسن کی نظموں کا سرائیکی زبان میں ترجمہ.....(محمد عمران خان) فرہاد فریدی

تالیفاتِ ڈاکٹر عزیز احسن:

۱۔ جواہر النعت (نعتیہ انتخاب) ۱۹۸۱ء

۲۔ م ص (نعتیہ مجموعہ) فدا خالدی دہلوی، ۱۹۸۳ء

۳۔ آتشِ احساس (مجموعۂ غزلیات) فدا خالدی دہلوی، ۱۹۸۴ء

۴۔ خوابوں میں سنہری جالی ہے (نعتیہ مجموعہ) صبیح رحمانی، ۱۹۹۷ء

۵۔ قصرِ بلند، یعنی مطالعۂ قرآن، ایچ، ایچ، امام اکبر آبادی، ۲۰۰۱ء

۶۔ سبد گل، ایچ، ایچ، امام اکبر آبادی، ۲۰۰۱ء

۷۔ بحرِ شناسائی، (فارسی کلام) حضرت سید ظہور الحسنین شاہ ظاہر احسنی، یوسفی تاجی، ۲۰۱۴ء

۸۔ کلیاتِ فدا خالدی، (ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی، مارچ ۲۰۲۳ء)

ڈاکٹر عزیز احسن کے علمی و تحقیقی کاموں پر تحقیق:

☆ مقالہ ایم فل: مقالہ نگار: احمد نواز، نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر میمونہ سبحانی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد.....سیشن 2017-2015ء (15 ستمبر 2018ء کو سند عطا کی گئی)

☆ مقالہ ایم فل: ''کلیاتِ عزیز احسن، فکری و فنی جائزہ۔ مقالہ نگار: رفعت ناصر، نگرانِ مقالہ: پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد۔ سیشن: 2019-2017ء (26 ستمبر 2019ء کو سند عطا کی گئی)۔ (مطبوعہ) ناشر: نعت اکادمی، پوسٹ بکس نمبر 25، فیصل آباد، 11 جنوری 2020ء

☆ [۱] نعت کے تنقیدی آفاق۔ [۲] نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے۔ [۳] تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم۔ [۴] پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر۔ [۵] اردو نعت اور جدید اسالیب (غازی یونیورسٹی، ڈیرہ

غازی خان سے ان مقالوں پر بی ایس کی سند عطا ہوئی۔نگراں ڈاکٹر محمد اقبال کامران، مقالہ نگار: ثریا شبیر، محمد آصف، فیصل خلیل، زینب زہرہ، ناصر نواز......۲۰۲۱ء)

ادبی سرگرمیاں:

☆ تاحیات رکن: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔

☆ رکن: قائدِ اعظم رائٹرز گلڈ پاکستان، کراچی

☆ ڈائرکٹر: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔

☆ نگراں: نعت رنگ، مدیر: صبیح رحمانی

☆ تاحیات رکن ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی

☆ معاون مدیر: کتابی سلسلہ ''سفیرِ نعت'' مرتبہ: آفتاب کریمی، کراچی۔

☆ مدیرِ معاون: جریدہ ''احباب''، احبابِ جے پور، کراچی۔(ایک مدت سے اشاعت نہیں ہوسکی)

اعزازات:

☆ اعترافِ خدمات ایوارڈ 2014ء برائے شعبۂ تحقیق و فروغِ نعت (بیادِ شاہ انصار الہ آبادی) منجانب: ادبستانِ انصار کراچی، پاکستان۔

☆ ایوارڈ برائے حسنِ خدمات، حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کانفرنس، 2014ء

☆ بہترین نقاد ایوارڈ، نعت ریسرچ سینٹر، (لیڈز) برطانیہ، 2016ء

☆ ڈاکٹر عبدالقدیر خان بُکس ایوارڈ برائے 2006ء سے 2018ء تک لکھی جانے والی کتب۔ مقالہ برائے پی ایچ ڈی ''اُردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ'' منجانب: قائدِ اعظم رائٹرز گلڈ پاکستان۔محسنِ پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اپنے دستِ مبارک سے ۲۲/اپریل ۲۰۱۹ء کو ایک تقریب میں یہ ایوارڈ عطا فرمایا۔

☆ شیلڈ برائے مقالہ: ''امام احمد رضاؒ کے نعتیہ کلام میں مناقبِ صحابہ کرامؓ اور اُمہات المومنینؓ''، ۳۹ویں امام احمد رضاؒ کانفرنس، ۲۰۱۹ء، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ (رجسٹرڈ) پاکستان، کراچی۔

☆ شیلڈ اور سند، من جانب: شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی، برائے شرکت: بین الاقوامی

کانفرنس......بعنوان: اُردو نعت: تاریخ، مباحث اور موضوعات، ۴/نومبر ۲۰۱۹ء

☆شرکت بحیثیت مندوب (مقالہ نگار): عالمی اُردو کانفرنس منعقدہ: آرٹس کونسل پاکستان، کراچی،

۲۰۱۴، ۲۰۱۵، ۲۰۱۶، ۲۰۱۷، ۲۰۱۹، ۲۰۲۲، ۲۰۲۳ء ۲۰۲۴ء

☆نعتیہ تنقید و تحقیق ایوارڈ، انٹرنیشنل نعت فورم، لاہور، و منہاج یونیورسٹی، لاہور (قومی ادبی نعت کانفرنس ۲۰۲۳ء)

☆لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ 2025ء، منہاج یونیورسٹی، لاہور اور انٹرنیشنل نعت فورم، لاہور (قومی ادبی نعت کانفرنس 2025ء)

☆

Mail Add: A-12, Block 13, Gulistan-e-Jauhar,
Karachi, Pakistan.
E:mail: abdulazizkhan49@gmail.com
Cell No. 00923335567941
Whats app: 0092 318-8093456

تعارفِ مرتب:

اصل نام؛ محمد عمران خان

قلمی نام؛ فرہادؔ فریدی

ولدیت؛ حبیب اللہ کوائی

تاریخ پیدائش؛ ۴، اپریل ۲۰۰۰ء

قوم؛ کورائی بلوچ

تعلیم؛ ایم اے اردو جامعہ کراچی (جاری، سالِ آخر)

رہائش گاہ؛ غریب آباد کالونی، نزدیک شیخ واہن، رحیم یار خان

فون نمبر؛03093381202

تصانیف

طلوعِ سحر

(استادِ محترم ڈاکٹر عزیزؔ احسن صاحب کی آزاد نظموں کا سرائیکی زبان میں ترجمہ)

پیشِ نظر، معاصر تقدیسی ادب اور تنقیدی منشور (ترتیب و تدوین)

Email: poetfarhadfareedi@gmail.com

Whatsapp: 0092-309-3381202

نعت ریسرچ سینٹر کی مطبوعات

1- اُردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر		ڈاکٹر عاصی کرنالی	600/-
2- اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ		رشید وارثی	350/-
3- نعت میں کیسے کہوں	(تنقید)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	200/-
4- غالب اور ثنائے خواجہ	(تنقید)	صبیح رحمانی	200/-
5- نعت کی تخلیقی سچائیاں	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
6- ہنر نازک ہے	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
7- اردو نعت اور جدید اسالیب	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	120/-
8- نعت نگر کا باسی	(تنقید)	صبیح رحمانی	150/-
9- جادۂ رحمت کا مسافر	(تنقید)	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی	80/-
10- بہشت تضامین	(شعری مجموعہ)	حافظ عبدالغفار حافظ	250/-
11- خیر البشر	(میلاد نامہ)	نور بانو محجوب	200/-
12- نعت اور تنقیدِ نعت	(تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
13- فنِ اداریہ نویسی اور ''نعت رنگ''	(تنقید)	ڈاکٹر افضال احمد انور	200/-
14- ''نعت رنگ'' اہلِ علم کی نظر میں	(مضامین)	ڈاکٹر شبیر احمد قادری	300/-
15- فہرستِ کتب خانہ نعت ریسرچ سینٹر	(کتابیات)	محمد طاہر قریشی	300/-
16- زبورِ حرم	(کلیاتِ نعت)	اقبال عظیم	450/-
17- شہہ لولاک	(شعری مجموعہ)	امان خان دل	150/-
18- جادۂ رحمت	(انگریزی مجموعہ)	جسٹس منیر مغل	200/-
19- اشاریہ ''نعت رنگ''	(بیس شمارے)	ڈاکٹر سہیل شفیق	300/-
20- سرکار کے قدموں میں	(انگریزی ترجمہ)	سارہ کاظمی	500/-
21- شہپرِ توفیق	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
22- قوسین	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
23- نزول	(شعری مجموعہ)	شفیق الدین شارق	100/-
24- آنکھ بنی کشکول	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	100/-
25- آپ	(شعری مجموعہ)	حنیف اسعدی	150/-

نعت ریسرچ سینٹر کی مطبوعات

26- کرم ونجات کا سلسلہ	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
27- نعت اور سلام	(شعری مجموعہ)	وحیدہ نسیم	20/-
28- ممدوحِ خلائق	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
29- مرقعِ چہل حدیث	(مجموعہ احادیث)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	300/-
30- نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش	(تنقید)	پروفیسر محمد اکرم رضا	250/-
31- نعت کے تنقیدی آفاق	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
32- مثنوی رموزِ بیخودی کا فنی وفکری جائزہ	(اقبالیات)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
33- اُمیدِ طیبہ رسی	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
34- نعت شناسی	(تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
35- اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ	(تحقیقی مقالہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	700/-
36- پاکستان میں اُردو نعت کا ادبی سفر	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	300/-
37- نعت نامے بنام صبیح رحمانی	(مجموعۂ مکاتیب)	ڈاکٹر محمد سہیل شفیق	1000/-
38- نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	350/-
39- تعلق بالرسول a کے تقاضے اور ہم	(سیرت)	ڈاکٹر عزیز احسن	52/-
40- دل جس سے زندہ ہے	(ظفر علی خان کی نعتیہ تب وتاب)	ڈاکٹر محمد اقبال جاوید	100/-
41- نعت رنگ کے پچیس شمارے	(ایک اجمالی تعارف)	ڈاکٹر شہزاد احمد	50/-
42- وفیات نعت گویانِ پاکستان		ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ	200/-
43- ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمد ونعت		صبیح رحمانی	400/-
44- اُصول نعت گوئی		حلیم حاذق	200/-
45- نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات		کاشف عرفان	400/-
46- زمزمہ سلام		سیما منیر	ہدیہ دُعا
47- مدحت نامہ		صبیح رحمانی	600/-
48- کراچی کا دبستانِ نعت	(تذکرہ)	منظر عارفی	1000/-
49- مناقب امام حسین اور شعرا کراچی		منظر عارفی	500/-
50- کلام رضا فکری وفنی زاویے		صبیح رحمانی	500/-
51- عطر خیال (نعتیہ مجموعہ)		شبنم رومانی	200/-
52- یہ روح مدینے والی ہے		رئیس احمد	250/-

53- پاکستانی زبانوں میں نعت		صبیح رحمانی	500/-
54- کلیاتِ عزیز احسن		صبیح رحمانی	900/-
55-نعتیہ شاعری کے فروغ میں ''نعت رنگ'' کی خدمات		حلیمہ سعدیہ منگلوری	500/-
56-اُردو شاعری میں نعت (ابتدا سے محسن کاکوروی تک)		ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری	500/-
57-اُردو شاعری میں نعت (حالی سے حال تک)		ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری	500/-
58-حمد و نعت کے معنیاتی زاویے		ڈاکٹر عزیز احسن	400/-
59-تحمید و تحسین	(حمدیہ اور نعتیہ مضامین)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	500/-
60-مناقب خلفائے راشدین اور شعرائے کراچی		منظر عارفی	800/-
61-نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے		ڈاکٹر عزیز احسن	250/-
62-تحسین رسالت	(تنقیدی مضامین)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	2000/-
63-خوشبو کا سفر	(نعتیہ مجموعہ)	محمد احمد اریب	100/-
64-نعتیہ ادب: مسائل و مباحث	(خطوط کا تجزیاتی مطالعہ)	ڈاکٹر ابرار عبدالسلام	700/-
65-ہماری ملّی شاعری میں نعتیہ عناصر	(تحقیقی مقالہ)	ڈاکٹر محمد طاہر قریشی	900/-
66-ثنا کی نکہتیں	(مجموعہ نعت برزمینِ غالب)	سیّد محمد نورالحسن نورؔ نوابی عزیزی	300/-
67-افسر ماہ پوری کی نعت شناسی		ڈاکٹر شمع افروز	300/-
68- کشفیہ	(مجموعہ نعت)	سلیم شہزاد	300/-
69-پاکستانی اُردو غزل میں حمدیہ و نعتیہ عناصر (تنقید)		محمد کاشف ضیاء	300/-
70-صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری	(فکری و تنقیدی تناظر)	ڈاکٹر شمع افروز	700/-
71-حمدیہ شاعری کی متنی وسعتیں	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	600/-
72-اُردو کا حمدیہ ادب۔اجمالی مطالعہ	(تحقیق)	صبیح رحمانی	200/-
73-انتخاب نعت	(موضوعات کے اعتبار سے)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	2000/-
74-حرا کی خوشبو	(مجموعہ نعت)	انجم نیازی	500/-
75-ریاضِ حمد و نعت	(تین مجموعہ نعت)	ریاض حسین چودھری	500/-
76-تقدیسی ادب کا فکری تناظر	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	700/-
77-نعت نگاری: فنی و تاریخی تناظر	(تنقید)	قاضی اسد ثنائی	800/-
78-مخزنِ نعت	(انتخابِ نعت)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	600/-
79-ناعت فرخندہ بخت	(تنقید)	علی صابر رضوی	500/-
80-ثناء نژاد	(نعتیہ مجموعہ)	جنید ندیم سیٹھی	500/-

نعت ریسرچ سینٹر کی مطبوعات

81-نصاب غلامی	(نعتیہ مجموعہ)	ریاض حسین چودھری	700/-
82-وردِ مسلسل	(نعتیہ مجموعہ)	ریاض حسین چودھری	800/-
83- کلیاتِ نعت	(نعتیہ مجموعہ)	عبدالعزیز دباغ	800/-
84-روشنی یا نبی	(نعتیہ مجموعہ)	ریاض حسین چودھری	900/-
85-اُردو نعت میں تعظیمی بیانیہ	(تنقید)	طارق ہاشمی	600/-
86-ریاض حسین چودھری کی نعت نگار	(تنقید)	شیخ عبدالعزیز دباغ	600/-
87-اُردو میں معراج نامے	(تاریخ و تجزیہ)	ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط	700/-
Excellence of Naat-88		Dr. Aziz Ahsan	900/-
89-عہدِ رسالت میں نعت	(تحقیق و تجزیہ)	ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان	800/-
90-دبستانِ فلم کے نعت نگار	(تحقیق)	اکرم کنجاہی	600/-
91- تنقیدِ نعت: نیا تناظر نئی تفہیم	(تحقیق و تنقید)	ڈاکٹر ابرار عبدالسلام	1400/-
92-عقیدت کے پھول	(نعتیہ مجموعہ)	شکیل فاروقی	600/-
93-نعت نامے	(مجموعہ خطوط)	ڈاکٹر سہیل شفیق	5000/-
94-اردو شاعری میں واقعہ معراج	(تحقیق و تجزیہ)	ڈاکٹر طاہرہ انعام	900/-
95-اردو نعت اور چند ادبی تحریکیں	(تحقیق و تجزیہ)	ڈاکٹر طاہرہ انعام	800/-
96-نعت کی تنقیدی و تحقیقی جہات	(دبستانِ نعت سے انتخاب)	ڈاکٹر سراج احمد قادری	600/-
97-نعت کے تخلیقی زاویئے	(تنقید)	ریاض حسین چودھری	800/-
98-دُرجِ نعت	(تحقیق و تنقید)	ڈاکٹر راہی فدائی	800/-
99-بہارِ قبول	(تضمین سلامِ رضا)	حامد یزدانی	500/-
100-طلوعِ سحر	(کلامِ عزیز احسن کا سرائیکی ترجمہ)	فرہاد فریدی	1000/-
Longion to Pay Homage-101	(Translation)	Dr. Aziz Ahsan	800/-
Hamd Literature -102	(Research)	Sabeeb Rehmani	350/-
Naat Perception -103	(Research)	Shaykh Abdul Aziz Dabbagh	400/-
104-اُردو میں نعتیہ قصیدہ نگاری	تحقیق و تنقید	ڈاکٹر نوید عاجز	1500/-
105-اردو نعت اٹھارویں صدی میں	تحقیق و تنقید	ڈاکٹر طاہرہ انعام	1200/-
106-دیوانِ کافی	تحقیق و تنقید	ڈاکٹر محمد آصف حسنین	1250/-
107-اُردو نعت میں تلمیحات	تحقیق و تنقید	خورشید ربانی	500/-
108-''معارف'' کے تقدیسی مطالعات	تاریخ	غلام مصطفیٰ دائم	2500/-
109- معاصر تقدیسی ادب اور تنقیدی منشور	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	1000/-

□□□

نعتیہ ادب سے ڈاکٹر عزیز احسن کا تعلق چراغ اور روشنی کا ہے۔ چراغِ مدحت سے روشنی لے کر وہ صنفِ نعت کی آب وتاب بڑھانے میں کوشاں رہے ہیں۔ اگرچہ صدق واخلاص ہر کام کے لیے شرطِ اول ہے لیکن کارِ نعت میں آخری شرط بھی یہی ہے، جس کی اساس پر ڈاکٹر عزیز احسن نے تین دہائیوں کا یہ سفر طے کیا ہے۔ ان کا پیش کردہ تنقیدی سرمایہ قرآن وحدیث، فقہ وتاریخ، علوم وفنون اور نقد و ادب کے قدیم وجدید نظریات سے آگہی کا پتا دیتا ہے۔ مگر متقنن تنقید کی طرف ان کے پیہم میلان کا جواز نعت گوشعرا کی وہ آزادہ روی ہے جسے جِدّت کے نام پر اپنایا جارہا ہے۔ ان کی تحریروں کا غالب آہنگ یہی ہے:

ع سُوئے قطار می کشم ناقہ ءبے زمام را

ان کی کوششوں کے مطلوبہ نتائج بہت وقت طلب ہیں۔ ذہن سازی اور بالخصوص تخلیقی طبقے کی ذہن سازی مشکل امر ہے۔ کارواں کی طرف سے اس گرانیِ رفتار کا نتیجہ یہ ہے کہ صدائے جرس بلند رہتی ہے۔ اس کتاب کی فہرست سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان کی آنکھیں سوجگہ پڑتی ہیں، حقیقتِ حُسن اور حُسنِ حقیقت دونوں کی نقاب کشائی کرتی ہیں۔ جہاں ڈاکٹر عزیز احسن کی دیگر کتب جدید اردو نعت کے اسلوب، تنقیدی منہج اور تخلیقی سچائی کی شرعی وادبی محاسب ہیں وہاں یہ تازہ تصنیف ''معاصر تقدیسی ادب اور تنقیدی منشور'' بھی تخلیق کاروں کے تنقیدی شعور کی پرورش کرے گی۔ فرہادؔ فریدی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان شذراتِ بصیرت کو ترتیب دینے کی سعادت ان کے ہاتھ آئی ہے اور انھوں نے دلجمعی سے فکر ونظر کے ابعاد میں سفر کرکے یہ نورِ بصیرت عام کردیا ہے۔

صبیح رحمانی

ISBN NO. 978-627-7895-02-0

Price Rs: 1000/-